

احساس وفا

قراۃ العین رائے

تانگے کے رکتے ہی وہ چھلانگ نما انداز میں اتری تھی۔

"توبہ کچے پکے راتے پر چلتے ہوئے جوڑ جوڑ ہلا کر رکھ دیا نہایت ہی بور اور بے ہودہ سی سواری ہے۔" گوفت زدہ انداز میں سوچتے ہوئے اس نے اپنا بھاری سفری بیگ جو تانگے کی پچھلی سیٹ کے نیچے رکھایا گیا تھا زور لگا کر کھینچا چاہا مگر اپنے بھاری پن اور پھنسے ہونے کی وجہ سے وہ اپنی جگہ سے کس سے کس نہ ہوا اور اس مختصر سی کھینچا تانی نے اس کی جھلاہٹ کو دوگنا کر ڈالا تھا۔

اپنے شولڈر کٹ بالوں کو ہاتھ سے درست کرتے ہوئے اور ان پر خوبصورت سن گلاسز ٹکاتے ہوئے اس کی نظر سامنے سرخ اینٹوں والی عمارت پر ٹکی تھی۔

"توبہ تمہارا ٹھکانہ ذائریہ بی بی!" اس نے سینے سے ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے خود کو دل میں مخاطب کرتے ہوئے ایک بار پھر عمارت کی جانب نظر دوڑائی۔

یہ اوائل مارچ کی دوپہر تھی سنہری اور اجلی جاتی سردی اور آتی گرمی کا ملاپ لئے ہوئے اور وہ خوبصورت تراش کا سوٹ زیب تن کیئے گورے گورے پاؤں میں کالے نفیس چپل پہنے شولڈر کٹ بالوں پر سن گلاسز لگائے چہرے پہ گلابی اور سفیدی کی ملاہیت لئے لڑکی اس ٹوٹی پھوٹی سڑک، پرانے سے تانگے اور آبادی سے قدرے دور عمارت کے سامنے کھڑی اس ماحول کا قطعی حصہ نہیں لگ رہی تھی اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ

مکمل ناول



کبھی ادھر کا رخ نہ کرتی اگر کوئی اور چوائس ہوتی چاہے کمتر اور بدترین سہی تو وہ یقیناً اس کا انتخاب کرتی مگر زندگی کے بے در پے حادثات نے اسے بالکل بے اختیار کر کے رکھ دیا تھا وہ کٹی پتنگ کی مانند ہوگئی تھی تقدیر کی ہواؤں کے لیتے ہوئے اسے جدھر لے کر جا رہی تھی اسے ادھر ہی جانا تھا وہ حیران سی دور سے آتی اور دور تک جاتی لمبی ٹوٹی پھوٹی سڑک کے کنارے اس عمارت کا جائزہ لینے کھڑی ہوگئی تھی، اردگرد سوائے کھیتوں کے اسے کوئی خاص چیز نظر نہ آئی تھی ہاں البتہ قدرے دور آبادی اور مکانات کے سلسلے نظر آرہے تھے مگر اس عمارت کو ان سے قدرے فاصلے پر تعمیر کیا گیا تھا نہ جانے کیوں تعمیر کرنے یا کروانے والا کافی آدم بیزار طبیعت کا مالک معلوم ہوتا تھا عمارت کا گیٹ زنگ آلود اور اکھڑے ہوئے سرمئی پینٹ کا حامل تھا سرخ رنگ کی چار دیواری کے اندر تین کمروں کی مختصر سی عمارت جس کے صحن میں برگد اور سفیدے کے درخت اس عمارت کے افراد خانہ کی دعویٰ دار کی صورت میں سر اٹھائے گھنی چھاؤں بچھائے کھڑے نظر آرہے تھے۔

''آجاؤ بی بی جی یہی ہے جی وہ جگہ۔''

کوچوان جو اس کا بھاری بیگ اٹھائے گیٹ تک پہنچ چکا تھا اور اسے تانگے کے قریب گم صم کھڑی دیکھ کر اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا جس میں وہ کامیاب رہا تھا۔

''آں..... ہاں..... آ رہی ہوں۔''

کوچوان کے یوں پکارنے پر وہ بے اختیار چونکی تھی پھر اپنا ہینڈ بیگ مرنل واٹر کی بوتل اور ایک چھوٹا سفری بیگ سنبھالتی کوچوان کی تقلید میں اس عمارت میں داخل ہوئی تھی۔

عمارت میں داخل ہوتے ہی اس کو سب سے بڑا دیکھا صحن کے ایک کونے میں بنا مدھی اس مخلوق کو دیکھ کر لگا جس سے وہ ہمیشہ خوفزدہ رہتی تھی کم از کم اس عمارت میں اس کا موجود ہونے ذائریہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا یہاں کے حالات اس کے لئے بدترین ثابت ہوں گے یہ تو پتا تھا لیکن اتنے بدترین.....!

''فضلو! ..... اوئے فضلو..... اوہ فضل دینا، وہ کدھر سو پڑا ہے، دیکھ تو کون آیا ہے۔''

کوچوان نے بیگ کو نیچے پٹختے عمارت کے اندر کمروں کی جانب منہ کر کے کسی کو آوازیں دینا شروع کر دی اور ذائریہ نے ایک طائرانہ نظر کوفت بھرے انداز میں اردگرد دوڑانی شروع کی۔

بڑا سا صحن جس میں جا بجا خشک پتے بکھرے ہوئے تھے صحن کے جنوبی کونے میں ایک ہینڈ پمپ لگا ہوا تھا جس کے اردگرد سیمنٹ کا فرش کر دیا گیا تھا، درختوں پر پرندوں کا عجیب سا شور جو خاموشی عمارت کے ساتھ میل نہ کھا رہا تھا شمالی کونے پر ایک چھوٹا سا واش روم بنا ہوا تھا اور مشرق کی جانب تین کمرے تھے جن کا رخ مغرب کی جانب تھا دو کمرے سامنے اور ایک کمرہ دائیں جانب اور ان کے آگے برآمدہ تھا اور اس برآمدے پر جانے کے لئے تین سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں تمام عمارت پر سرخ رنگ پھیرا گیا تھا جو بارشوں کی وجہ سے پھیکا پڑ چکا تھا، کمروں کے پیچھے بھی کچھ جگہ خالی نظر آرہی تھی جس میں خودرو جھاڑیوں کی بہتات تھی پیچھا ہونے کی وجہ سے اس پر کسی قسم کی کوئی توجہ نہیں دی گئی تھی یوں لگا اگلے حصے پر بھی قابل ذکر توجہ نہیں دی گئی تھی مکمل ازم جھاڑیوں سے اسے صاف دکھا گیا تھا۔

''اوہ کون آ گیا ہے پچارحمیاں سویرے سویرے؟'' دائیں جانب بنے کمرے کا دروازہ کھول کر ایک دیہاتی حلیے میں پتلا لمبا سا درمیانی

عمر کا آدمی برآمد ہوا یقیناً وہ اس وقت دوپہر کی نیند کا لطف لے رہا تھا، پچارحمیاں کی آواز نے اس کے آرام میں خلل ڈالا تھا اس کا اندازہ اس کی ہیئت اور صورت سے لگایا جا سکتا تھا اور نوارد کے پوستی پن کا اندازہ ذائریہ کو باخوبی ہو گیا تھا جو بھری دوپہر کو بھی سویرے سویرے کہہ رہا تھا۔

''دفعہ ہو جاؤ پہلے اپنا حلیہ تو ٹھیک کر کے آ۔'' پچارحمیاں نے گھٹنوں تک کی ہوئی تہمند اور اوپر بنیان پہنتے ہوئے دیکھ کر ٹوکتے اور گھورتے ہوئے کہا اس کے آرام دہ بلکہ فری سٹائل کے حلیے اور سامنے کھڑی ذائریہ کے زنانہ وجود کا احساس دلانہ چاہا جس کے چہرے پر بیزاریت کے ساتھ اب ناگواریت بھی پھیل چکی تھی۔

ذائریہ پر نظر پڑتی ہی وہ بوکھلایا سا اور حیران سا واپس پلٹ گیا اور چند ہی لمحوں میں حلیہ کرتا پہنے نمودار ہوا۔

''لے بیگ پھڑ (پکڑ) تے اندر ڈاکٹر جی کے کمرے میں جا کے رکھ، نیوی ڈاکٹرنی ہے اب کی دفعہ گورنمنٹ (گورنمنٹ) نے ہمارے لئے شہر سے ڈاکٹرنی بھیجی ہے چل جلدی سے ڈاکٹرنی کا سامان اندر لے چل۔'' پچارحمیاں نے فضلو کی بڑبڑاہٹ دور کرتے ہوئے کہا اور سامان اندر لے جانے کی تاکیدیں کی جیسے اسے ڈاکٹرنی کا یہی واپس لوٹ جانے کا خدشہ ہو۔

''اوہ جی یہ فضل دین ہے یہاں کا چوکیدار کم ڈرائیور (کیا ڈنڈر) اور بھی کچھ جی۔'' پچارحمیاں نے دونوں فریقین کا آپس میں تعارف کروایا اور واپسی کے لئے مڑا۔

''لو پتر جی میں اب چلتا ہوں اڈے پر سواریوں کا ویلا ہے میں آؤں گا شام کو کھانسی والی ہوئی ہے دوائی لینے اور آپ کا حال چال پوچھنے، اوہ فضلو اپنی سوانی (بیوی) کو بلا لے صفائی ستھرائی کرے اور ڈاکٹرنی جی کے ہانڈی روٹی کا انتظام کرے، آپ بے فکر ہو کے رہو جی یہاں ہم سب آپ کا بڑا خیال رکھیں گے، کتنے دن رہو گے (سالوں) بعد اس عمارت نے ڈاکٹر..... ڈاکٹرنی کی شکل دیکھی ہے رب آپ کو یہاں رہنے کی توفیق دے رب راکھا پتر جی۔'' پچارحمیاں، فضل کو ہدایت دیتا اور اپنی ہانکتا ہوا گیٹ سے باہر نکل گیا۔

''رب راکھا۔'' اس کے لبوں نے ہلکی سی جنبش کی اور مرے مرے قدم انجانی وہ برآمدے کی جانب بڑھی۔

''قسم کھائی تھی میں نے کہ کبھی زندگی میں دوبارہ ایسے ماحول اور ایسے لوگوں کے بیچ جانے کا سوچوں گی بھی نہیں مگر میری تقدیر ہی میری دشمن بن بیٹھی جس پر مان تھا وہ چھین لیا اور بے حد تلخ اور برے تجربے کی بناء پر میں جن لوگوں اور ماحول سے متنفر ہوئی تھی پھر وہیں لا پٹخا ہے یہاں پر رہنے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہیں یہی واحد اور آخری ٹھکانہ ہے میرا جسے میں کسی قیمت پر کھو نہیں سکتی شدید نفرت کرنے کے باوجود۔''

اپنی ہی سوچوں میں ابھی وہ برآمدے تک چلی آئی ایک بار پھر اس کا دل چاہا تھا کہ وہ دھاڑیں مار مار کے رونا شروع کر دے رات عجلت میں پیکنگ کرتے ہوئے بھی اس پر ڈپریشن کا حملہ ہوا تھا اور سب کچھ وہیں چھوڑ چھاڑ کر اس نے فرش پر بیٹھ کر رونا شروع کر دیا تھا وہ تو بی جان ہی تھی جنہوں نے بمشکل اسے چپ کروایا تھا اپنی باتوں سے حوصلہ دیا تھا ہمت بندھائی تھی اور ایک بار پھر حالات سے لڑنے کے لئے کمربستہ کیا تھا۔

''آپ جی ادھر کرسی پر بیٹھیے میں جی اپنی بیوی کو بلا کر لاتا ہوں وہ کمرے کی صفائی کر دے گی اور کھانے پینے کا انتظام بھی بس جی میں ابھی

گیا اور ابھی آیا۔'' فضلو نے جلدی سے سامنے کمرے میں سے کرسی لا کر اس کے قریب رکھی اور مودبانہ انداز میں اسے مخاطب کیا اس کی خاموشی کو رضامندی جان کر اس نے باہر جانے کے لئے قدم بڑھائے۔

''فضل دین!'' عجیب سا اہال اٹھا تھا سامنے نظر پڑتے ہی فضلو پشت پر ڈاکٹرنی کی آواز سن کر ٹھٹھک گیا اور جلدی سے مڑا۔

''کیا یہ جانوروں کا ہسپتال ہے؟'' سوال حیرت سے نہیں بلکہ طنزیہ انداز میں پوچھا گیا تھا اور فضل دین گڑبڑا کر رہ گیا تھا۔

''وہ نئیں جی وہ اصل میں یہ میرے سالے کی بھینس ہے جی وہ سامنے سڑک پار کھیت میں کام کر رہا تھا تو جی ادھر چھاؤں کی وجہ سے باندھ گیا میں نے بڑا منع کیا تھا جی پر برا ہوا اس رشتے داری کا سالے کو تو ٹال لیتا پر پھر گھر والی نے نہیں ٹلنا تھا خواہ مخواہ دماغ پولا (خالی) کر دیتی بول بول کر میں جی ابھی اسے بلوا کر باہر نکلوا تا ہوں اسے آپ جی بس مجھے دس پندرہ منٹ ڈاکٹر صاحبہ دے میں سب کچھ ٹھیک ٹھاک کر دیتا ہوں جی۔'' فضلو نے قدرے بوکھلائے اور گھبرائے کونے میں بندھی بھینس کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا جسے گیٹ میں داخل ہوتے دیکھ کر ہی ڈائرہ کو بیک وقت خوف اور غصہ آیا تھا اور اسے اس ہیلتھ یونٹ کے بارے میں بھی باخوبی اندازہ ہو گیا تھا جس جگہ کو لوگ اپنے جانوروں کے استعمال کی جگہ سمجھے خود اس کے بارے میں اور اس کی سہولیات کے بارے میں کیا خیال رکھتے ہوں گے وہ محض سر جھٹک کر رہ گئی فضلو کے چلے جانے کے بعد اس نے سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں اور بیتی یادوں کے دریچے پھر سے وا ہو کر بند پلکوں میں سے آنسو کی صورت بہہ نکلے وہ آخری بار رو کر اپنا جی ہلکا کر لینا چاہتی تھی ہر بار وہ یہی سوچ کر رو پڑتی تھی کہ یہ آخری بار ہے اسے بہادر بننا ہے، ہمت دکھانی ہے اور بزدلوں کی طرح رونا نہیں اور ہر بار خود سے کیا عہد بھلا کر وہ یوں رونے بیٹھ جاتی تھی ہر چیز جیسے ویرانی اور تنہائی کی حکمرانی تھی اس کے وجود سمیت۔

☆☆☆

''لیکن فضلو یہ سب تو ہمت نا کافی ہے۔''

اگلے روز جب اس نے خوب ساری نیند لینے کے بعد کلینک کے نام پر اس مختصر سی عمارت کا جائزہ لینا چاہا تو میڈیکل سہولیات کی کمی دیکھ کر حیران پریشان رہ گئی، فضلو اسے گائیڈ کرنے کے لئے ساتھ ساتھ تھا اور اس کی بیوی باہر سائیڈ کی دیوار کے ایک کونے کے ساتھ مٹی کے چولہے پر ڈائرہ کے لئے ناشتہ بنا رہی تھی۔

کل دوپہر سے وہ اس ماحول سے عجیب سی اکتاہٹ اور بیزاریت محسوس کر رہی تھی رات بھی ٹھیک طرح سے سو نہ پائی ایک تو ویران ناپسندیدہ اجنبی جگہ، اکیلے ہونے کا خوف حالانکہ فضلو دوسرے کمرے میں اور اس کی بیوی اسی کے خیال سے اس کے کمرے میں سونی تھی چاہے یہی تھا کہ دن بھر کی کوفت اور ذہنی تھکاوٹ کے باعث نیند کی پری اس پر مہربان ہو جاتی مگر وہ مہربان چیز تو گویا اس سے روٹھ چکی تھی اس کی تقدیر کی طرح۔

یہ گوجرانوالہ سے آگے ایک پسماندہ گاؤں تھا لاہور سے گوجرانوالہ کا فاصلہ اس نے بس پر طے کیا تھا جو کہ کافی تھکا دینے والا تھا اور پھر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تانگے کا سفر جو اس کے لئے کافی دشت ناک اور تکلیف دہ ثابت ہوا تو جانوروں سے وہ فطرتاً مانوس نہیں تھی عجیب سا لگتا تھا اس لئے اکلوتا ہونے کے باوجود اپنی تنہائی کا سد باب اس نے کبھی کوئی بالتو جانور رکھ کر نہیں کیا تھا، سارے راستے وہ تانگے کی نشست کو اتنی مضبوطی سے پکڑے رہی تھی کہ اس کی دائیں ہتھیلی سرخ ہو گئی تھی اور درد ہونے لگا تھا تانگے پر بیٹھنے کا یہ اس کا پہلا تجربہ تھا، اسے لگتا تھا کہ تانگے کے ہچکولوں کے باعث وہ گر ہی جائے گی اوپر سے گھوڑے کے چلتے ہوئے نتھنوں میں سے آتی آوازیں وہ خوفزدہ رہی کہ اگر اڑیل گھوڑے نے اگلی دو ٹانگیں اٹھا دیں (جیسے فلموں میں دوڑتا گھوڑا کرتا ہے) تو یقیناً وہ اس پانچ سڑک پر گھر کر اپنی ہڈی پسلی تڑوا بیٹھے گی صد افسوس کہ کوئی رکشہ یا ویگن بہت کم اس گاؤں کا رخ کرتے تھے کوئی بھی رکشے والا اسے اس کے مطلوبہ ایڈریس پر پہنچانے کے لئے رضامند نہیں ہوا تھا بھی بچا رحمیاں نے آگے بڑھ کر اپنی خدمات پیش کر دی تھیں اور وہ اس بات پر بے تحاشا شکر ادا کر رہی تھی کہ اس کے گاؤں میں ایک عدد ڈاکٹرنی آ رہی ہے اور سارے راستے وہ گاؤں کے لوگوں کی مجبوریوں کا رونا روتا آیا تھا جسے ڈائرہ نے سن کر بھی سن نہیں پائی تھی وہ اپنے احساسات اور خیالات میں ہی الجھی رہی تھی۔

رات اس کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور اس کی چارپائی باہر کھلنے والی کھڑکی کے قریب تھی اور باہر دیکھنے پر ہر طرف ہولناک سیاہ تاریکی ہی نظر آئی تھی اور یہی تاریکی اب اس کی زندگی کا بھی حصہ تھی۔

''ماما، بابا آئی مس یو، میں آپ کے بغیر رہ نہیں پاؤں گی، بہت مشکل ہے آپ دونوں نے مجھے یہ کیا سزا سنا ڈالی ذرا بھی اپنی ڈائرہ پر رحم نہ آیا، ماما، بابا آپ دونوں تو بہت محبت کرتے تھے مجھ سے، تو پھر یہ سب کیوں، میری ہلکی سی چوٹ اور تکلیف پر پریشان ہو جاتے تھے آج دیکھے ڈائریہ جتنی تکلیف میں ہے کتنے درد میں ہے مما میں سہہ نہیں پا رہی یہ تکلیف میں بہت کمزور ہوں پلیز مما مجھے اپنے پاس بلا لیں پلیز بابا مجھ پر رحم کریں مجھے اپنے پاس بلا لیں یہ سزا بہت بڑی سزا ہے اور میرا تو کوئی قصور بھی نہیں تھا پھر یہ سزا کیوں؟ آخر کیوں..... آئی مس بوتھ آف یو (میں آپ دونوں کو بہت یاد کرتی ہوں) آئی مس یو.....'' خود سے زیر لب بولتے ہوئے اور دبی دبی ہچکیوں کے ساتھ روتے ہوئے وہ یونہی نہ جانے کب سو گئی تھی نیند تو واقعی سولی پر بھی آ جاتی ہے سو اسے بھی آ گئی تھی بھی وہ دن چڑھے تک سوتی رہی اور اب منہ ہاتھ دھو کر جب وہ فریش ہو چکی تھی اور اپنی پراگندہ سوچوں سے نجات چاہتی تھی بھی فضلو کے ساتھ سامنے بنے کمروں کا جائزہ لینے اٹھ کھڑی ہوئی سائیڈ کا کمرہ تو اب اس کی رہائش گاہ تھا ایک کمرہ ڈاکٹر کے بیٹھنے اور مریضوں کو دیکھنے وغیرہ کا تھا اس کمرے میں ایک عدد میز کرسی اور بنچ سے ہٹ کے علاوہ کوئی قابل ذکر اشیاء موجود نہیں تھی پیلے رنگ کی قلعی فرش کے قریب سے جا بجا کھڑی ہوئی تھی اور نیچے سے جھانکتا پلستر یونہی تھا جیسے پھٹے پرانے کپڑے تن ڈھانپنے کو ہلکان ہوتے اور راز عیاں کرتے جاتے ہیں۔

دوسرا کمرہ ایک طرح سے وارڈ روم تھا یا پھر آپریشن روم بھی دو عدد بیڈ تھے اور سامنے چھوٹی سے الماری میں دوائیاں رکھی ہوئی تھیں دوائیاں کیا تھیں بس پٹی وغیرہ کا سامان اور کچھ پین کلرز وغیرہ وہ یہ صورت حال دیکھ کر حقیقی معنوں میں پریشان اور حیران ہو کر رہ گئی تھی اتنی ناکافی طبی سہولیات کے ساتھ وہ کیونکر کسی مریض کا علاج کر پائے گی تقدیر اسے کوئی بھی تو سرا سلجھانے نہ

دے رہی تھی۔

"لیکن فضلو یہ سب تو واقعی بہت ناکافی ہے۔" پہلی دفعہ جب اس نے یہ جملہ بولا تھا تو اس میں حیرانی پنہاں تھی اور اب پریشانی عیاں تھی۔

"آہو جی وہ اصل میں ڈاکٹر صاحبہ کافی عرصے سے کوئی ڈاکٹر ادھر نہیں آیا نہ جی، تو دوائیاں وغیرہ ختم ہوگئیں ہیں کچھ کی تاریخ زیادہ ہوگئی تھی تو میں نے پھینک دیں آپ فکر نہ کرئے جی آپ ایک درخواست لکھ کر اوپر بھیجنے کو بھجوا دیں کچھ دنوں میں وہ کچھ ادویات بھجوا دیں گے جو بھی ڈاکٹر آتے ہیں وہ پہلے یہی کام کرتے ہیں۔" فضل کی جانب سے اسے قدرے تسلی بخش جواب موصول ہوا اس وقت وہ ڈاکٹر کے بنے مختص کمرے میں کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اور میز کی دوسری جانب فضلو کھڑا ہوا تھا۔

"درخواست! لیکن وہ پوسٹ کیسے ہوگی میرا نہیں خیال یہاں کوئی پوسٹ آفس ہوگا اور میں کیسے جاؤں گی اتنی دور شہر میں پوسٹ کرنے۔" وہ ایک بار پھر تانگے کی سواری کا تصور کرکے پریشان ہوا تھی۔

"اوہ نئیں جی آپ کیوں جانے گی آپ مجھے لکھ کر دے دیں میں شہر پوسٹ کر آؤں گا، میں جی یہاں کا بھی کچھ ہوں سوائے ڈاکٹر کے چپڑاسی، چوکیدار، نرس، کمپاؤنڈر بھی کچھ جی۔"

"اوہ ہاں یہ ٹھیک ہے بلکہ میں سرابراہیم کو فون کر دیتی ہوں اور تمام ضروری اشیاء کے بارے میں بتا دیتی ہوں مجھے یقین ہے کہ وہ اس مسئلے کو جلد از جلد حل کروا دیں گے۔" اس نے خود کلامی کے سے انداز میں فضلو سے کہا تھا۔

"ڈاکٹرنی جی ناشتہ تیار ہوگیا ہے جی، ادھر ہی لے آؤں یا کمرے میں کریں گی، رات آپ نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا اس لئے میں نے دل (بل) والے پراٹھے اور دیسی انڈے مرچوں (نمک مرچوں) والے بنائے ہیں جی کل کی خالی پیٹ ہے جی اس طرح تو آپ خود بیمار پڑ جائیں گی تو آپ کا علاج کون کرے گا جی۔" فضلو کی بیوی نے دروازے میں سے جھانکتے ہوئے نان سٹاپ بولتے ہوئے کہا ڈائریہ کو اس کے باتونی ہونے کا احساس کل پہلی ملاقات میں ہی ہوگیا تھا اور فضلو بھی اسے بولنے میں اپنی بیوی سے کم نہیں لگا تھا۔

"اوہ ادھر ہی لے آمیز پر لا کے رکھ دے اور بولا کر ہروقت ٹرٹر کرتی رہتی ہے یہ تو ایک میں ہی نمانا ہوں جو تجھے سنتا رہتا ہوں ڈاکٹر صاحبہ کو اپنی ٹرٹر سے پریشان نہ کر۔" ڈائریہ کے ہاں ناں کہنے سے پہلے ہی فضلو بول اٹھا تھا اور ڈائریہ نے پہلی بار قدرے دلچسپی سے دونوں میاں بیوی کی گفتگو سنی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے ادھر ہی ناشتہ لے آتی ہوں اور یہ ٹرٹر والی بات کا جواب میں فارغ ہوکر دوں گی۔"

"سلاماں لیکم ڈاکٹرنی صاحبہ!" ڈائریہ ابھی ناشتہ کرکے فارغ ہوئی تھی کہ چچا رحمیاں نے کمرے میں آکر سلام جھاڑا۔

"وعلیکم السلام کیسے ہیں آپ چچا رحمیاں!" وہ جو فضلو کی بیوی پتو کو اگلے دن اتنا ہیوی ناشتہ بنانے سے منع کر رہی تھی چچا رحمیاں کو دیکھ کر خوش اخلاقی سے سلام کا جواب دیتے ہوئے مخاطب ہوئی حالانکہ وہ دل میں تہیہ کرکے آئی تھی کہ یہاں کے لوگوں سے لئے دیئے والا انداز قائم کرنا ہے اور اپنی عادت کے مطابق زیادہ خوش اخلاق بننے کی کوشش نہیں کرتی لیکن برا ہو اس عادت کا جو اس سے چھوٹ نہیں پا رہی تھی اس

خوش اخلاقی نے ہی تو اسے بہت بری طرح پھنسا ڈالا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں جی۔"

"اوہ چچا اتنے سویرے سویرے خیر تو ہے۔" فضلو نے چچا رحمیاں کو ٹوکا۔

"لے مت ماری گئی تیری سورج سر پے آ گیا ہے اور تیری سویر چل رہی ہے ایک سواری گاؤں چھوڑنے آیا تھا ادھر قریب ہی سوچا ڈاکٹرنی بیٹا کی خیریت معلوم کرتا جاؤں کل آنے کا کہا تھا پر ٹیم (ٹائم) ہی نہیں ملا شام کو شوٹنی کو حویلی سے لانا پڑا بس پھر رات ہوگئی۔" چچا رحمیاں نے فضلو کو گھورتے ہوئے بیک وقت دونوں کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"کیوں کیا ہوا شوٹنی کو؟" فضلو نے قدرے حیرانگی لہجے میں سمائے پوچھا۔

"اوہ کچ (کچھ) نئیں پیغام آیا تھا کہ شام کو ابا مجھے آکر لے جانا سر میں درد اور بخار تھا اسی وجہ سے ماں تو اس کی کوٹر کے پاس گئی ہوئی ہے اس وجہ سے مجھے ہی جانا پڑا ورنہ تجھے پتہ ہے وہ بھی حویلی میں ہی سوتی ہے خود ہی دیکھ بھال کر لیتی آ جاکے سیاپا میری کلی (اکیلی) جان کو۔"

"تو بھی خوب ہے چاچا پھلا شوٹنی دھی کو ادھر لے آتا ڈاکٹرنی صاحبہ چیک اپ کرکے کوئی دوا وغیرہ دے دیتی۔"

"ہاں..... واقعی مجھے تو خیال ہی نہیں رہا سوچا تجھے شوٹنی کی طبیعت کا بتا کر دوائی وغیرہ لے جاؤں گا اور دماغ سے یہ بات بالکل نکل گئی کہ اب تو ڈاکٹرنی صاحبہ یہاں پر موجود ہے سچ مچ مت ماری گئی ہے میری چل پھر میں ابھی جاکر لے کر آتا ہوں دوائی دلوا کر مجھے پھر اڈے پر بھی جانا ہے سواریاں ڈھونے کے لئے۔" چچا رحمیاں نے اپنے سر پر موجود چند سفید بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے افسوس بھرے لہجے میں کہا اور علت سے اٹھ کھڑا ہوا ڈائریہ اس تمام گفتگو میں خاموش سامع بنی غیر دلچسپی سے اِدھر اُدھر نظریں بھٹکاتی رہی۔

"اوہ یہ تو بتا تا جا ڈوے چوہدری جی آ گئے ہیں۔" فضلو نے بھی پیچھے سے چچا رحمیاں کو جلدی سے روکتے ہوئے استفسار کیا۔

"اوہ نئیں وہ ہوتے تو کیا میں شانی دھی کو لے کر آتا وڈی بی بی نے خود ہی اس کا خیال کر لینا تھا وہ تو چوہدری سکندر نے سنیا (پیغام) بھیجا تھا تو مجھے جانا پڑا۔" چچا رحمیاں نے بھی جاتے جاتے تفصیلاً جواب دیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

"ہوں بخار تو ہے لیکن جلد اتر جائے گا فکر مت کرو، فضل دین یہ دوائی موجود ہے تو دو دن کی خوراک بنا کر دے دو انہیں۔" ڈائریہ نے سانولی اور پتلی سی شاہینہ کا مکمل چیک اپ کرنے کے بعد نسخہ لکھ کر پاس کھڑے فضلو کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی شاہینہ کو تسلی دی۔

"اوہ نئیں جی ڈاکٹرنی صاحبہ میں نے کل بھی کہا تھا جی کہ آپ نے مجھے فضلو اور میری گھر والی کو پتو کہہ کر بلانا ہے جب آپ مجھے فضل دین کہتی ہیں تو میں بھولے لگتا ہوں کہ میں یہاں کا چوکیدار، چپڑاسی اور کمپاؤنڈر ہوں جی ڈاکٹر، ڈاکٹر محسوس کرنے لگتا ہوں جی، میں خود کو پھر یہ کام کرنے مشکل ہو جائے گے میں تو پورے گاؤں کا فضلو ہوں فضلو، بھائی، فضلو چاچا اور پتو کا فضلو صرف فضلو ٹھیک ہے ناں جی بھلے عمر میں آپ سے بڑا ہوں پر عہدے میں تو نئیں نہ جی مجھے بڑا اور پرا لگتا ہے فضل دین نام۔"

"اچھا بابا اچھا فضلو، فضلو بھائی دیکھے اگر یہ

دوا موجود ہے تو لا دیں پلیز۔'' فضلو کی چلتی زبان کو بمشکل روکتے ہوئے ذائریہ نے جلدی سے کہا۔

''ڈاکٹرنی صاحبہ آپ بچی مچی یہاں رہے گی جی؟'' شاہینہ نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں کو معصومیت سے مزید پھیلاتے ہوئے پوچھا۔

ذائریہ کو اس کے بولنے کی ادا بے اختیار بھا گئی اور مسکراتے ہوئے اس کا سر اثبات میں ہل گیا۔

''سچ میں جی یہ تو بہت اچھا ہو جائے گا ورنہ یہاں پر تو کوئی ڈاکٹر آتا نہیں اور آ جائے تو ٹکتا نہیں بس دس پندرہ دن کا مہمان بن کر آتا ہے ہمارے لئے اور آپ یہاں ہمیشہ کے لئے رہوں گی میں گاؤں میں عورتوں کو بتاؤں گی جو ڈاکٹر کو چیک کرانے سے گھبراتی تھیں اب آپ کو آرام سے چیک کروا لے گی بچی میں بڑا مسئلہ ہوتا ہے عورتوں کو بیماری میں سسک کر مر جاتی ہیں بے چاریاں بس جی آپ ہمیشہ کے لئے یہاں رہوں گی تو سب ٹھیک رہے گی بچی جی۔''

''ہمیشہ کے لئے؟'' ذائریہ نے زیر لب دہرایا۔

''ہمیشہ کے لئے تو کیا میں ایک دن بھی یہاں پر رہنے کی روادار نہیں لیکن میری مجبوری میری بے بسی نے مجھے باندھ رکھا ہے ورنہ اس ماحول اور بظاہر سادہ نظر آنے والے چالاک لوگوں کے بیچ میں بھی نہ رہوں پہلے بھی دھوکہ کھا چکی ہوں یہاں گاؤں کے سادہ ماحول اور بظاہر سادہ لوگوں سے۔'' ذائریہ نے دل میں زہر خند لہجے میں شاہینہ کو مخاطب کیا۔

''تم پڑھی لکھی ہو؟ کیا یہاں پر سکول ہے؟'' ذائریہ کو شاہینہ کے انداز گفتگو سے اس کے پڑھے لکھے ہونے کا احساس ہوا تھا چونکہ فی الحال اسے کوئی مصروفیت نہیں تھی اور اکیلے بیکار بیٹھ کر یادوں میں جھلسنے سے بہتر تھا کہ وہ اپنا دھیان اِدھر اُدھر کی باتوں میں لگائی شاہینہ کو بچا رحمیاں چھوڑ کر اپنے کام پر جا چکا تھا کہ خود ہی گھر چلی جائے گی لہٰذا ذائریہ شاہینہ سے مصروف گفتگو ہو گئی۔

''ہاں جی پرائمری پاس ہوں ہمارے گاؤں میں لڑکیوں کے لئے پرائمری تک سکول ہے جی بن تو وہ مڈل بھی سکتا ہے پر جی چوہدری.....'' شاہینہ نے پہلے فخریہ انداز میں پھر افسردہ لہجے میں جواب دیا۔

''اوہ تو یہاں پر بھی وہی فرسودہ چوہدری سسٹم چل رہا ہے غریبوں کے لئے ترقی کے ہر دروازے کو بند کر کے خود کو ہر حال میں انہیں اپنا محکوم بنائے رکھنا۔'' ذائریہ نے تلخ لہجے سے شاہینہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا شاہینہ کو ذائریہ کی بات زیادہ سمجھ تو نہ آئی مگر فطرتاً ہوشیار ہونے کے باعث وہ مفہوم قدرے سمجھ گئی۔

''ہمارے وڈے چوہدری بڑے اچھے ہی جی بڑا خیال کرتے ہیں ہم غریبوں کا وہ تو چوہدری سکندر ذرا اکھڑے ہیں جی۔'' شاہینہ نے فوراً کہا، وہ ڈاکٹر ذائریہ کی شخصیت اور حسن سے بے حد متاثر ہو چکی تھی اتنی گلابی سفید سی رنگت والی اور دل موہ لینے والی نقوش کی مالک نازک سی ڈاکٹر کسی کا بھی دل پہلی ملاقات میں موم کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی اوپر سے اس کا سادہ اور پرخلوص سا انداز، شاہینہ اسے نہ جانے کیوں چوہدری سکندر کے بارے میں پہلی ملاقات میں ہی بدگمان کرنے بیٹھ گئی تھی، شاہینہ حویلی کی خاص اور پرانی ملازمہ تھی اس کی ماں بھی شروع سے حویلی میں کام کرتی تھی بعد میں وہ بھی ماں کے ساتھ حویلی جانے لگی اور اب تو وڈی بی بی کو

شاہینہ کی اتنی عادت ہو چکی تھی کہ شاہینہ مستقل وہیں رہتی تھی شام کو اس کی ماں گھر واپس چلی جاتی تھی۔

''اچھا شاہینہ تم مجھے اپنے گاؤں اور گاؤں کے لوگوں کے بارے میں بتاؤ تا کہ میرا یہاں سے تعارف ہو سکے۔'' ذائریہ نے شاہینہ سے کہا۔

''ہاں جی..... جی گاؤں تو ویسا ہی ہے جیسے ہوتے ہیں گندے مندے، کچے پکے گھر گھروں میں جانور اور انسان اکٹھے رہتے ہوئے اسی لئے جانوروں جیسی زندگی گزارتے لوگ آپ کے پاس جب چیک اپ کے لئے آئیں گے تو اندازہ ہو جائے گا جی، غریب اور جاہل لوگ ہیں سارے، ویسے آپ کے ماں باپ نے اکیلے گاؤں میں ڈاکٹری کی نوکری کرنے کے لئے بھیج دیا لڑکی کی ذات ہے جی اور پھر اتنی دور سے یہاں تو سب شہر جانے کے لئے بھاگے پھرتے ہیں اور آپ شہر کی اتنی اچھی زندگی چھوڑ کر یہاں آن بسیں؟'' شاہینہ نے گاؤں کے متعلق اپنی ذاتی رائے کا اظہار کرتے کب سے ذہن میں آئے سوال کو ذائریہ سے پوچھا۔

''ہوں مجھے گاؤں میں غریب لوگوں کی خدمت کرنے کا شوق تھا اور پھر سرکاری نوکری میں کہیں پر بھی پوسٹ کر دیا جاتا ہے اسی لئے، باتوں سے تم پرائمری پاس پڑھی نہیں لگتی۔'' ذائریہ نے شاہینہ کے سوال کا پہلا حصہ نظر انداز کرتے ہوئے گول مول جواب دیا اور اس کا احسان ہٹانے کے لئے پوچھا۔

''نہیں جی ہوں تو پرائمری پاس مگر بچپن سے ہی حویلی رہی ہوں اور سویرا بی بی کے قریب زیادہ تو اس لئے اس طرح کی باتیں کر لیتی ہوں سویرا بی بی کہا کرتی تھیں کہ ''شانی تو بڑی سیانی'' آپ بھی مجھے شانی کہہ کر بلاؤ جی، سب مجھے شانی ہی کہتے ہیں جی سوائے چوہدری سکندر کے وہی مجھے کڑک دار انداز میں شاہینہ کہہ کر بلاتے ہوتے ہیں ''شاہینہ پانی پلاؤ ٹھنڈا'' شاہینہ میرے جوتے لا کر دو وغیرہ وغیرہ جی بس جی آپ بھی مجھے اب شانی ہی کہنا جی۔''

''اچھا بابا ٹھیک ہے شانی یہ سویرا بی بی اور چوہدری سکندر کون ہیں تمہاری باتوں سے یہ تو اندازہ ہو گیا ہے کہ یہ حویلی کے باسی ہیں مگر مکمل غائبانہ تعارف نہیں ہوا ابھی۔'' ذائریہ نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے ریلیکس انداز میں کرسی سے ٹیک لگاتے ہوئے پوچھا، شانی کو ایک بار پھر ذائریہ کے مشکل الفاظ سمجھ نہ آئے مگر مفہوم سے اسے بھرپور آگہی ہو چکی تھی۔

''سویرا بی بی وڈے چوہدری کی بیٹی اور چوہدری سکندران کے بیٹے ہے جی۔''

''واہ خوب تعارف کروایا ہے بھئی ذرا کھل کر بتاؤ ناں وڈے چوہدری کون ہیں؟''

''وڈے چوہدری، چوہدری رب نواز ہے جی بڑے اچھے ہیں جی یہ سارا گاؤں ان کی ملکیت ہے ان کے دو ہی بچے ہیں سویرا اور سکندر، سویرا بی بی کی شادی ہو گئی پچھلے سال وہ بیاہ کر سعودی عرب چلی گئی ان کی پھپھو زاد سے شادی ہوئی ہے ان کی وہ شروع سے ہی سارے سعودی عرب رہتے ہیں۔''

''اور دوسرے نمبر پر چوہدری سکندر ہیں جی بڑے سوہنے، اونچے لمبے گھبرو جوان سولہ جماعتیں پڑھے ہوئے جی پر بڑے اکھڑے، غصیلے اور بد دماغ غریبوں کو تو کچھ سمجھتے ہی نہیں مجال ہے جو نری سے بات کر جائے ہر وقت غصے میں بھرے رہتے ہیں۔'' شانی کو کل دوپہر والی بات پھر یاد آ گئی اور اس نے اپنے خیالات کا اظہار چوہدری سکندر کے بارے میں ذائریہ کے

آگے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''اوہ کیا باتیں کیے جارہی ہے ڈاکٹر صاحبہ کا سر کھا گئی ہو گی اس وقت سے پکڑا اپنی پڑیاں صبح، دوپہر، شام کھا لینا۔'' فضلو اندر آتے ہوئے بولا اور شانی فضلو کو دیکھ کر جلدی سے چپ کر گئی ڈائریہ کی دلچسپی شانی کی باتوں سے ختم ہو چکی تھی اسے اندازہ تھا گاؤں کے چوہدریوں کے رویوں کے بارے میں خود کو حاکم اعلیٰ سمجھتے تھے گاؤں کا عام اور غریب طبقہ تو بس مجبور اور بے بس تھا ان کے آگے وہ بے چارے تو ان کی زیادتی پر احتجاج تو کیا اف تک نہیں کر سکتے ایک بار پھر وہ اکتاہٹ کا شکار ہونے لگی تھی اس نے شانی کو بھی جانے سے نہ روکا۔

''وڈے چوہدری نے کب آنا ہے؟'' فضلو نے شانی سے پوچھا جو اٹھ کر میز پر رکھی پڑیاں اٹھا رہی تھی۔

''پتہ نہیں دس پندرہ دن لگ جائیں گے یا اس سے زیادہ، پکا پتہ نہیں پر تو کیوں پوچھ رہا ہے فضلو چاچا؟'' شانی کے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا اور ساتھ ہی پوچھا۔

''کام تھا ایک چوہدری سکندر ہے حویلی پر۔'' اس نے پھر پوچھا۔

''کل تک تو تھے پر شکار کی تیاری کر رہے تھے ایک دو دوست آئے ہوئے ہیں شہر سے ان کے آج تو شکار پر نکل گئے ہوں گے۔''

''بڑا ہی اکھڑا گھبرو ہے باز نہیں آتا۔'' فضلو نے دھیرے سے تبصرہ کیا اور شانی بے نیازی سے کندھے اچکاتے ڈاکٹر ڈائریہ کو سلام کرتی باہر نکلتی چلی گئی۔

''فضلو میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں اگر کوئی مریض نہ آئے تو مجھے ڈسٹرب مت کرنا تھکاوٹ کافی ہے میں ذرا آرام کروں گی اور پتو جی کہا ہے؟'' ڈائریہ نے کرسی سے اٹھتے ہوئے فضلو کو ہدایت جاری کی اور ساتھ ہی اس کے بیوی کے بارے میں استفسار کیا جو اسے کہیں نظر نہیں آرہی ورنہ اتنی دیر میں تو وہ ضرور دو تین چکر اس کے کمرے کے لگا جاتی۔

''وہ جی ذرا گھر تک گئی ہے ابھی آجاتی ہے آپ آرام کرو جی وہ آکر کھانا وغیرہ پکائے گی جی۔'' فضلو نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

اور ڈائریہ نے اپنے کمرے میں آکر دروازے کی کنڈی چڑھا دی اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی چارپائی پر آکر اپنے تھکے وجود کو اس پر گراتے ہوئے بیٹھ گئی اگر انسان جسمانی طور پر تھکا ہو تو آرام کر کے تھکن اتار لیتا ہے لیکن جب تھکن روح میں سرائیت کر جائے تو اس سے چھٹکارا حاصل کرنا آسان نہیں رہتا پے در پے حادثات کی تھکن اس کی روح میں سرائیت کر گئی تھی وہ یونہی نڈھال سی بس چپ چاپ سی بیٹھ گئی، اس کا ارادہ ڈاکٹر ابراہیم کو فون کر کے یہاں کی صورت حال سے آگاہ کرنے کا تھا پر اس میں سے اپنا موبائل نکالا بھی لیکن موبائل کے ساتھ موبائل کو گفٹ کے طور پر دینے والی شخصیت اس بری طرح سے یاد آئی کہ کانپتے ہاتھوں سے اس نے سیل چارپائی پر یونہی پھینک دیا اور اپنا سر ہاتھوں میں گرا کر یونہی بیٹھ گئی ہاتھوں میں ہلکی سی کپکپاہٹ اب بھی موجود تھی۔

☆☆☆

آج چوتھا روز تھا اسے یہاں پر مقیم ہوئے ایک دو دن تو کمرے اور اپنی چیزوں کی سیٹنگ کرنے میں ہی گزر گئے تھے پتو اس کی مدد کو ہر پل موجود رہی تھی اور اس نے فضلو کو اکٹھی پانچ ہزار کی رقم بھی کل تھما دی تھی کھانے پکانے کا انتظام کرنے کے لئے ایک دو روز سے تو وہ

غریب اپنے پلے سے ہی پکا کر ڈاکٹر صاحبہ کی مہمان نوازی سر انجام دے رہے تھے فضلو تو رقم لینے کو تیار نہیں تھا مگر ڈائریہ کے اصرار پہ اسے ماننا پڑا تھا ہاں البتہ رقم زیادہ ہونے کی بناء پر اس نے کچھ پیسے نکال کر لوٹانے چاہے تھے جو ڈائریہ نے یہ کہہ کر لوٹا دیئے کہ جو بچ جائے وہ پتو کے ہیں مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں میں بس ہر مہینے پانچ ہزار دے دیا کروں گی اور ایک فرد کا کھانا پانچ ہزار میں کچھ مہنگا نہیں تھا گاؤں میں رہتے ہوئے اور دو ہزار ایڈوانس اس نے پتوں کو اس کے کمرے کی صفائی کپڑے برتن دھونے وغیرہ کے بھی دے دیئے تھے کافی اصرار کے بعد وہ لینے کو تیار ہوئی تھی وہ دونوں ہی ڈاکٹر صاحبہ کے نرم رویے اور دریا دلی پر بہت زیادہ خوش تھے۔

ڈاکٹر ابراہیم نے آج ادویات کا اسٹاک ایک جاننے والے کے توسط سے منگوا دیا تھا جسے فضلو صبح سویرے جا کر لے آیا تھا یہ سب کچھ ان کی این جی او کے توسط سے منگوایا گیا تھا وہ چاہتے تو گورنمنٹ کی طرف سے بھی یہ سب کچھ منگوا سکتے تھے ان کا عملہ ایمبولینس یا وین میں آکر دے جاتا مگر وہ ڈائریہ کے اس پسماندہ سے گاؤں میں قیام کو ہر حال اور ہر صورت پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے جبھی انہوں نے اپنی این جی او کے توسط طبی سامان بھجوایا تھا اور اپنے اعتماد کے آدمی کو بھی پورا ایڈریس نہیں دیا تھا ڈائریہ نے ڈاکٹر ابراہیم کے کہنے پر فضلو کو اچھی طرح سے تاکید کر دی تھی کہ وہ اپنے گاؤں کا نام بس سٹاپ پر سامان سمیت فضلو کا انتظار کرتے فرد کو ہرگز نہ بتائے اور ڈائریہ کو اس بات نے کافی پرسکون اور اطمینان بخشا تھا کہ فضلو نے بغیر کسی کرید اور تجسس کے یہ بات مان لی تھی اور ڈائریہ کو ڈاکٹر ابراہیم کی احتیاط پسندی پر جہاں اطمینان حاصل ہوا تھا وہاں یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ حالات ابھی اس کے موافق نہیں ہوئے وہ لوگ چین سے نہیں بیٹھے تھے اب بھی اس کی بو سونگھتے پھر رہے تھے اور یقیناً ڈاکٹر ابراہیم کی بھی نگرانی کی جارہی تھی جو انہوں نے اتنی احتیاط برتی تھی اور ڈائریہ کے لئے یہ خیال ہی سوہان روح تھا کہ اگر وہ اس کی تلاش میں یہاں تک پہنچ گئے تو؟

''یہ ڈرپس اور انجکشن دوسرے خانے میں رکھ دوں نا جی؟'' فضلو کی آواز نے ڈائریہ کو چونکایا بلکہ ڈرا دیا تھا وہ اپنے خیالات میں اس قدر محو تھی کہ فضلو کے مخاطب کرنے پر اچھی خاصی ہڑبڑا کر رہ گئی۔

''آں..... ہاں ٹھیک ہے لیکن فضلو میں سوچ رہی ہوں یہ ادویات کا یہ اسٹاک کافی نہیں اگر دو تین ایمرجنسی اکٹھی ہو گئی تو بعد میں بڑی مشکل ہو جائے گی۔'' ڈائریہ نے اپنے خوف پر قابو پاتے ہوئے اور فضلو پر کچھ نہ ظاہر کرنے کے لئے بات کی۔

''اوہ نہیں جی نہیں ایک مہینے کے لئے بہت ہے جی یہاں کے لوگ زیادہ تر ان پڑھ اور غریب لوگ ہیں جی چھوٹے موٹے علاج تو وہ گھر کے ٹوٹکوں سے کر لیتے ہیں اور اگر کوئی خدا نخواستہ بڑی بیماری لگ جائے تو پیر فقیروں سے تعویذ گنڈے کرا کر کے جان چھڑا لیتے ہیں بیماری سے بس زیادہ سے زیادہ سر درد، بخار اور ہلکی پھلکی بیماری کے لئے کوئی ادھر آجاتا ہے یا پھر کوئی ہلکا پھلکا زخمی ہو لڑائی دنگنی میں یا پھر کسی حادثے کی وجہ سے تو پٹی وغیرہ کے لئے بھاگتے ہیں ادھر ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کا سن کر بی پیوں کی تعداد بڑھ جائے بے چاریاں صحت اور علاج کے معاملے میں سب سے آخر میں آتی ہیں اور پھر اگر علاج ڈیڑھ دو گھنٹے کا سفر کر کے کسی

شہری ڈاکٹر کو دکھا کر کروانے کا ہو تو ان کے مرد اور وہ خود گریز ہی کرتے ہیں اب آپ گاؤں میں ہو اور لیڈی ڈاکٹر ہو تو ہو سکتا ہے وہ اپنی جھجک دور کر کے آپ کو چیک کروانے آ جائے اس کے بعد پھر حساب لگائیں گے کہ کیا کرنا ہے۔'' فضلو کی جانب سے حسب دستور تفصیلاً جواب موصول کرنے کے بعد ذائریہ سامنے رکھی الماری میں ادویات کا یونہی اٹھ کر جائزہ لینے لگی کہ بیرونی گیٹ پر عجیب سی افراتفری کی آواز بلند ہوئی۔

''یا اللہ خیر!'' فضلو اتنا کہہ کر دروازے کی جانب بڑھا۔

''اوہ ادھر لے آؤ جلدی سے اسی کمرے میں۔'' فضلو کی برآمدے سے آتی آواز پر ذائریہ جو دروازے کی جانب ہی دیکھ رہی تھی الرٹ ہو کر آگے بڑھی۔

''لگتا ہے کوئی ایمرجنسی ہے۔'' اس نے دل میں اندازہ لگایا جو کہ درست ثابت ہوا۔

چار آدمی ایک زخمی کو اٹھائے چہرے پر ہوائیاں اڑائے تیزی سے کمرے میں داخل ہوئے تھے اور ایک کونے میں رکھے بیڈ پر اس زخمی کو آرام سے لٹانے لگے۔

''اوئے پڑے ہٹو ڈاکٹر صاحبہ کو چیک کرنے دو۔'' فضلو نے ان چاروں کو ادھر ادھر ہٹایا ذائریہ جلدی سے آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

''کیا ہوا ہے انہیں؟'' اور جو اپنے سوال کا جواب پا کر وہ ایک پل کو ٹھٹک گئی۔

''گولی لگی ہے۔'' وہ یہ سن کر اندر سے گھبرا اٹھی، فضلو جلدی سے آگے بڑھا۔

''اوئے کم بختوں تم لوگ کدھر مرے ہوئے تھے جو اسے گولی لگ گئی۔'' فضلو کا انداز اس زخم کے خاص ہستی ہونے کا واضح پتہ دے رہا تھا، لیکن وہ چاروں جواب میں سر جھکائے خاموش رہے تھے اور ذائریہ شش و پنج کا شکار ہوئی تھی یہ تو پولیس کیس تھا اور ایسا کیس ہینڈل کرنے کا اس کا پہلا چانس تھا، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے۔

''ڈاکٹر صاحبہ! بازو سے بہت خون بہہ رہا ہے۔'' فضلو نے ذائریہ کو متوجہ کیا اور ذائریہ تمام سوچوں کو پس پشت ڈال کر آگے بڑھی وہ ایک ڈاکٹر تھی ایک مسیحا تھی اور فی الحال سب سے اہم زخمی کی زندگی بچانا تھا گو وہ کسی مسئلے یا مصیبت کو مول لینے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی مگر وہ زخمی کو یوں چھوڑ بھی نہیں سکتی تھی یہ اس کے پیشہ وارانہ تربیت کے خلاف تھا، یہ کوئی شہر تو تھا نہیں کہ اطلاع پر پولیس فوراً آ جاتی۔

''فضلو! گولی وغیرہ نکالنے اور پٹی کرنے کا تمام سامان لے آؤ جلدی سے۔'' ذائریہ نے بیڈ کے قریب آتے ہوئے جلدی سے فضلو کو ہدایت دی اور خود وہ زخمی کی جانب متوجہ ہوئی ایک بار وہ پھر ٹھٹکی تھی۔

وہ جو کوئی بھی تھا بے حد سحر انگیز شخصیت کا مالک تھا، تکلیف کے باعث اپنے عنابی ہونٹوں کو بھینچے اور لمبی پلکوں والی گہری آنکھوں کو موندے دل میں اتر جانے کی اہلیت رکھتا تھا ذائریہ نے اس سے پہلے بھی اتنا بھرپور مردانہ وجاہت کا حامل نوجوان نہیں دیکھا تھا یہ احساس بس ایک سکنڈ کو جاگا تھا جسے ذائریہ نے دوسرے ہی پل جھٹک دیا تھا اور تیزی سے اس کے دائیں بازو کا معائنہ کرنے کے لئے اس پر جھکی تھی۔

خون واقعی بہت بہہ چکا تھا اور بہہ رہا تھا زخمی کا سفید سوٹ اس کے خون سے جا بجا داغ دار ہو چکا تھا اور قمیص کا دائیں بازو تو سارا ہی سرخ ہوتا جا رہا تھا۔

ذائریہ نے پروفیشنل انداز میں قینچی کی مدد

سے قمیص کا دائیں بازو چاک کیا اور روئی سپرٹ میں بھگو کر زخم صاف کرنے شروع کیے تاکہ زخموں کی نوعیت کا اندازہ ہو سکے خاص طور پر کہنی سے اوپر جہاں پر کافی گہرا زخم تھا یقیناً گولی لگنے کے باعث، ذائریہ کے ہاتھ تیزی سے نوجوان کے بازو پر بہتے اور جمے خون کو صاف کرنے لگے۔

ذائریہ نے قدرے ترچھی نظروں سے ایک بار زخمی نوجوان کے چہرے کی جانب دیکھا جس کی فراخ پیشانی پر اب پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے تھے شدید تکلیف کے باعث اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا رکھا تھا اور منہ قدرے دوسری جانب موڑے آنکھیں بھینچے وہ شدید درد کو نہ جانے کیسے سہہ رہا تھا ابھی تک ذائریہ نے اس کے منہ سے آہ یا سی تک کی آواز نہیں سنی تھی وہ یا تو بے حد بہادر تھا یا پھر حساس سے عاری۔

زخم صرف اس کے بازو پر نہیں تھے گردن اور چہرے پر بھی خراشیں اور ماتھے کے قریب سے خون کی پتلی لکیر نظر آ رہی تھی۔

''ہوں زخم کافی گہرا ہے مگر گولی بازو کو چیرتی ہوئی نکل گئی ہے اتنا شکر ہے ہڈی بچ گئی ہے البتہ شیشے کی کچھ کرچیاں بازو چہرے اور گردن میں پیوست ہو گئی ہیں انہیں نکالنا ہو گا۔'' ذائریہ نے بازو کا معائنہ اور زخمی کے چہرے اور گردن پر نظر دوڑاتے ہوئے ان پانچ نفوس کو بتایا جن کے چہروں سے پریشانی ہویدا تھی۔

''ہاں جی وہ فائر سامنے سے ہوا تھا گولی گاڑی کی سکرین توڑتی ہوئی بازو کو لگی پچھلی سیٹ میں پیوست ہو گئی تھی شیشے سکرین ٹوٹ جانے کی وجہ سے لگے ہیں جی۔'' ان چاروں میں سے ایک نے جلدی سے بتایا۔

''فضلو! بے ہوشی کا انجکشن بناؤ جلدی سے ہمیں انہیں بے ہوش کر کے یہ کرچیاں نکالنی ہوں گی اور بازو پر بھی ٹانکے لگانے ہوں گے۔''

''ہرگز نہیں اب میں ایک زنانی کے ہاتھوں بے ہوش ہو کر شیشے نکلواؤں گا اتنا بزدل نہیں ہوں میں مجھے بے ہوشی کا نیکہ مت لگانا۔'' اپنی پل زخمی بولا تھا، بولا کیا تھا غرایا تھا، اتنی گمبھیر اور غصیلی آواز ذائریہ اس کی آواز پہ نہیں بلکہ اس کی بات پر حیران رہ گئی تھی۔

''واٹ؟'' احساس توہین سے اس کے گال گلابی ہو گئے تھے بے ساختہ اس کے لبوں سے یہ لفظ برآمد ہوا تھا۔

''میں ایک ڈاکٹر ہوں اور تم سے بہتر جانتی ہوں مجھے تمہارا علاج کیسے کرنا ہے تمہارے لئے بہتر ہو گا کہ تم خاموشی سے اپنا علاج کرواؤ۔'' ذائریہ کو اس کی بات سن کر پہلے تو احساس توہین ہوا اور پھر غصہ آ گیا جبھی وہ قدرے سخت لہجے میں زخمی سے مخاطب ہوئی اس کے ساتھ ساتھ وہ بازو پر اور گردن پر بہتے خون کو روئی کے ساتھ نرمی کے ساتھ صاف بھی کرتی جا رہی تھی۔

''فضلو! انہیں انجکشن بنا کر لاؤ۔'' ایک ہی جگہ پر ٹکے فضلو کو اس نے قدرے سخت لہجے میں ٹوکا تھا۔

''اور آپ سب لوگ بھی باہر برآمدے میں کھڑے ہو یہاں کوئی تماشا نہیں ہو رہا جسے مجمع لگا کر دیکھا جا رہا ہے مجھے میرا کام آرام سے کرنے دیں۔'' ذائریہ نے ایک پل کو مڑتے ہوئے ان چار لیم شیم آدمیوں کو غصے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا جنہیں فضلو نے جلدی سے کمرے سے باہر نکالا اور خود انجکشن بنا کر لے آیا۔

''بشیرے! اوہ بشیرے اندر آ۔'' زخمی چلایا تھا ذائریہ نے ناگواری سے اس کی جانب دیکھا مگر کہا کچھ نہیں۔

"جی..... جی چوہدری صاحب!"

"میرا بازو مضبوطی سے پکڑ کر رکھ اور فضلو چاچا آپ میرا دوسرا بازو پکڑیں تاکہ میں بذاحمت نہ کروں نکالیں اب آپ کرچیاں۔" زخمی نے قدرے بیڈ سے اٹھتے اور بیڈ کی لوہے کی سلاخوں والی بیک سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا بٹیرا زخمی کے زخمی کندھے کو مضبوطی سے پکڑ چکا تھا اور فضلو چاچا نے دوسرا بازو اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیا تھا گویا وہ بھی اس کے ساتھ تھے۔

ذائریہ کو اس کی ہٹ دھرمی پر بے حد غصہ آیا تھا ایک پل کو تو اس کا جی چاہا کہ اس پر لعنت بھیجتی کمرے سے باہر نکل جائے یہ کہتی ہوئی کہ خود ہی نکال لو اگر اتنے ہی پھنے خان ہو مگر ایک بار پھر اس کی پیشہ وارنہ اخلاقی تربیت آڑے آگئی تھی، لیکن شدید غصے سے اٹھتے اپنے اندر کے ابال کو وہ روک نہیں پائی تھی اتنے دنوں کی فرسٹریشن مقابل ہستی نے اسے نکالنے کا سنہری جواز پیش کر دیا تھا۔

"او کے تمہارے بازو پر ٹانکے بھی لگانے ہیں وہ بھی اب ہوش میں رہ کر لگوانا کیونکہ تم ایک جاہل گنوار، بدتمیز اور احساس برتری کے مارے انسان ہو اور کیوں نہ ہو گاؤں کے جاہلانہ ماحول میں تم جیسے اسی قسم کی حرکتیں کر سکتے ہیں اچھی طرح جانتی ہوں میں تم جیسے تہذیب کی آڑ میں بد تہذیب اور پڑھے لکھے جاہل گنوار لوگوں کو غرور اور احساس برتری کا خناس اتنا تم لوگوں کے دماغوں میں بھرا ہوا ہے کہ اچھے برے کی تمیز تک بھول گئی ہے، تمہیں حساس ہے کہ تم ایک ڈاکٹر کو اس کا کام پروفیشنل طریقے سے سرانجام دینے میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہو میں چاہوں تو تمہارے اس بدتمیز اور جاہل رویے پہ تمہیں یونہی تڑپتا چھوڑ کر جا سکتی ہوں لیکن اب مجھے بھی دیکھنا ہے کہ تم کتنے بہادر ہو اور ہوش میں رہ کر کیسے اس تکلیف کو سہتے ہو" ذائریہ نے شدید غصے میں روئی کو پکڑی ہوئی قینچی کو میز پر پٹختے اور شیشے کی کرچیاں نکالنے والے طبی اوزار پکڑے زخمی کی جانب بڑھی۔

ذائریہ کا اتنا شدید ردعمل دیکھ کر زخمی کی فسوں خیز آنکھوں میں ایک پل کو تحیر کی لہر ابھری اور دوسرے ہی پل اس کی کنپٹیوں کی رگیں تن گئیں اور زخمی پیشانی پر سلوٹیں ابھریں اور اس نے ایک بار پھر سختی سے اپنے لبوں کو بھینچ لیا جیسے ذائریہ کہ کچھ کہنے سے بمشکل اس نے روکا ہو فضلو اور بٹیرا ابھی حیرت کے باعث قدرے منہ کھولے ذائریہ کی جانب دیکھتے رہ گئے۔

"اوں ہوں، پہلے چہرے اور گردن میں سے کرچیاں نکال کر زخم صاف کریں پھر بازو کو کیجئے گا۔"

"Look Mr. i am a doctor, i better know what to aw first, just shut your mouth now"

"(دیکھو مسٹر میں ایک ڈاکٹر ہوں اور بہتر جانتی ہوں کہ مجھے پہلے کیا کرنا ہے تم اب اپنا منہ بند رکھو۔" ذائریہ نے غصے میں بنا خیال کیے انگریزی میں کہا۔

"Look lady do first what i said, its better for you۔"

"(دیکھو خاتون پہلے وہی کرو جو میں نے تم سے کہا ہے، تمہارے لئے بہتر ہے)۔" زخمی اور برہم سے نوجوان نے فضلو سے اپنا بازو چھڑاتے اور ذائریہ کا ہاتھ روکتے ہوئے اسی کے انداز میں سرد لہجے میں کہا۔

ذائریہ صرف ایک پل کو اس کے منہ سے انگریزی سن کر حیران ہوئی اور دوسرے پل وہ اچھی طرح سے جان چکی تھی کہ ایک بار پھر اس کا واسطہ ایک پڑھے لکھے جاہل سے پڑ گیا ہے، زخمی کے چہرے کے پتھریلے تاثرات اور سرد لہجے نے ذائریہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ کی پیدا کر دی تھی کوئی بعید نہیں تھا کہ اس کا کہنا نا ماننے پر وہ اس کا گلا ہی گھونٹ ڈالتا، چاروناچار اس کی بات مانتے ہوئے اس نے زخمی کی گردن پر موجود ایک کرچی کی واضح نوک کو طبی اوزار سے کھینچ کر باہر نکالا تھا کرچی کے نکلتے ہی خون تیزی سے زخم سے رسنے لگا تھا جسے ذائریہ نے جلدی سے بھیگی روئی زخم کے اوپر رکھ کر روکا تھا اور ساتھ ہی بینڈیج لگا دی تھی۔

زخمی نوجوان نے کرچی کے نکلنے پر تکلیف پر صرف اپنی آنکھیں یکدم زور سے بھینچی تھیں اس کے علاوہ اس نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔

"اونہہ، یہ Superior complex (احساس برتری)۔" ذائریہ نے تنفر سے دل میں سوچا اور اب اس نے زخمی کے چہرے پر پیشانی کے دائیں جانب اور دائیں جبڑے سے قدرے اوپر موجود کرچیاں نکالنی تھیں جن کی نوکیں نمایاں نظر آ رہی تھیں۔

اتنی شدید تکلیف وہ نہ جانے کتنی دیر سے سہہ رہا تھا اور ہائے وائے تو چھوڑ اف تک منہ سے نہیں نکالا تھا اور اب کرچیاں نکالنے کی تکلیف بھی وہ سہہ رہا تھا بلاشبہ وہ ایک مضبوط اعصاب کا مالک تھا، ذائریہ کو اچانک احساس ہوا اور اسے دل میں اعتراف کرنا پڑا۔

چہرے کی کرچیاں نکالنے کے لئے اسے زخمی کے کافی قریب ہونا پڑا اور اس کی کھلتی رنگت پر قدرے سیاہ بڑھی ہوئی شیو چہرے کو ہاتھوں سے تھامتے ہوئے وہ اچھی خاصی نروس ہو چکی تھی اوپر سے لمبی پلکوں سے مزین بھرپور بے حد بولتی روشن خواب آگیں آنکھیں اس کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں، اس کی مغرور سے کھڑی ناک سے آتی گرم سانسیں اسے اپنے چہرے پر پڑتی محسوس ہو رہی تھیں، اس کی پروفیشنل لائف میں ایسی سچوئیشن کا سامنا اسے پہلی بار تھا وہ اندر سے خاصی نروس ہو گئی تھی گال اچانک سرخ ہو گئے تھے اور اسے اچھے خاصے پسینہ محسوس ہوئے تھے۔

مقابل اس منظر سے کافی محظوظ ہوا تھا اپنی بے ساختہ اڈنٹی والی مسکراہٹ کو بمشکل دانتوں تلے لبوں کو دبا کر روکا تھا۔

اچانک یوں نروس ہو جانے پر ذائریہ کے ہاتھ کرچی نکالتے ہوئے ہلکے سے کانپے تھے جس کی بناء پر کرچی ایک جھٹکے سے نکلنے کی بجائے زخم کو مزید گہرا کرتی نکلی تھی۔

"سی!" زخمی کے منہ سے بے ساختہ سسکاری بلند ہوئی تھی لیکن دوسرے ہی پل اس نے اپنے منہ کو سختی سے بند کر لیا تھا۔

ذائریہ نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا تھا کہ بدتمیز منہ پھٹ نے اس کچھ نہیں کہا تھا ساتھ ہی اس نے اپنے آپ کو اچھی خاصی سرزنش کی تھی وہ ایک ڈاکٹر تھی اور مقابل ایک مریض محض مریض اور اسے اس کو فوری طبی امداد مہیا کرنی تھی اس خیال کے ساتھ ہی ہر احساس اور سوچ کو جھٹک کر ذائریہ مہارت کے ساتھ باقی کے زخموں کو صاف کرتی بینڈیج کرتی چلی گئی تھی کچھ جگہوں پر کرچیاں جلد میں پیوست تھیں تو کچھ جگہوں پر محض خراشیں اور جب ذائریہ نے بازو کے اس حصے کی ٹریٹمنٹ کرنا شروع کی جہاں پر سے گولی گوشت کو چیرتی نکلتی چلی گئی تھی تو آخر کار زخمی کے

مضبوط اعصاب جواب دے گئے کافی دیر سے اس کے اعصاب اس کی قوت ارادی کی بناء پر اتنی شدید تکلیف کو سہنے کی کوشش کررہے تھے اب ان کی ہمت جواب دے گئی تھی کبھی کچھ دیر میں اس کی گردن ہلکے سے بائیں جانب ڈھلک گئی وہ بے ہوش ہو چکا تھا، ذائریہ کو اب اپنا کام سرانجام دینا مزید آسان ہوگیا تھا اور وہ آسانی سے ٹانکے لگانے لگی۔

''فضلو ان کی قمیص کو قینچی کی مدد سے پھاڑ کر اتار دو تا کہ میں جسم کے باقی حصے کا بھی معائنہ کر لوں کہیں اور شیشے کی کرچیاں یا خراشیں موجود نہ ہوں۔'' ذائریہ نے مصروف سے انداز میں بازو کے زخم پر پٹی کرتے ہوئے فضلو کو ہدایت جاری کی۔

''آپ انہیں آرام سے لٹا دے اب بے ہوش ہو چکے ہیں اور بازو کو ادھر نیچے سے پکڑیے تا کہ میں پٹی صحیح طرح سے کرسکوں۔'' کندھے کو ابھی تک تھامے بشیرے کو دیکھتے ہوئے ذائریہ نے اسے بھی ہدایت جاری کی جس پر اس نے جلدی سے عمل درآمد کیا، زخمی سینے کا معائنہ کرتے ہوئے ذائریہ کو محسوس ہوا کہ زخمی نا صرف قدرتی طور پر کسرتی جسم کا مالک ہے بلکہ ورزش کے ذریعے بھی اس نے اپنے جسم کو اچھا خاصا بنا رکھا تھا سیاہ بالوں سے گھرا چوڑا چکلا سینہ ابھرے ہوئے مسلز کے بازو اور گردن کے پاس کندھوں کی ابھری ہوئی ہڈیاں یقیناً وہ ایک مضبوط ورزشی جسم کا مالک تھا اور شاید اسی مضبوطی کی وجہ سے وہ درد سہہ گیا تھا، سینے پر اور دائیں کندھے پر چند ایک خراشیں موجود تھیں۔

''میں نے انہیں فوری طور پر طبی امداد فراہم کر دی ہے اب آپ انہیں شہر کسی بڑے ہسپتال میں لے جائیں۔'' ذائریہ نے سینے میں سے لمبی سانس خارج کرتے ہوئے اور ہاتھوں پر سے پلاسٹک کے دستانے اتارتے ہوئے پاس کھڑے بشیرے سے کہا۔

''وہ ڈاکٹر صاحبہ مرہم پٹی تو ہوگئی ہے کیا ضروری ہے ہسپتال جانا گولی بھی بازو کو اللہ کا شکر ہے چیرتی نکل گئی ہے ویسے کوئی خطرے والی بات تو نہیں۔'' بشیرے نے تفصیلی ڈاکٹر سے قدرے ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں پوچھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا ہسپتال جانا ضروری ہے کہ نہیں خون اچھا خاصا بہہ چکا ہے اسے خاص طبی ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے گولی بازو چیرتی نکل گئی ہے اور یہ بھی شکر ہے کہ ہڈی میں نہیں لگی لیکن زخم کافی گہرا ہے اور پھر یہاں پر مکمل طبی سہولیات موجود نہیں یہ تو جو کوئی سہولت ہمارے پاس موجود تھی اس کے مطابق ٹریٹمنٹ دے دیا ہے تم لوگ فوراً سے شہر کے ہسپتال لے کر جاؤ ابھی ایک ڈیڑھ گھنٹہ تو شہر پہنچنے میں لگ جائے گا اور ویسے بھی تم اگر پولیس سے بچنے کے لئے انہیں ہسپتال نہیں لے کر جا رہے ہو تو یہ تمہاری بھول میں خود فون کر کے پولیس کو اطلاع دینے والی ہوں۔''

''اوہ نہیں جی ڈاکٹر صاحبہ آپ کو یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں ان کے کزن شہر میں ڈی ایس پی لگے ہیں اوہ بشیرے پتر کے موبائل میں سے نمبر چیک کر کے انہیں شہر پہنچ کر فوراً اطلاع کر دینا باقی کا معاملہ وہ خود سنبھال لیں گے اور ڈاکٹر صاحبہ ٹھیک کہہ رہی ہے ہم نے وقتی طور پر سنبھالا دے دیا ہے صحیح علاج شہر ہسپتال جا کر ہوگا اب تم لوگ دیر مت کرو فوراً نکل جاؤ اور سنو وہ اسے اس کا بہت خیال رکھنا۔'' فضلو نے جلدی سے مداخلت کرتے ہوئے پہلے ذائریہ کو بتایا اور پھر بشیرے کو ہدایت جاری کی یوں معلوم ہوتا تھا کہ فضلو نا

صرف زخمی سے باخبری واقف بلکہ اس کے ساتھ خاص مراسم بھی تھے اس کے۔

''میں نے انہیں نیند کا انجکشن لگا دیا ہے جس سے زخموں کی تکلیف بھی کم محسوس ہوگی تم لوگ اب انہیں فوراً لے کر روانہ ہو جاؤ۔'' ذائریہ نے بے ہوش زخمی کی کلائی میں سے سرنج نکالتے ہوئے کہا اور زیر لب آئی طنزیہ مسکراہٹ کو سنجیدہ لہجے میں دبایا اگر یہ ہوش میں ہوتا تو ایک زنانی کے ہاتھوں سکون آور انجکشن لینے پر یقیناً ہنگامہ کھڑا کر ڈالتا ذائریہ نے دل میں سوچا۔

بشیرا جلدی سے باقی تینوں کو اندر بلا لایا اور اس کے اشارے پر انہوں نے بے ہوش زخمی کو اٹھایا اور چاروں باہر کی جانب بڑھتے چلے گئے فضلو بھی ان کے ساتھ گیا اور پھر کچھ دیر بعد اندر آیا۔

''چلے گئے جھی رب خیر کرئے۔'' فضلو نے کمرے میں آتے ہوئے ذائریہ کو اطلاع فراہم کی، وہ کافی پریشان نظر آرہا تھا۔

''ہوں فضلو میں ذرا تھک گئی ہوں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں اگر کوئی مریض آگیا تو مجھے اطلاع کر دینا اور پتو باجی آجائے تو انہیں کہنا مجھے چائے کا ایک کپ بنا کر میرے کمرے میں دے جائے۔'' ذائریہ نے باہر کی جانب قدم بڑھاتے فضلو کو ہدایت جاری کی اور تیزی سے بائیں جانب بنے کمرے کی جانب بڑھ گئی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ فضلو ابھی بہت کچھ بتانا چاہتا ہے اور ایک دفعہ اگر اس کی زبان چل پڑتی تو رکنے کا نام نہ لیتی اور ذائریہ واقعی جسمانی اور ذہنی طور پر تھکن محسوس کر رہی تھی دوسرا وہ سر ابراہیم کو کچھ دیر پہلے گزری صورت حال سے آگاہ کر کے مشورہ لینا چاہ رہی تھی۔

کمرے کو لاک کر کے اس نے سیل فون پر سر ابراہیم کا نمبر ملایا لیکن کمپیوٹر نے آگے ''آپ کا مطلوبہ نمبر فی الحال بند ہے'' کا ریکارڈ چلا دیا۔

''یقیناً کسی میٹنگ یا آپریشن میں مصروف ہوں گے جو سیل آف کر رکھا ہے۔'' ذائریہ نے سوچا اور چارپائی پر تھکن سے آنکھیں موندلیں اور یکدم مول بھی کی کہ نہ جانے کندھوں کے پیچھے اس کی شہیر کیوں لہرائی تھی جس نے اس کی زندگی اجیرن کر ڈالی تھی اس نے تنفر سے اس تصور کو سر ہلا کر جھٹکا اور پھر اس کا دھیان یونہی اس زخمی نوجوان کی جانب چلا گیا۔

''اونہہ احساس برتری کا مارا ہوا نہ جانے کون ہے؟ لیکن یہ بھی ویسا ہی لگتا ہے جیسا وہ ہے جس نے مجھ سے میری زندگی کا بچا کھچا سکھ چین چھین لیا ہے کاش وہ سب نہ ہوتا جو ہو گیا ہے اے میرے اللہ تو نے مجھے کس آزمائش میں ڈال دیا بظاہر میں جتنی بھی بہادر بنوں، مضبوطی ظاہر کروں، ہوں تو وہی اندر سے ڈرپوک اور جلد گھبرا جانے والی ذائریہ کیا تو مجھے جانتا نہیں جو اتنی بڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے اندھوں کی طرح بس ہاتھ پاؤں مار رہی ہوں نہ اندھیرا دور ہوتا ہے اور نہ کہیں سے کوئی ہلکی سی روشنی نمودار ہوتی ہے رحم کر مجھ پر مالک رحم کر۔'' سینے سے آہ نما سانس خارج کرتے ہوئے وہ دھیمے سے بڑبڑاتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

شام کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے ذائریہ کو اس گاؤں میں آئے چوتھا روز تھا وہ یونہی برآمدے میں کرسی رکھ کر بیٹھ گئی ابھی تک اس نے گاؤں کا چکر نہیں لگایا تھا اور نہ ہی اس کا ایسا کوئی ارادہ تھا اسے اس گاؤں سے اور یہاں کے لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی ہیلتھ یونٹ اگرچے گاؤں کے آغاز میں بنا ہوا تھا آبادی کا آغاز چند فرلانگ کے فاصلے سے شروع ہوتا تھا مگر ذائریہ کو شام

ڈھلے اپنے گھروں کی جانب لوٹتے لوگوں کا احساس باہر سڑک پر موجود آوازوں سے ہو رہا تھا کبھی ٹریکٹر ٹرالی کی آواز کبھی کسی بیل گاڑی میں جتے بیل کی گردن میں بندھی گھنٹی کی ٹن ٹن کی آواز سے اور کبھی پیدل ٹولیوں کی آوازوں سے جن میں بے فکرے آزاد، نوجوان کے بلند قہقہے اور سیل فونز پر گانوں کی آوازیں نمایاں تھیں ذائریہ نے یونہی صحن میں لگے گھنے درختوں کی جانب نگاہ دوڑائی کبھی پرندے سارا دن مختلف مقامات سے دانہ دنکا چگنے کے بعد اپنے اپنے آشیانوں کو لوٹ رہے تھے ابھی کچھ دیر میں رات ہو جانی تھی پورے یونٹ پر گمبھیر خاموشی طاری ہو جانی تھی برآمدے میں لگا سوداٹ کا بلب اپنی ہلکی اور بیمار روشنی سے پورے صحن کو سیراب کرنے کی ناکام کوشش کرتا آن ہونے والا تھا پھپو اور ذائریہ اپنے کمرے میں جا کر لیٹ کر سو جاتیں اور فضلو جو کہ رات کو چوکیداری کے فرائض سرانجام دیتا تھا سامنے کمرے میں جا کر سو جاتا تھا لیکن باہر گیٹ کو تالا لگا دیتا تھا اور رات کو بھی برآمدہ کا چکر لگا جاتا تھا لیکن ذائریہ کی ساری رات باہر کے ہولناک سناٹے اور عجیب سے وسوسوں میں گھرے جاگتے سوتے گزر جاتی تھی لیکن وہ اس غیر محفوظ جگہ پر کچھ ظالم اور خود غرض سوچ کے حامل افراد سے کافی محفوظ تھی اور اسی وجہ سے یہاں پر رہنے پر مجبور تھی۔

ایسا سوچتے ہوئے وہ یہ بھول رہی تھی کہ اس وقت وہ خود بھی ایک خود غرض سوچ میں گھری ہوئی تھی صرف اپنے مفاد کی خاطر وہ اس جگہ پر اپنے فرائض سرانجام دینے چلی آئی تھی عام حالات میں وہ ادھر کا رخ بھی نہ کرتی غریب اور پسماندہ لوگوں کی مجبوریوں اور پریشانیوں سے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔

☆☆☆

''بھئی ذائریہ! تم ہاؤس جاب مکمل کر کے کیا کرو گی؟'' کامن روم میں بیٹھی ڈاکٹر سفینہ نے گرم چائے سے لطف اندوز ہوتے ذائریہ سے یونہی پوچھا تھا۔

''کسی گاؤں میں جا کر اپنے پیشے کا اصل مقاصد کو پورا کرے گی اور کیا کرے گی۔'' جواب ڈاکٹر رحیم کی جانب سے موصول ہوا تھا ذائریہ ہنوز خاموش چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟'' ڈاکٹر سفینہ نے پوچھا۔

''بھئی بچپن سے ہم لوگ ڈاکٹر بننے کا خواب دیکھتے ہیں اور ذرا بڑے ہوتے ہیں تو نہایت جذباتی پن سے ڈاکٹر بننے کے ساتھ یہ سوچتے ہیں کہ ہم ضرور کسی غریب پسماندہ علاقے یا گاؤں میں جا کر غریب نادار اور لاچار لوگوں کی اپنے پیشے کے ذریعے پرخلوص اور بغیر کسی لالچ کے خدمت کر کے اپنے پیشے کے فرائض اصل طریقے سے نبھائے گے اور ذائریہ چونکہ کافی جذباتی خاتون، میرا مطلب لڑکی ہے تو یقیناً وہ مستقبل میں ایسا ہی کچھ کرنے کا ارادہ رکھتی ہوگی کیوں نیک دل، جذباتی خاتون!'' ڈاکٹر رحیم نے مسکراتے ہوئے اور ذائریہ پہ تبصرہ کرتے ہوئے ذائریہ سے پوچھا۔

''آف کورس، میرا ایسا ہی جذباتی ارادہ ہے، شہر میں تو گلی گلی کمپاؤنڈر نک نے کلینک کھول رکھی ہیں گو ''نیم حکیم خطرہ جان'' ہیں وہ لوگ مگر وقتی طبعی سہولت تو فراہم کر دیتے ہیں ناں مریض کو خدانخواستہ کوئی حادثہ ہوتا ہے بچہ چھت سے گر کر ٹانگ تڑوا بیٹھتا ہے جیسا کہ دو پہر کو وہ گلو سا بچہ کتنی بری طرح سے اس کی ٹانگ زخمی تھی میری آنکھوں میں واقعی پانی آ گیا تھا اس کی تکلیف دیکھ کر جس کی بناء پر آپ مجھے جذباتی خاتون کا خطاب دے رہے ہیں لیکن اگر یہی حادثہ کسی پسماندہ دور افتادہ گاؤں میں ہوتا تو شہر تک بچے کو لانے کا کتنا مسئلہ ہوتا وہ تو پھر کسی قریبی کلینک سے ٹانگ پر پٹی بندھوا کر لایا گیا تھا بھی تو بچت ہو گئی بس شروع سے ہی میرا ارادہ ہے کسی گاؤں میں جا کر اپنی خدمات سرانجام دینے کا اور یہ کوئی وقتی یا جذباتی فیصلہ نہیں میں نے میڈیکل کی تعلیم حاصل ہی اس لئے کی ہے کہ مجھے دکھی غریب لوگوں کی خدمت کرنی ہے اور اس پیشے سے بہتر کوئی اور ذریعہ ہو نہیں سکتا لیکن ہاؤس جاب مکمل کرنے کے بعد میرا پہلا ارادہ اسپیشلائزیشن کے لئے باہر جانے کا ہے۔'' ذائریہ نے تفصیلاً جواب دیا۔

''واہ..... واہ کیا ذریں خیالات ہے جذباتی خاتون آپ کے لیکن مجھے سو فیصد یقین ہے کہ اسٹیٹ جا کر اس فیلڈ میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ وہیں سیٹ ہو جائیں گی کیا باہر کی جدید، خوبصورت سہولتیں دنیا اور کہاں کسی پسماندہ گاؤں کی دنیا۔'' ڈاکٹر رحیم نے ہلکی سی تالی بجاتے ہوئے ایک بار پھر ذائریہ کو چھیڑا تھا۔

''ناٹ اے بیڈ آئیڈیا بس بابا اور ممارا ضی ہو گئے تو یہ سب سے بہتر ہوگا وہ ایزی ملک کوئی الحال چھوڑنے کا ارادہ نہیں اور نہ ہی میں یہ تو Depend کرتا ہے وہاں جا کر رہنے پر۔'' ذائریہ نے کندھے اچکاتے ہوئے لاپرواہی سے جواب دیا، ڈاکٹر رحیم کی شرارت کا جواب اس نے بھی شرارت سے دیا تھا ورنہ وہ اپنے ارادے پر قائم تھی۔

''تو گویا دس پندرہ سالوں بعد ہم منتظر رہے تمہارے کلینک پر شاندار سیٹری پر جاب کرنے کے لئے۔'' ڈاکٹر رحیم نے پوچھا۔

''آف کورس کیا تب تک آپ فارغ بیٹھے رہیں گے مجھے امید ہے کہ آپ بھی دوسرے ڈاکٹروں کی طرح جو صرف اور صرف خدمت خلق ہی نہیں بلکہ خدمت خود کا جذبہ لے کر اس پروفیشن میں آئے ہیں کسی نہ کسی شاندار پوسٹ پر پہنچ چکے ہوں گے خواہ سرکاری طور پر پرائیویٹ طور پر۔'' اب کی دفعہ ذائریہ نے ڈاکٹر رحیم کو چھیڑا تھا اور سفینہ دھیرے سے ہنسی تھی ان دونوں کی نوک جھوک معمول کا کام تھا اور ڈاکٹر سفینہ حسب معمول ان کی نوک جھوک سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

''ارے سرکاری کہاں اتنی آسانی سے اب گورنمنٹ کی جاب حاصل نہیں ہوتی اور اگر ہونے کا امکان روشن ہو تو شہروں کے سرکاری ہسپتال رشوت اور سفارش کے بل بوتے پر پہلے ہی ڈاکٹروں سے بھرے پڑے ہیں لہٰذا ہم جیسوں کو تو دور دراز کے گاؤں میں پوسٹ کر دیا جاتا ہے اور شہری سہولتیں چھوڑ کر نا کافی طبعی سہولتوں میں جا کر میرا رہنے کا کوئی ارادہ نہیں بس پرائیویٹ کلینک والوں سے ہی اپنا خون جلائیں گے اور پھر بھی نہ کبھی خود بھی چونے کے لائق ہو ہی جائیں گے ڈاکٹری چالاکیاں مار کر۔'' ڈاکٹر رحیم نے تلخ لہجے میں در پردہ بہت سی تلخ حقیقتیں عیاں کی تھیں ڈاکٹر سفینہ اور ذائریہ ڈاکٹر رحیم کے جذبہ ہمدردی اور حب الوطنی سے اچھی طرح آگاہ تھیں وہ جانتی تھیں کہ ڈاکٹر رحیم صرف اور صرف جذبہ خدمت خلق کی بناء پر اس فیلڈ میں آیا اور مستقبل قریب میں کسی پسماندہ علاقے میں جا کر واقعی مجبور اور لاچار لوگوں کی خدمت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے یہ تو بس وہ اپنے اندر کا زہر نکال رہا تھا جو وہ کچھ اس پیشے میں موجود کالی بھیڑوں کو دیکھ کر اس کے اندر بھر جاتا تھا۔

"اور ڈاکٹر سفینہ آپ کیا کریں گی؟"

"شادی اور کیا؟" سفینہ نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے جواب دیا تھا اور تینوں کا بے ساختہ قہقہہ کامن روم میں بلند ہوا تھا۔

☆☆☆

"ڈاکٹر صاحبہ چائے۔" پپو نے کب کی خاموش اور کھوئی سی برآمدے میں بیٹھی ذائریہ کو متوجہ کیا تھا۔

"آں ہاں تھینک یو پپو باجی۔" ذائریہ نے آنکھوں میں آئی نمی کو نظریں جھکائے پپو سے چھپاتے ہوئے چائے کا کپ تھام لیا تھا۔

"کھانا بناؤں جی۔" پپو نے پوچھا۔

"نہیں مجھے بھوک نہیں تم لوگوں نے کھا لیا؟"

"نہیں جی دل نہیں کر رہا بس اب شہر سے خیر کی اطلاع لے کر کوئی آئے تو سکون ہو۔" پپو نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"اندھیرا بڑھنے لگا ہے اور مچھر بھی یہاں کافی ہے اندر کمرے میں چلتے ہیں۔" ذائریہ نے اپنے دائیں بازو پر جلدی سے ہاتھ مارتے ہوئے اور مچھر کو اڑاتے ہوئے کہا اور چائے کا کپ لے کر اندر کمرے میں چلی آئی۔

"ہاں تو کھانا کیوں نہیں کھایا کیا ہوا؟" ذائریہ نے یونہی بے توجہی سے پپو کی بات سنی تھی اور دوبارہ اس سے پوچھا۔

"بس بی بی جی دل ہی نہیں چاہا یہاں آئی تو فضلو نے بتایا کہ چھوٹے صاحب کو گولی لگی ہے بس دل اس وقت کا پریشان ہے نہ اس نے روٹی کھائی اور نہ میرا کچھ بنانے کو دل چاہا بس شہر سے کوئی آئے اچھی خبر لائے تو حوصلہ ہو نہ جی۔" پپو نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

"کون ہے وہ جسے گولی لگی تھی؟ آپ کا کوئی رشتے دار ہے؟" ذائریہ کو دوپہر والا زخمی یاد آگیا اور پپو، فضلو کی پریشانی دیکھ کر فطری تجسس کے تحت اس نے پوچھا کم از کم ان دونوں کی پریشانی یہ تو ظاہر کر رہی تھی کہ وہ ان کا کوئی قریبی تعلق دار تھا ساتھ ہی اسے اس کی بدتمیزیاں بھی یاد آگئیں اور کشادہ روشن پیشانی پر ہلکی سی ناگواری کی لکیریں ابھریں۔

"نہیں جی رشتے دار تو نہیں پر رشتے داروں سے بڑھ کر ہے جی بڑے احسان ہے ان کے ہم پر اور اس کا بچپن تو ویسے بھی فضلو کے ساتھ کھیلتے گزرا ہے ہم نے اس کا بچپن سے بڑا خیال رکھا ہے اس لئے ہمیں وہ اولاد کی طرح پیارا ہے اور وہ بھی ہماری بڑی عزت کرتا ہے فضلو کو یہاں پر بھی نوکری انہوں نے ہی دلوائی تھی جی۔"

"لیکن وہ ہے کون؟" پپو کی باتوں کی ناں شاپ گاڑی چل نکلی تھی ذائریہ کے سوال کے پہلے حصے کو نظر انداز کیے وہ اس اجنبی کے بارے میں رطب اللسان ہو چکی اور ذائریہ کو اس منہ پھٹ جنگلی کی تعریفیں سننے کو قطعی شوق نہیں تھا کتنی بدتمیزی سے اس نے کہا تھا کہ اب وہ زبانی سے انجکشن لگوائے گا۔

"اونہہ جاہل۔" اسی لئے پپو کو ٹوکتے ہوئے اس نے پھر اپنے سوال کا پہلا حصہ دہرایا۔

"چوہدری سکندر جی اپنے وڈے چوہدری کا بیٹا۔" پپو نے بتایا۔

"واٹ؟ چوہدری سکندر، ہوں مجھے پہلے ہی سمجھ لینا چاہیے تھا شانی بتا کر تو گئی تھی اتنا کچھ اس کے بارے میں اونہہ دولت اور حاکمیت کے نشے سے چور پڑھا لکھا جاہل مغرور انسان نہ جانے گاؤں کے چوہدری حاکم ٹائپ لوگ اسی طرح کے کیوں ہوتے ہیں تعلیم بھی ان کی جاہلانہ سوچ

کو بدلنے سے قاصر رہتی ہے۔" ذائریہ بری طرح حیران ہوئی تھی باقی کی بات اس نے دل میں سوچی تھی۔

"وہ تو جی وڈے چوہدری بھی یہاں نہیں تبھی تو دشمن نے ہمت کی ہے، ہے بھی تو بڑا لاپرواہ اتنی دشمنیاں پال کر یونہی آرام سے ہر جگہ گھومتا پھرتا ہے شکار سے واپس آرہا تھا جب کسی خبیث نے اپنا کردہ (بغض) نکالا بچے کا وہ بھی نہیں ٹھیک ہو جائے چھوڑے گا نہیں اسے بس اللہ اسے آرام دے دے۔"

"پپو باجی مجھے نیند آرہی ہے لائٹ آف کر دو اور پلیز میں اکیلی کمرے میں سو جاؤں گی تمہارے خراٹے مجھے رات بھر سونے نہیں دیتے بس لائٹ آف کرتی جاؤ۔" ذائریہ نے اکتائے انداز میں ایک بار پھر پپو کو بولتے ہوئے ٹوکا تھا اسے سکندر نامے کو سننے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور دوسرا وہ رات اپنے کمرے میں تنہا جی چاہتی تھی پپو کی موجودگی اور خراٹوں میں وہ صحیح طرح سے نہ سو پاتی تھی اور نہ کھل کر رو پاتی تھی اس لئے اس نے دوٹوک انداز اختیار کیا تھا۔

پپو ایک دم سے چپ ہو گئی تھی وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر خجلی اور عصیلی سی ناک کی ڈاکٹر کا دو ٹوک انداز دیکھ کر چپ سی رہ گئی تھی اور پھر دھیرے سے لائٹ آف کر کے وہ کمرے کا دروازہ بند کرتی باہر فضلو کے پاس چلی آئی تھی، فضلو ابھی برآمدے میں بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔

"اوہ تو اِدھر کدھر؟" فضلو نے پپو کو اپنے پاس بیٹھتے دیکھ کر حیرانی سے پوچھا اور سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"وہ ڈاکٹر صاحبہ کہتی ہیں کہ میرے خراٹوں سے انہیں نیند نہیں آتی لہٰذا وہ اکیلی کمرے میں سویا کرے گی۔" پپو نے گویا بسورتے ہوئے جواب دیا۔

"بات تو سچی ہے تیرے خراٹے بھی تو ایسے ہوتے ہیں جیسے دو ہاتھی چنگھاڑتے ہوئے لڑ رہے ہوں کئی بار میں خود ڈر کر اٹھ جاتا ہوں وہ تو پھر شہری ہے اور شہری بڑے نازک مزاج ہوتے ہیں پر پپو اپنی ڈاکٹر صاحبہ ہے بڑی غصے والی آج چوہدری سکندر کو اچھا خاصا ڈانٹ کر رکھ دیا نہ جانے غصے میں کیا کچھ بول ڈالا وہ تو میں اس کا کندھا نہ دباتا تو کوئی پتہ نہیں تھا وہ الٹا غصے میں کیا کرڈالتا ضبط کر کیا بڑی مشکل سے۔" پپو دین کو اپنی جانب گھورتے دیکھ کر فضلو نے جلدی سے بات بدلی اور پھر پوری تفصیل کے ساتھ پپو کو دوپہر کا واقعہ سنانے لگا۔

☆☆☆

رات بے حد خاموش تھی، رات میں شہر ہے رات کو دکھی اور نئے نئے زخم لگے انسان کو سو چیں تاریکی میں ڈوبی آتی ہیں صبح کا اجالا ہر منفی سوچ کو دھو ڈالتا ہے مگر اس وقت تو رات کی خاموش تاریکی ہر سو چھائی ہوئی تھی اندر کمرے میں لیٹی ذائریہ اس تاریکی میں اپنی ماضی کی یادوں میں بری طرح سے گم ہو چکی تھی۔

"مما پلیز ماں جائے ناں، تایا ابو کتنی اچھی آفر لے کر آئے ہیں ہم تینوں جو چند لمحے پریشان بیٹھے تھے اللہ نے ہماری پراہلم کا کتنا اچھا سلوشن بھیج دیا ہے آئی تھنک ہمیں ان کی بات مان لینی چاہیے۔" لاپرواہ اور لاابالی سی ذائریہ نے بچن میں چائے بناتی مما کے کندھے سے جھولتے ہوئے لاڈ بھرے انداز میں کہا ذائریہ کی بات سنتے ہوئے اس کی مما کا سر نفی میں ایک دو بار ہلا تھا۔

"مما آخر اس میں ہرج ہی کیا ہے؟" ذائریہ مسلسل انکاری مما سے زچ ہوتے ہوئے

سوال کر بیٹھی۔

''ذائریہ تم ابھی بچی ہو ان معاملات کو نہیں سمجھتی بیٹا مجھے یہ سب مناسب نہیں لگتا تو اس کے پیچھے کوئی تو وجہ ہو گی خواہ مخواہ ضد مت کرو۔''

ذائریہ کی ممانے اسے نرمی سے ٹوکا تھا ساتھ ہی وہ فرائی پین میں شامی کباب بھی تلتی جارہی تھیں۔

''ایکسکیوزمی لیڈی میں بچی ہرگز نہیں ہوں ایک مکمل ڈاکٹر ہوں جس کا دو دن قبل ہی ہاؤس جاب پورا ہوا ہے۔'' ذائریہ نے گردن اکڑاتے ہوئے انہیں ٹوکا۔

''پاگل!'' مسز شاہنواز اپنی بیٹی کی ادا پر بس مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔

اور ذائریہ خود کو یوں ٹالے جانے پر بس منہ بسور کر رہ گئی اب وہ مزید اپنی ممما سے ضد یا بحث کر کے اپنی بات نہیں منوا سکتی تھی ان کا دو ٹوک انداز اسے اس کی حد پر لے آیا تھا اس حد کو پار کرنے کا مطلب اچھی خاصی ڈانٹ کھانا تھا، لیکن ذائریہ اپنے دل کا کیا کرتی جو بری طرح سے اپنی بات منوانے کے لئے مچل اٹھا تھا زندگی میں پہلی بار اسے آج حیرت ناک اور خوش گوار حقیقت کا سامنا تھا اور پھر اس کے ساتھ ہی اس کی ایک دیرینہ خواہش بلکہ حسرت بھی پوری ہونے جارہی تھی جس پر فی الحال اس کے ممابابا بالکل رضامند نہ تھے اور ایسا بھی شاید پہلی بار ہوا تھا کہ اس کی ممانے ذائریہ کی خواہش اور ضد کو بالکل مسترد کر ڈالا تھا ذائریہ کا منہ واقعی لٹک گیا تھا اور نین کٹورے پانی سے بھرنے لگے تھے اس بات نے اس کے دل کو ٹھیس پہنچائی تھی کہ اس کی ممانے اس کی خواہش رد کر دی تھی وہ اپنی بات ان سے منوانہ سکی تھی لیکن باہر ڈرائینگ روم میں بیٹھے ملک عالم کے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں تھا وہ بڑے تھے بات منوانے کا گر جانتے تھے اور شاہنواز کو مسلسل انکاری دیکھ کر بھی اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے اور شاہنواز کو اب بہت مشکل لگ رہا تھا اپنے بڑے بھائی کو مسلسل انکار کرنا جو اتنے عرصے بعد اس کے گھر آئے تھے لیکن وہ حقیقت شناس تھے اور آنے والی صورت حال کے بارے میں بہت سے خدشات میں گھرے ہوئے تھے بھائی کی آفر قبول کرنا ان کے لئے ہر گز آسان بات نہ تھی اور پھر سے کمپنی نے انہیں مصیبت میں ڈال دیا تھا اگر کل کمپنی یہ آڈر نہ کرتی تو آج صورت حال قدرے مختلف اور سہل طلب ہوتی۔

''تو اس کا مطلب ہے شاہنواز تم نے اور بھرجائی نے ہمیں معاف نہیں کیا میں ہر بار تمہاری راہ میں کھڑا ہو کر تمہارے اور اپنے تعلق کو جوڑے رکھنے کی کوشش کرتا ہوں اور تم ہر بار دامن جھٹک دیتے ہو تم اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو اور میں اپنی فطرت کے ہاتھوں، خون ہو تم ہمارا میں تم سے لاتعلق نہیں ہو سکتا جبکہ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ تم بے قصور تھے میں مداوا کرنا چاہتا ہوں اس سزا کا جو تمہارا قصور نہ ہونے کے باوجود سنا ڈالی گئی مگر شاید جو جذبات میں اپنے دل میں تمہارے لئے رکھتا ہوں تم میرے لئے نہیں رکھتے ورنہ بڑے بھائی کا مان یوں نہ توڑتے۔''

جب ذائریہ اور مسز شاہنواز چائے کے ساتھ مختلف لوازمات سے سجی ٹرالی ڈرائینگ روم میں لے کر داخل ہوئیں تو اندر کی صورت حال کافی گمبھیر ہو چکی تھی ملک عالم کا سنجیدہ لہجہ انہیں حقیقتاً پریشان کر گیا تھا۔

''بھائی جی بیٹھئے اس طرح سے ناراض ہو کر مت جائیں چائے تو پیئے۔'' ملک عالم کو اٹھتا

دیکھ کر مسز شاہنواز جلدی سے بولی تھیں شاہنواز بھی ٹھہر اکر کھڑے ہو گئے تھے۔

''یہ آپ کیسی بات کر رہے ہیں بھائی میں آپ کے جذبات سے بہت اچھی طرح واقف ہوں اس گھر میں سب سے زیادہ پیارا اور توجہ مجھے آپ ہی سے ملی ہے آپ ہمیشہ میرے آگے ڈھال بن کر کھڑے ہوئے ہیں میں آپ سے دامن جھٹکنے کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتا پلیز بیٹھئے یوں ناراض ہو کر مت جائیے، ثمینہ چائے بنا کر دو بھائی جی کو۔'' ملک شاہنواز نے جلدی سے ملک عالم کا کندھا تھام کر انہیں صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا اور اپنی نصف بہتر کو چائے بنانے کا کہا ذائریہ نے لئے یہ تمام باتیں عجیب اور کچھ نئی تھیں وہ بھی صورت حال پر نروس سی سب کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھی۔

''میرے خدشات بے جا نہیں ہے بھائی جی آپ جانتے ہیں میرے ساتھ تو جو شروع سے سب کا رویہ رہا مگر جب ثمینہ ایک دو بار گئی ہے تب اس کے ساتھ بھی کسی نے نرم اور قابل احترام رویہ روا نہیں رکھا اور اب پندرہ دن میری غیر موجودگی میں ان دنوں کے ساتھ کیا رویہ رکھے گے وہ لوگ؟ آپ مستقل تو ان دونوں کے پاس نہیں رہے گے ناں اور سچ میں مجھے واقعی سمجھ نہیں آرہا کہ پندرہ دن کے لئے میں ان دونوں ماں بیٹی کو یوں تنہا گھر میں کیسے چھوڑ کر جاؤں آج کل حالات اتنے اچھے نہیں رہے اور میں ترقی کا یہ چانس بھی مس نہیں کر سکتا خاص طور پر ذائریہ کے مستقبل کے لئے۔'' شاہنواز ذہنی کش مکش میں مبتلا بولے تھے۔

''ہوں اب میں کچھ نہیں کہوں گا جو کہیں گے وہ لوگ کہیں گے۔'' ملک عالم نے اتنا کہہ کر اپنے سیل فون پر کسی کا نمبر ملا کر ان سے باتیں کرنے لگے ثمینہ اور شاہنواز نے نہایت خیر سے سے فون پر ان کی، کی جانے والی گفتگو سنی تھی اور انہیں قطعی ان کی باتوں پر یقین نہیں آیا تھا مگر کچھ ہی دیر بعد گیٹ کی ڈور بیل نے انہیں یقین کرنے پر مجبور کر دیا تھا جہاں ملک عالم دھچکے سے سنبھلے تھے وہیں ملک شاہنواز چہرے پر سنجیدگی اور حیرت سجائے بیرونی دروازے کے جانب بڑھے تھے۔

☆☆☆

''یہ ڈاکٹر صاحبہ چند بیبیاں آپ سے ملنے آئی ہیں جی۔'' ذائریہ فضلو کی آواز پر ہلکے سے چونکی تھی اور ماضی کی یادوں سے پیچھا چھڑا کر حال میں آن بیٹھی تھی آج کل یہ بات اس کے ساتھ بڑی عجیب ہو رہی تھی بیٹھے بیٹھے وہ ماضی کی کسی یاد میں کھو ہی جاتی تھی اور ماضی کی وہ بات پوری طرح واضح ہو کر اس کی یادداشت پر لہرانے لگتی تھی وہ اس یاد میں یوں کھو جاتی تھی کہ اپنے وجود کو حال کی بجائے ماضی کی اس یاد میں محسوس کرنے لگتی تھی اب بھی اس کے ساتھ یہی ہوا تھا۔

''آہ.....اندر بھیج دوں۔'' سینے سے ٹھنڈی سانس خارج کرتے اس نے فضلو سے کہا تھا اور بس یونہی میز سے اٹھا کر اپنے سیل پر نظر دوڑائی تھی کل سے اس کا سر ابراہیم سے رابطہ نہیں ہو پایا تھا اب بھی وہ ان کی مس کال یا ایس ایم ایس چیک کرنے لگی تھی سیل پر ایسا کچھ نہیں تھا۔

''سلام ڈاکٹر صاحبہ جی!'' چند عورتیں کمرے میں داخل ہوتے ہوئی بولیں تھیں۔

''وعلیکم السلام آیئے بیٹھئے۔'' ذائریہ نے سامنے کھڑیں پانچوں عورتوں کی جانب دیکھتے ہوئے سامنے پڑے بینچ کی جانب اشارہ کیا وہ سخت نقوش، ملگجے حلیے اور سانولے چہروں والی عورتیں تھیں ذائریہ نے ان کی جانب سوالیہ انداز

میں دیکھا وہ سب اس سے بات کرنے سے ہچکچاہٹ کا شکار تھیں انداز بتا رہے تھے کہ وہ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہاں تک تو چلی آئی تھیں مگر اب سامنے بیٹھی پڑھی لکھی خوبصورت سی ڈاکٹر سے بات کرنے کی ہمت نہ پا رہی تھی۔

''اوہ آپ کا ہاتھ زخمی ہے ادھر اسٹول پر آ کر بیٹھیے میں چیک کر لیتی ہوں آپ شاید اسی لئے آئی ہیں۔'' ڈائریہ نے اتنی گرمی میں ریشمی ملگجے نیلے لباس میں ملبوس کھردرے نقوش کی حامل پتلی سی عورت کو مخاطب کیا جس کے بائیں ہاتھ کی پانچوں انگلیوں پر مختلف رنگ کے کپڑوں کی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

وہ عورت ہلکے سے ہنس پڑی گویا اسے ڈائریہ کی بات نادانی کے سوا کچھ نہ لگی تھی چند ایک نے اس عورت کا اس کی ہنسی میں ساتھ دیا اور باقی خاموشی سے اسے یوں گھورے جا رہی تھیں جیسے چڑیا گھر میں آنے والے نئے اور عجیب جانور کو تماش بین آ کر گھورتے ہیں۔

''اوہ نئیں جی میرا ہاتھ زخمی نہیں وہ اصل میں آپ کے ہسپتال کے باہر پچھلی دیوار کی طرف بھنڈیاں لگی ہوئی ہیں ہم صبح سویرے انہیں توڑنے آتی ہیں اور بھنڈیوں کے اوپر سخت چبھنے والے کانٹے لگے ہوتے ہیں پٹیاں نہ باندھے تو بھنڈیاں ایک سکنڈ میں انگلیاں چیر کر رکھ دیتی ہیں اگلے دن بھنڈیاں توڑنے کے قابل ہاتھ نہ رہے ہمارے جی ابھی موسم ٹھیک ہے فصل بھی اگیتر ی (وقت سے پہلے کاشت کی جانے والی) ہے جی تو صبح سویرے آ کر دس بارہ بجے تک فارغ ہو کر چلی جاتی ہیں آپ کا پتہ چلا تو سوچا کہ آپ سے مل آئے آج تک تو کوئی مرد ڈاکٹر ادھر آ کر نہیں رہا اور آپ تو عورت ذات ہو کر ہمارے گاؤں اپنی ڈیوٹی دینے آئی ہو جی۔'' وہ عورت جلدی سے بولی۔

''آہو جی ہم تو وچونیاں ہیں جی ایویں آپ سے ملنے چلی آئیں بڑی چٹکی بات ہوئی ہے جی جو آپ یہاں آئی ہو اب ہم زنانیاں بھی آپ کو اپنا چیک اپ کرا سکے گی ہمیں تو بڑی سولت (سہولت) ہو گئی ہے جی۔'' ایک اور عورت بھی پنجابی لہجے میں ڈائریہ سے مخاطب ہوئی۔

''لے چاچی ڈاکٹرنی صاحبہ کو کیا ملوم (معلوم) ہو کہ وچونیاں کیا ہوتا ہے۔'' قدرے شوخ اور جوان سی عورت نے پہلی عورت کو ٹوکتے ہوئے کہا۔

''وہ جی وچونی کا مطلب چننے والی سبزی کو جیسے بھنڈی، کپا (کپاس) وغیرہ ہے جی۔'' ٹوکنے والی عورت نے ابھی تک خاموش ڈائریہ کو وضاحت پیش کی اور ڈائریہ اسے یہ بتا نہ سکی کہ وہ بہت اچھی طرح سے اس مطلب سے آشنائی رکھتی ہے وہ شہری ضرور ہے لیکن اس کی جڑیں ایک ایسے گاؤں میں پیوست ہے جس کی جانب اب وہ رخ کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

''اچھا جی سورج چڑھتا آ رہا ہے اب ہم لوگ چلتی ہیں جی۔'' وہ عورتیں اٹھ کھڑی ہوئیں شاید ڈائریہ کی خاموشی سے اکتا کر یوں تو اپنے فطری تجسس کے ہاتھوں وہ ڈائریہ سے بے تحاشا ذاتی نوعیت کے سوال کرنا چاہتی تھیں مگر ڈائریہ کا خاموش اور لیا دیا سا انداز دیکھ کر وہ اپنا سا منہ لے کر باہر کی جانب چل پڑیں۔

ڈائریہ نے انہیں جاتے ہوئے دیکھ کر ایک الوداعی مسکراہٹ سے نوازا تھا اور وہ بالترتیب اس کے کمرے سے نکلتی چلی گئی تھیں۔

''فضلو! یہاں کے لوگ بیمار نہیں ہوتے یا ڈاکٹری علاج پر یقین نہیں رکھتے۔'' کمرے کی

جھاڑ پونچھ کرتے فضلو کو ڈائریہ نے خاموش ماحول سے تنگ آ کر یونہی پوچھا تھا اگر سارا دن مریضوں میں گھرا گزر جاتا تو یوں یادوں کے ناگ آ کر اسے ڈستے نہیں۔

''ایسی بات نہیں ڈاکٹر صاحبہ اصل میں ابھی آپ کو آئے کچھ ہی دن ہوئے ہیں لوگ آہستہ آہستہ اپنی جھجک دور کرتے آتے جائیں گے انہیں اصل میں اس بات پر ابھی مکمل یقین نہیں ہے ناں جی کہ آپ ادھر ہی رہوں گی یا دوسرے ڈاکٹروں کی طرح بس چھٹیاں لے کر واپس چلی جاؤ گی بس تنخواہ لینے کے لئے مہینہ میں ایک دو چکر لگا لئے یا وہ بھی نہیں وہ تو پھر مرد ذات ہو کر یہاں رہتے ٹھہراتے ہیں اور آپ تو پھر لڑکی ذات ہو جی انہیں یقین ہے کہ آپ آج کل میں واپس چلی جاؤ گی تو پھر آپ کے پاس آ کر علاج کروانے کا فائدہ۔'' فضلو سے مفصل جواب موصول کر کے ڈائریہ یوں ہی بیمبر ویٹ کو میز پر گول گول گھمانے لگی، بھی میز پر رکھا اس کا سیل فون مدھر ٹوئین کے ساتھ بجنے لگا۔

''Sir ibrahim calling۔'' سیل سکرین پر جگمگاتا دیکھ کر اس نے جھٹ کال ریسیو کی تھی۔

''السلام علیکم سر!''

''وعلیکم السلام! کیا حال ہے بھئی؟ خیریت تمہاری کل شام مس کالز آئی ہوئی تھیں میں اسلام آباد ایک ضروری میٹنگ اٹینڈ کرنے گیا ہوا تھا اس لئے تمہیں جلدی کال بیک نہیں کر سکا ابھی کچھ دیر پہلے ہی لاہور واپس آیا ہوں اور اپنے آفس آ کر بیٹھا ہوں۔'' سر ابراہیم نے نرم لہجے سے ڈائریہ کی خیریت دریافت کرتے ہوئے تفصیل بتائی تھی۔

''I am fine sir (میں ٹھیک ہوں سر) جی بالکل خیریت ہے کل ایک ایمرجنسی آئی تھی اس کا آپ سے ذکر کرنا چاہ رہی تھی اور اسی سلسلے میں آپ سے مشورہ درکار تھا۔'' ڈائریہ نے مودب لہجے میں جواب دیا۔

''اچھا! کس قسم کی ایمرجنسی اور کس قسم کا مشورہ بھئی۔'' سر ابراہیم مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے اور ڈائریہ فون پر انہیں کل چوہدری سکندر کا زخمی ہو کر یہاں آنے کے بارے میں بتانے لگی اور آخر میں پولیس کو انفارم کرنے کے بارے میں ان سے پوچھا۔

''اوہ! یہ تو برا ہوا، ہوں نہیں تمہیں پولیس وغیرہ کی جھنجھٹ میں پڑنے کی ضرورت نہیں وہ با رسوخ لوگ خود ہی اس مسئلے کو ہینڈل کر لے گے تم بیچ میں انوالو نہیں ہو گی میں بات کر لوں گا تم اطمینان رکھو اور سکندر کی کوئی خبر آئی کیا وہ اب ٹھیک ہے؟'' سر ابراہیم نے ساری بات سن کر ڈائریہ کو فوراً مشورہ دیا تھا اور ساتھ ہی پوچھا۔

''تو مجھے اس کے بارے میں علم نہیں۔'' ڈائریہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''او کے، اٹس او کے تم بس اطمینان سے یہاں رہو یہاں پر کوئی تمہارا سایہ بھی نہیں پا سکتا، گاؤں میں گھروں وغیرہ کا وزٹ کم سے کم کرنا تمہاری رہائش کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا او کے ڈائریہ کچھ اہم ورنیژ آ گئے ہیں پھر بات ہو گی اللہ حافظ۔'' سر ابراہیم نے بات کرتے ہوئے جلدی سے کہا اور فون بند کر دیا۔

سر ابراہیم کی باتوں سے ڈائریہ کو محسوس ہوا جیسے وہ اس بدتمیز چوہدری سکندر کو جانتے تھے ان کی آواز میں اس کو گولی لگنے اور تشویش ناک حالت کا سن کر پریشانی ظاہر ہوئی تھی۔

''شاید سر بھی اس گاؤں آئے ہوں، ہاں اپنی این جی او کے سلسلے میں ضرور آئے ہوں گے

اسی لئے وہ چوہدری سکندر سے بھی واقف ہوں گے اگر ان کے یہاں کے چوہدری کے بارے میں مراسم ہوتے تو مجھے ضرور آگاہ کرتے اور میری مدد کا بھی کہتے۔'' ذائریہ نے سوچا اور ساتھ ہی اس کے تصور میں کل کا اکھڑ، بدتمیز انداز لئے بھرپور سراپہ در آیا۔

''خون تو واقعی بہت بہہ چکا تھا اور اپنی ہٹ دھرمی کی بناء پر اس نے ڈاکٹروں سے تعاون نہیں کیا ہوگا نہ جانے زندہ بھی ہے یا اپنی ضد اور Superior complex کی بھینٹ چڑھ گیا۔''

اسی اثناء میں ایک بابا جی کھانستے ہوئے اپنا چیک اپ کرانے ذائریہ کے کمرے میں داخل ہوئے اور ذائریہ ہر سوچ کو جھٹک کر ان کا چیک اپ کرنے میں مصروف ہوگئی تھی۔

☆☆☆

ملک شاہنواز اور شمینہ واقعی اپنے ڈرائینگ روم میں اتنے لوگوں کو پا کر حیران رہ گئے یہ کایا پلٹ آخر ہو کیسے گئی انہیں سمجھ نہیں آرہی تھی اور ذائریہ پہلی بار اپنوں کو دیکھ کر حیرت اور خوشی سے گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔

''شاہنواز! تم مجھ سے چھوٹے ہو لیکن اس کے باوجود میں تم سے معافی مانگتی ہوں، مجھے کہہ لینے دو۔'' انہوں نے کچھ شاہنواز کو کہنے سے پہلے ٹوکا اور پھر گویا ہوئیں۔

''مجھ سے واقعی بہت زیادتی ہوئی ہے جی کی تین سال قبل وفات پر تم آئے تھے میرے بچوں نے پہلی بار اپنے شہری چاچو سے تعارف حاصل کیا اور چونکہ یہ سب بھی شہر کے پڑھے ہوئے ہیں تمہاری طرح انہیں بھی شہر کی ہوا لگ گئی ہے لہٰذا ہم جاہل پینڈو لوگوں کے فرسودہ خیالات کو نہیں مانتے بلکہ اپنے نظریات ہم سے منوا لیتے ہیں اس روز سے ان سب نے بابا اور بے جی اور پھر میرے رویے کے بارے میں حساس دلانا شروع کر دیا آخر کب تک نہ میں ان کی مانتی اور ملک صاحب تو شروع سے ہی تمہاری طرف داری کرتے چلے آئے ہیں اسی دوران دو سال پہلے یہ احسن کی شادی کا کارڈ لے کر آئے تھے بڑے مان کے ساتھ تمہارا انتظار کرتے رہے مگر تم نہیں آئے اس دن ان کی چہرے کی افسردگی اور دکھ نے مجھے بہت تکلیف دی تھی اور آج جب یہ ہمارے آخری اور لاڈلے بیٹے حسین کا شادی کارڈ لے کر آئے تو میں نے خود کہا تھا کہ ہم سب جائیں گے میں اپنے کیے کی تم سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لوں گی اور تم سب کو منا کر ہم اپنی آنے والی خوشیوں میں ضرور شامل کرنے گے پھر نہ پوچھو کتنی دیر سے باہر گاڑی میں بٹھا کر ہم سب کو سمجھا ڈالا ہے۔'' وہ سانس لینے کو رکی اور ذائریہ اتنے انکشافات پر بس چپ حیران سی بیٹھی تھی البتہ پاس بیٹھی سادہ اور خاموش سی کزن کی جانب دوستانہ سی مسکراہٹ اسے پیش کی تھی جواب میں وہ بھی ایسے ہی مسکراپڑی زندگی میں پہلی بار وہ اپنے رشتے دار اور کزنز دیکھ کر اندر سے بے حد خوش اور پرجوش تھی، آنے والوں میں اس کی تائی ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی شامل تھی، جلدی سے وہ اپنی تائی کی جانب متوجہ ہوئی جو خاموش بیٹھی اس کی مما کے قریب آکر بیٹھ گئی تھیں۔

''شمینہ مجھے معاف کر دو اس گھر پر تمہارا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا میرا اور باقی سب کا، شاہنواز معاف کر دو ہمیں بے جی کی روح کو معاف کر دو شاہنواز۔'' آخر میں وہ آبدیدہ ہوگئی تھیں ماحول ایک دم سے نمناک ہوگیا تھا۔

''کیسی باتیں کرتی ہیں بھابھی آپ، آپ

عمر اور رتبے میں مجھ سے بڑی ہیں آپ خود چل کر ہمارے گھر تک آگئی یہیں بہت ہے اسی طرح معافی مانگ کر ہمیں چھوٹا نہ کریں مجھے آپ کے ساتھ جانے پر کوئی اعتراض نہیں باقی جو ان کا فیصلہ۔'' شمینہ نے نم لہجے کے سمیت خدیجہ کے جڑے ہاتھوں کو جلدی سے تھامتے ہوئے گویا اپنا فیصلہ سنایا اور سنجیدہ بیٹھے شوہر کی جانب دیکھا وہ بے حد صاف دل کی سادہ سی خاتون تھیں۔

''پلیز چاچا جی آپ بھی مان جائیں ہم سب بہت خوش ہوں گے اگر آپ سب رنجشیں بھلا کر ہمارے ساتھ چلیں آپ ہمارے خاندان کا حصہ ہیں اور ہم اتنے عرصے سے آپ سے بے خبر رہے جس طرح سے آپ اور فیصل چچا ہمارے ساتھ مل کر رہتے ہیں آپ بھی ہم سے مل کر ہمارے ساتھ رہیے آپ کا بھی حق ہے اس خاندان پر ہم سب اپنے بڑوں کے رویے پر ہاتھ جوڑ کر آپ سے معافی مانگتے ہیں۔'' احسن جو ملک عالم کا بڑا بیٹا تھا جلدی سے اٹھ کر شاہنواز کے گھٹنوں کے قریب دو زانو ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا لہجے اور انداز سے وہ ایک پڑھا لکھا انسان نظر آتا تھا شاہنواز بھانجے کے ہاتھ جوڑنے پر جیسے تڑپ ہی اٹھے اور جلدی سے اس کے ہاتھ تھام کر اسے اٹھ کر اپنے گلے لگا لیا اور ان کے آنسوؤں میں اپنوں کے دیئے پچھلے سب دکھ دھلتے چلے گئے۔

☆☆☆

ملک سارنگ نواز کاؤں کی آدھی سے زیادہ زمینیں ان کی ملکیت تھیں اور پرکھوں سے وارثت میں ملیں یہ زرخیز زمینیں انہیں عزیز بھی بہت تھیں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے اور ان کے عقد ثانی میں ان کے بچپا کی بڑی تک چڑھی سی بیٹی زینب بی بی آئی تھیں وہ اسی ماحول کی پروردہ تھیں چوہدرانی بن کر ملازموں پر حکم چلانا گھر کے اندر باہر کا انتظام سنبھالنا انہیں عبور حاصل تھا۔

پانچ سال ہو گئے تھے ملک عالم کے علاوہ ابھی تک قدرت ان پر مہربان نہیں ہوئی تھی مکافی کی شدید خواہش تھی کہ اللہ سوہنا ایک بیٹا دے دے ان کے بیٹوں کی جوڑی بنا دے ایسی ہی آرزو سارنگ نواز کی ماں کی بھی تھی اب تو نوبت پیروں فقیروں سے تعویذ لینے تک آگئی تھی۔

لیکن قدرت کیا اپنے فیصلے تعویذ گنڈوں کے نام پر بدلتی ہے جو لوح قلم سے لکھا گیا سو لکھا گیا ادھر مکافی زور و شور سے مزاروں پر منتیں چڑھانے، باباؤں سے تعویذ لے کر نذرانے چڑھانے پر مشغول تھیں ادھر ملک سارنگ نواز کی ایک شادی میں اپنی دور کی غریب رشتے داروں کی لڑکی کوثر اس قدر بھائی کہ انہوں نے اسے اپنی زوجہ بنانے کا مصمم ارادہ کر لیا ان کے فیصلے پر ایک طوفان سا اٹھا، خوب شور مچا لیکن کوثر کا معصومیت اور بے حد خوبصورتی سے سارنگ نواز کا دل کا یوں اپنے ہاتھ کیا کہ وہ طوفان سے ٹکراتے چلے گئے کوثر جو یتیم مسکین تھی اور اپنے چچا کے ٹکڑوں پر پلی تھی وہی چچی کے ظلم و ستم سہتی جوانی کی دہلیز پر آن بیٹھی تھی قدرت نے اس کی قسمت بدل ڈالی اور وہ آخر کار چھوٹی مکافی بن کر ملکوں کی حویلی میں آن بسی، زینب بی بی کو سوکن کا دکھ سہنا پڑا اس خوبصورت سادہ نے اس کا چوہدری اپنی مٹھی میں کر لیا تھا یہ بات ناقابل برداشت ہی نہیں ناقابل معافی بھی تھی۔

کوثر بے حد ڈرپوک، بزدل اور سہمی ہوئی سی لڑکی تھی اس کے بچانے دولت کے لالچ میں شادی شدہ چوہدری سے اس کا نکاح اس کی مرضی پوچھے بغیر کر دیا اور وہ اپنے حق کے لئے لفظ تک نہ بول پائی چوہدری کی حویلی میں آکر بھی

اس کی حیثیت تقریباً وہی رہی جو بچپن کے گھر تھی بڑی ملکانی اس سے اس کے جینے کا حق تک چھین لینا چاہتی تھی ملک صاحب زیادہ تر زمینوں کے معاملات میں باہر ڈیرے پر ہی رہتے تھے بس انہیں کا دو گھڑی کا دم تھا جو اسے حویلی میں ایک بدترین اور کمتر زندگی گزارنے سے بچا گیا تھا مگر ملکانی کا ہر چیز پر قبضہ چلتے پھرتے ملخنے کو نئے شرر بار نگاہیں شاطرانہ چالیں چل کر سب میں کمتر اور برا بنائے رکھنا ان سب باتوں نے اسے اپنے کمرے تک محدود ہونے پر مجبور کر دیا تھا وہ پابند سلاسل تھی اور اپنی آزادی کے حق میں کوئی لڑائی لڑنے کو تیار نہ تھی اس کے لبوں کی خاموشی جو ملک کے آنے پر بھی نہ ٹوٹتی تھی اسے اس کے اصل حق سے بھی محروم کر چکی تھی اگر وہ بڑی ملکانی تھی تو وہ چھوٹی ملکانی تھی مگر ایسے خیالات کی بناء پر وہ اس سوچ کو اپنا ہی نہ سکی تھی ملک اس خوبصورت شو پیس کو اپنی زندگی کا کوئی ایک کونے بخش کر مطمئن ہو چکا تھا جس چابک دستی اور مہارت سے بڑی ملکانی حویلی کی روایات اور امور سنبھالے ہوئے تھیں وہ کوثر کے بس کی بات ہی نہ تھا یہ خود ملک سارنگ کا خیال تھا یہ سوچے بغیر کہ وہ جب کوثر کو اس کی اصل حیثیت کے مطابق صلاحیت آزمانے کا ایک بھی موقع نہیں دیا گیا تھا تو وہ بے چاری کس طرح اپنی صلاحیت اور حیثیت منوالتی۔

شادی کے ایک سال بعد ملک شاہنواز کوثر کی گود میں تھا بڑی ملکانی کو قدرت نے حسد کی ایک اور آگ میں جھلنے کے لئے چھوڑ دیا تھا وہ جو اپنے بیٹے کی جوڑی ملانے کی تگ و دو کرتی پھر رہی تھیں جوڑی بنی تو سوتن کی کوکھ سے جنم لینے والے لڑکے کی وجہ سے؟ شروع دن سے ہی انہیں شاہنواز سے بیر اور نفرت تھی جو آخری دم تک رہی۔

ملک عالم کو اپنا گیلو سا خوبصورت بھائی بہت بھایا اس کی تنہائی دور ہو گئی تھی ماں کے منع کرنے کے باوجود چھوٹی ماں کے کمرے میں جا کر شاہنواز سے کھیلنے لگتا اس کی قلقاریاں اسے بہت بھاتی تھیں۔

چھوٹی ملکانی کو اس کا خاموش دکھ گھن کی طرح چاٹ گیا شاہنواز جو ابھی محض پانچ سال کا تھا ماں کی ممتا سے محروم ہو گیا موت نے کوثر کو ملکوں کی حویلی سے رہائی دلا دی تھی جو سلوک ملکانی کا کوثر کے ساتھ روا رہا وہی شاہنواز کے ساتھ تھا فرق اتنا تھا کہ ملک جی کو بہت کم ان کے جلاپے کی آگ کی تپش محسوس ہو پائی تھی اس کے بعد بے درپے قدرت نے بڑی ملکانی کی گود میں فیصل، رقیہ اور افضل کا اضافہ کیا تھا انہیں اپنے بچوں کے درمیان خاموش، معصوم سا سوکن کا بیٹا کیونکر نظر آتا شاہنواز بے حد حساس طبیعت کا مالک تھا سوائے باؤ جی کے اور بھائی عالم کے اسے حویلی میں سے کسی فرد سے محبت توجہ نہیں مل پائی تھی وہ وقت سے بہت پہلے بڑا ہو گیا تھا اس نے اپنی دنیا کتابوں میں ڈھونڈلی تھی ملک سارنگ نواز کی اولاد میں کوئی بھی اتنا ذہین اور لائق نہیں نکلا تھا چنانچہ شاہنواز اور یوں وقت کی نرم گرم سہتا شاہنواز یونیورسٹی تک جا پہنچا اور اپنی ذہانت کے باعث فائنل ایگزیم دیتے ہی اسے یونیورسٹی کی جانب سے لیکچرار کی جاب آفر ہو گئی تھی جو اس نے بغیر کسی پس و پیش کی قبول کر لی تھی وہ شروع سے ہی کالج ہوسٹل میں رہا تھا شہر اس کے لیے گاؤں میں موجود لوگوں کے تلخ رویوں سے بچنے کے لئے پناہ گاہ ثابت ہوا تھا ملک عالم کی شادی اس کے ماموں کی بیٹی خدیجہ سے انجام پائی تھی اور خدیجہ اپنی پھپھو کا پرتو تھی اور پھر ملکانی کو اور خدیجہ کو اپنی جلن اپنا حسد

نگلنے کا واضح اور سنہرا موقع شاہنواز کا ایک غریب خاندان کی لڑکی سے شادی کرنے کی خواہش پر خوب باہر نکلا جس نے ملک سارنگ کی آنکھوں پر بھی پٹی باندھ ہی دی اپنے روایات اپنے اعلیٰ نسب کے خلاف وہ ہرگز نہیں جا سکتے تھے انہوں نے تو دوسری شادی اپنے ہی خاندان کی لڑکی سے کی تھی جسے وہ خاندان مالی حیثیت میں ان سے کمتر تھا لیکن ان کے بیٹے نے تو ان کا سلسلہ جھکا دیا تھا لوگ کیا کہیں گے ملکوں کی دوسری ہونا صرف غریب اور غیر خاندان سے تعلق رکھتی بلکہ ذات میں بھی ان سے بے حد کمتر تھی۔

ثمینہ، شاہنواز کی یونیورسٹی فیلو تھی اور ان کی معصوم اور پاکیزہ محبت ان دو سالوں میں بڑھ کر جوان ہوئی تھی ثمینہ سے مل کر شاہنواز کو لگا تھا اس کا ادھورا وجود مکمل ہو گیا ہے یہ بھی وہ ہستی ہے جو اس کی شخصیت کو مکمل کر ڈالے گی وہ بھلا اپنے وجود کے آدھے حصے سے کیونکر دست بردار ہو جاتے جب کہ دوسری جانب خدیجہ اپنی بدزبان بدمزاج اور عاشق سے چوٹ کھائی چھوٹی بہن کو شاہنواز کے پلے باندھنے کا منصوبہ بنائے بیٹھی تھی بلکہ شاہنواز سے پوچھے بغیر منگنی تک کر ڈالی گئی تھی اور ملک سارنگ کو اپنے صلح جو خاموش بیٹے پر اتنا مان تھا کہ انہوں نے اس سے پوچھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی تھی وہ تو جب شاہنواز اس خوشخبری کے ساتھ گاؤں آیا کہ اسے یونیورسٹی میں لیکچرار کی جاب مل گئی ہے تو اس کے زمین دار باپ کو یہ معمولی سی نوکری کچھ خاص بھائی نہ تھی اب ملکوں کا بیٹا دوسروں کی نوکری کرے گا اس سے آگے ان کی سوچ جا ہی نہ سکتی تھی لیکن جو خوشخبری جواب میں اس کے باپ نے سنائی وہ شاہنواز کے پیروں تلے سے زمین نکالنے کو کافی تھی ان کے لئے باپ کی بات ماننا ہرگز ممکن نہ تھا کسی سے کیے وعدے انہیں جکڑے ہوئے تھے یہ سچ ہے کہ ثمینہ کے خاندان کا پیشہ گانا بجانا تھا خود ثمینہ کے والد بہت اچھے طبلہ نواز تھے اچھی محفلوں میں انہیں طبلہ بجانے کے لئے بلایا جاتا تھا ثمینہ ان کی اکلوتی اولاد تھی اور بیوی کے مرنے کے بعد انہوں نے بہت پیار سے پالا تھا ثمینہ کا تعلیم حاصل کرنے کا شوق اور لگن انہوں نے قلیل سی آمدنی میں پورا کیا تھا وہ ان کے خاندان میں سب سے زیادہ پڑھی لکھی لڑکی تھی انہیں اس پر بہت فخر تھا ماں باپ اپنے بچوں کو وہ بنانا چاہتے ہیں جیسے وہ خود نہیں بن پاتے مگر اتنی تعلیم کے بعد ان کے خاندان میں کوئی ایسا لڑکا ان کی ثمینہ کے لائق نہ تھا جو ان کے سمجھدار، لائق فائق بیٹی کو بیاہ کر لے جاتا اور معاشرہ انہیں میراثی کا طعنہ لگا کر جوان کے ساتھ سلوک روا رکھے ہوئے تھا انہیں اس کا بخوبی احساس تھا انہیں سوچوں نے انہیں شدید بیمار کر ڈالا تھا دل اتنا بوجھ سہہ نہ پایا تھا اور انہیں ہارٹ اٹیک ہو گیا تھا، ہسپتال میں شاہ نواز نے ان کی خدمت بیٹے کی طرح کی تھی اور انہوں نے اس کی آنکھوں میں اپنی بیٹی کے لئے محبت کے رنگ احترام پہلی نظر میں ہی پڑھ لئے تھے بیماری سے گھبرا کر انہوں نے خوشخبری سنانے کی بات کی تھی اور شاہ نواز کا ان کی بیٹی کے لئے ساری خوشیاں خرید کر لانے کا وعدہ اس قدر بھایا تھا کہ باضابطہ طور پر انہوں نے شاہ نواز اور ثمینہ کے رشتے کی بات پکی کر دی تھی باقی کی کارروائی شاہ نواز کے والدین کا گاؤں سے آکر رسمی رشتہ مانگنا بچا تھا مگر گاؤں آکر شاہ نواز کو اور ہی صورت حال کا سامنا تھا خدیجہ اور ملکانی مستقل شاہنواز کے اقدام پر ملک کو بھڑکانے کا کام سرانجام دے رہی تھیں اور شاہ نواز جو ایک مرد کا وعدہ کسی سے کر کے آئے تھے باپ کی محبت سے سمجھانے اور آخر

میں جلال میں آنے سے بھی ایک انچ اپنی جگہ سے نہ ہلا تھا تو پھر ضدی طبیعت کے مالک سارنگ نواز کو وہی فیصلہ کرنا پڑا تھا جو اس کے خاندان کی ناموس کے لئے بے حد ضروری تھا انہوں نے بیٹے کو عاق کرکے اپنے خاندان کو لوگوں کی تھوتھو سے بچالیا تھا ملک عالم نے دبے لفظوں میں باپ کو سمجھانا چاہا تھا مگر وہ اس قدر بپھرے ہوئے تھے جس مان سے وہ بیٹے کی منگنی کرکے آئے تھے اب ان لوگوں کو کیا جواب دیتے کہ ان کا بیٹا ایک میراثن کو ان پر فوقیت دے رہا ہے حالانکہ شاہ نواز بارہا سمجھانا چاہا کہ ثمینہ کا اس کے خاندانی پیشے سے کوئی تعلق نہیں وہ تو پڑھی لکھی نہایت سلجھی لڑکی ہے مگر ملک سارنگ نواز کچھ بھی سننے کو تیار نہ تھے اور مکانی جی کا کوثر کے خلاف انتقام اس دن پورا ہوگیا تھا جس دن ملک کا عاق شدہ بیٹا سر جھکائے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی حویلی اور ان کے گاؤں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

ثمینہ کے والد نے شاہ نواز کو نا صرف اپنی بیٹی کا ہاتھ تھما دیا تھا بلکہ اپنا گھر بھی شاہ نواز کے نام کرڈالا تھا شاہ نواز کو ثمینہ سے اس قدر محبت اور توجہ ملی کہ واقعی بچپن سے لے کر اب تک کی تمام حسرتیں ان کی دور ہوگئیں گو باؤ جی کی اور بھائی عالم کی یاد بھی ستاتی تھی مگر اپنے آنگن کا سکھ اور چین دیکھ کر یہ یاد ہلکی سی کسک بن کر رہ جاتی تھی ذائریہ کی پیدائش کے بعد ان کی زندگی مکمل ہوگئی تھی اکنامکس میں ٹاپ گریڈ حاصل کرنے والے شاہ نواز کو ایک کمپنی میں بہت اچھے عہدے کی آفر ہوئی تھی اس کمپنی میں ان کے ایک سٹوڈنٹ کے والد بہت اچھے عہدے پر فائز تھے ایک تقریب میں شاہ نواز سے ملاقات ہوئی ان کی باتوں اور ذہانت سے بے حد متاثر ہوئے ان کی کمپنی کو ایسے ہی ذہین اور وفادار لوگوں کی ضرورت تھی اسی وقت بلڈ بینکنگ کمپنی میں اچھی سیلری پر انہیں جاب کی آفر کرکے شاہ نواز کو حیران کر ڈالا اور انہوں نے بخوشی اس آفر کو قبول کرلیا، وقت کا کام سفید گھوڑے کی مانند سرپٹ دوڑے چلے جانا ہے وہ اپنے قدموں تلے کیا کچھ روندتا چلا جاتا ہے یہ رک کر دیکھنے کا اس کے پاس وقت کہاں ماضی بہت پیچھے رہ گیا تھا باؤ جی کی وفات پر دکھی شاہ نواز، ثمینہ کے ساتھ ایک بار پھر حویلی گئے تھے تب ذائریہ کی عمر پانچ سال کی تھی لیکن وہاں پر خدیجہ سمیت باقی سب نے جس طرح ثمینہ کو طنز و تضحیک کا نشانہ بنایا شاہ نواز ہفتوں اس بات کو بھول نہیں پائے تھے خود بڑی مکانی نے بھی شاہ نواز کم کم ذلیل نہیں کیا تھا بس اس دن انہوں نے قسم کھالی تھی کہ ان سوتیلوں رشتوں کے نفرت انگیز رویوں سے وہ اپنی بیوی اور بچی کو ہمیشہ محفوظ رکھے گے کبھی انہوں نے اپنا ہر واسطہ اور تعلق حویلی والوں سے توڑ ڈالا تھا گھر بھی اچھے علاقے میں خرید لیا تھا اور گاؤں میں سے کسی کو شاہ نواز کے گھر کا کوئی اتہ پتہ نہیں تھا، لیکن ملک عالم اپنے بھائی کو شاید بھول نہیں پائے تھے اور شہر زمینوں کے کام کے سلسلے میں آتے جاتے انہوں نے شاہ نواز کو بڑی مشکل سے ڈھونڈ نکالا تھا، لیکن ان کے بے حد منانے اور اصرار پر بھی شاہ نواز نے اپنی قسم نہ توڑی تھی ان دنوں ذائریہ میڈیکل کے فورتھ ائیر کے فائنل ایگزیم کی تیاری میں بری طرح سے مصروف تھی ویسے بھی میڈیکل کی لمبی پڑھائی میں وہ اپنے اردگرد کے ماحول سے اکثر بے خبر ہی رہتی تھی حتیٰ کہ تین سال قبل بے جی کے وفات ہونے کی اطلاع پر بھی شاہ نواز حویلی نہ گئے عالم بھائی ناکام ہی لوٹ گئے پھر وہ اپنے بڑے بیٹے احسن کی شادی کا کارڈ لے کر آئے اور

بھائی میں بھائی کی راہ دیکھتے رہے مگر انہیں نہ آنا تھا اور وہ نہ آئے آج تیسری بار آخر کار وہ بھائی کا سوم کرکے رہے تھے شاہ نواز کو اب اطمینان تھا اپنی جو پندرہ دن کی ٹریننگ پر انہیں جاپان جارہی ہے آرام سے جاسکیں گے اور ثمینہ اور ذائریہ اطمینان سے اپنے تایا کے پاس جاکر حویلی کا فنکشن اٹینڈ کرے گی اور خوب انجوائے کرے گی۔

کچھ دیر قبل نہوں نے ثمینہ کے ہاتھ خطیر رقم دی تھی کہ بازار جاکر وہ لوگ نا صرف اپنی بیٹی کے فنکشن کے لئے لحاظ سے شاپنگ کرے بلکہ سب کے لئے کچھ تحفہ تحائف بھی گاؤں جاکر جائے اور ثمینہ ذائریہ کے کمرے میں بھی آئی تھیں اور ساتھ ہی انہوں نے ذائریہ کو حقیقت سے روشناس کرایا تھا ذائریہ اپنے بابا کی ساری کہانی سنگرنم آنکھوں سے اپنی ماں کے گلے لگ گئی تھی اسے اپنے والدین پر فخر اور پیار محبت سے آیا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ یہ سوچ کر بے حد پرجوش اور خوش تھی کہ چند دنوں بعد وہ اپنے بابا کے گاؤں میں ان کی حویلی سب کے درمیان موجود ہوگی بابا نے ہمیشہ صلح جو رویہ اپنایا تھا یہ خوبی انہیں اپنی بے ضرر کم گو ماں سے وراثت میں ملی تھی اور اسی لئے مما کی خاطر انہوں نے سب کچھ خاموشی سے چھوڑ دیا تھا خود اس کی ماں نے بھی اپنی پوری زندگی صرف اور صرف شاہ نواز اور ذائریہ کے لئے مختص کردی تھی ان کا اپنے رشتے داروں سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ انہوں نے خود نہیں رکھا تھا ان کی سوچ اور رہن سہن ان کے خاندان سے نہیں ملتا تھا اور وہ بھی کم تعلیم یافتہ بس بچے کھچے سے اپنے پیشے سے منسلک تھے انہیں اپنی ذات اور خاندانی پیشے پر کسی قسم کی شرمندگی نہ تھی بس ان کی ان لوگوں کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کے برابر تھی اس وجہ سے ذائریہ کو تمام عمر حسرت رہی کہ اس کا ننھیال اور ددھیال ہو جہاں وہ جاکر کچھ دنوں کے لئے رہنے چلا کرے اور آج اس کی یہ خواہش پوری ہورہی تھی وہ بے حد خوش تھی ویسے بھی دو دن قبل ہی اس کی ہاؤس جاب مکمل ہوئی تھی اب اسے اسپیشلائزیشن کے لئے باہر جانا تھا یہ اس کے بابا کا وعدہ تھا جس کے لئے وہ کب سے پیسے جمع کررہے تھے لہٰذا وہ بالکل فارغ تھی گاؤں جاکر انجوائے کرنے کے لئے۔

☆☆☆

رات دیر تک جاگنے کے باعث ذائریہ کے وجود پر عجیب سی سستی چھائی ہوئی تھی یہاں پر رہنا اسے بہت مشکل نظر آرہا تھا شہری ہنگامے ندارد پرسکون بلکہ بیزار کن سست خاموش سا ماحول ذائریہ کو ایڈجسٹ ہونے میں کافی دقت درپیش تھی، جدید سہولتوں سے آراستہ اپنا آرام دہ بیڈ روم اسے بھی کبھی بہت یاد آتا تھا۔

''چنو باجی پلیز ایک اور کپ چائے بنا دیں۔'' ذائریہ نے کرسی پر بیٹھے اپنی جمائی روکتے ہوئے چنو کو مخاطب کیا تو جواس کے ذاتی کمرے کی صفائی میں مصروف تھی۔

''اچھا جی ابھی بنا دیتی ہوں پر ڈاکٹر جی یہ تیسرا کپ ہے جو آپ خالی پیٹ پی رہی ہیں خالی پیٹ چائے پینا اچھا نہیں جی اور ویسے بھی آپ اپنے کھانے پینے کا خیال نہیں رکھتیں آگے ہی اتنی نازک سی ہیں کھایا پیا کرے جی ناشتہ بنا لاؤں ساتھ میں۔'' چنو ہاتھ میں جھاڑ پونچھ کا کپڑا پکڑے برآمدے میں ذائریہ کے قریب چلی آئی۔

''نہیں بس تم چائے بنادو اور میرا کچھ بھی کھانے کا کوئی موڈ نہیں۔'' ذائریہ نے نفی میں سر

ہلاتے ہوئے جواب دیا، پتو اپنی نصیحت کے یوں ضائع جانے پر منہ بناتی چائے بنانے چل پڑی۔

ذائرہ کو کیوں محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ پور سی چھٹیاں گزارنے یہاں پر آئی ہوئی ہاؤس جاب کے دوران انہیں سر کھجانے کی فرصت میسر نہیں آتی تھی مریضوں کا تانتا بندھا رہتا تھا ہسپتال بھی تو شہر کے وسط میں تھا اردگرد سے کافی تعداد میں لوگ آتے جاتے رہتے تھے ہسپتال میں سارا دن خوب گہما گہمی لگی رہتی تھی اور اسی ہسپتال میں ایک دن کو تو وہ بھلا ہی نہیں سکتی تھی وہ دن تو اس کے دماغ میں ایک تکلیف دہ احساس اور یاد کے طور پر چپک کر رہ گیا تھا ذائرہ کی خوبصورت آنکھوں میں پانی بڑی تیزی سے اکٹھا ہونے لگا تھا جسے پلکیں جھپک کر وہ اندر ہی اندر اتارنے لگی تھی وہ پتو کی موجودگی میں خود کو کمزور ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی پتو نے ایک دو بار اس کے گھر کے متعلق اور ذاتی نوعیت کے سوال کرنے چاہے تھے لیکن جب ذائرہ نے دو تین جملوں میں اپنی دکھوں سے بھری داستان سمیٹ کر سنا دی تو پتو کے پاس مزید کچھ پوچھنے کو بچا ہی نہ تھا ہاں البتہ اس دن کے بعد فضلو اور پتو کے دلوں میں اس خاموش دکھی اور سنجیدہ سی پیاری لڑکی کے لئے خاص ہمدردی کے جذبات پیدا ہو گئے تھے وہ اب اس کا پہلے سے زیادہ خیال رکھنے لگے تھے پتو کی اندر ونی خواہش تھی کہ وہ کاش وہ ذائرہ کو گاؤں میں بنے اپنے گھر میں لے جا کر رکھ سکتی لیکن ایک کمرے کا بنا چھوٹا سا گھر ان کے اپنے لئے نا کافی تھا ڈاکٹر ذائرہ کہاں رہتی بارش میں تو کمرے کی پوری چھت چھانی بن جاتی تھی واش روم کی سہولت بھی موجود نہ تھی بھلا ذائرہ وہاں کیسے رہ سکتی تھی پتو کا بھی زیادہ تر وقت یہیں ہیلتھ سنٹر میں ہی گزرتا تھا گھر تو بس وہ کسی کام کے سلسلے میں دن میں ایک آدھ بار چکر لگا آ کرتی تھی تب آس پڑوس کی عورتیں پتو سے ذا ذائرہ کے متعلق باتیں سننے کو اکٹھی ہو جاتی تھیں اور پتو کی بہت زیادہ تعریف کرنے کے سبب لوگ اپنی بیماری لے کر ڈاکٹر ذائرہ کے پاس آنے لگی تھیں خاص طور پر پتو کی طرف سے گارنٹی سن کر کہ یہ ڈاکٹرنی واقعی ان لوگوں کی خدمت کرنے کے خیال سے آئی ہے اپنا کاروبار نہیں کرائے گی اور یہیں رہے گی یہ کہتے ہوئے پتو بھی ذائرہ کے دل میں جھانک کر دیکھتی تو یہ گارنٹی نہ دیتی۔

"باجی تمہارے کتنے بچے ہیں؟" چائے کا کپ پکڑتے ذائرہ نے یونہی اپنا دھیان بٹانے کے لئے پتو سے پوچھ ڈالا اپنی موجودہ زندگی کے الجھنوں اور خوف میں گھر کر وہ اردگرد سے بے حد تک بے نیاز ہو چکی تھی ورنہ یہ سوال تو اسے بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔

"اس معاملے میں مجھے رب سوہنے نے پہلے ناشکری اور بعد میں بڑا شکر گزار بنایا جی۔" پتو جھٹ برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھتی ہوئی بولی تھی۔

"کیا مطلب؟" پتو کا فلسفہ ذائرہ کے سر پر سے گزر گیا تھا اور اس نے استعجائیہ لہجے میں سے استفسار کیا۔

"شادی کے پانچ سال تک میری گود اولاد نہیں ہوئی تھی اللہ بخشے میری ساس نے حرام کر ڈالا تھا میرا اٹھتے بیٹھتے اپنے اکلوتے فضلو کے آگے میرے بانجھ پن کا رونا رونا تھی فضلو کی دوسری شادی کرانے کی دھمکی دیتی رہتی تھی تب میں اپنے رب سوہنے کے آگے بڑے شکوے کرتی بڑے گلے کرتی سب کو ہے مجھ نمانی کو دے دے گا تو کون سے اس کے آنے میں کمی آ جائے گی فضلو نے صاف منع کر دیا میری ساس کو کہ وہ بچے کی خاطر مجھ پر سوکن لا کر نہ توڑے گا اور میں رب کے آگے شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اتنا اچھا سسر کا ساتھ دیا تھا یہ تو فضلو کی ہی نیک نیت تھی جو ہمارے گھر سکینہ پیدا ہوئی اس سے پہلے اور بعد میں میرے دو بچے پیدا ہوئے پر اس نے اپنی امانت فوراً واپس لے لی پر سے جی اس نے مجھے اولاد کا منہ تو دکھایا ہے نا دیکھا اس کی۔" پتو نے اپنے رنگ اڑے لان دوپٹے سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے بتایا۔

"باجی تمہارے کتنے بچے ہیں؟" چائے کا کپ پکڑتے ذائرہ نے یونہی اپنا دھیان بٹانے کے لئے پتو سے پوچھ ڈالا اپنی موجودہ زندگی کے الجھنوں اور خوف میں گھر کر وہ اردگرد سے بے حد تک بے نیاز ہو چکی تھی ورنہ یہ سوال تو اسے بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔

"اس معاملے میں مجھے رب سوہنے پہلے ناشکری اور بعد میں بڑا شکر گزار بنایا جی۔" پتو جھٹ برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھتی ہوئی بولی تھی۔

"کیا مطلب؟" پتو کا فلسفہ ذائرہ کے سر پر سے گزر گیا تھا اور اس نے استعجائیہ لہجے میں سے استفسار کیا۔

"شادی کے پانچ سال تک میری گود اولاد نہیں ہوئی تھی اللہ بخشے میری ساس نے حرام کر ڈالا تھا میرا اٹھتے بیٹھتے اپنے اکلوتے فضلو کے آگے میرے بانجھ پن کا رونا رونا تھی فضلو کی دوسری شادی کرانے کی دھمکی دیتی رہتی تھی تب میں اپنے رب سوہنے کے آگے بڑے شکوے کرتی بڑے گلے کرتی سب کو ہے مجھ نمانی کو دے دے گا تو کون سے اس کے آنے میں کمی آ جائے گی فضلو نے صاف منع کر دیا میری ساس کو کہ وہ بچے کی خاطر مجھ پر سوکن لا کر نہ توڑے گا اور میں رب کے آگے شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اتنا اچھا سسر کا ساتھ دیا تھا یہ تو فضلو کی ہی نیک نیت تھی جو ہمارے گھر سکینہ پیدا ہوئی اس سے پہلے اور بعد میں میرے دو بچے پیدا ہوئے پر اس نے اپنی امانت فوراً واپس لے لی پر سے جی اس نے مجھے اولاد کا منہ تو دکھایا ہے نا دیکھا اس کی۔" پتو نے اپنے رنگ اڑے لان دوپٹے سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے بتایا۔

"کیوں کیا ہوا سکینہ کو میرا مطلب ہے کہ کیا ہے وہ؟" ذائرہ نے جلدی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں ہوا جی اللہ خیر رکھے تین مہینے اس کی شادی کی ہے ابھی سولہ سال کی ہوئی اس کے باپ نے جھٹ اپنے گھر سے اس کو لی اٹھا دی ادھر پاس ہی دوسرے گاؤں دے گئی ہے اس کے جانے کے بعد تو گھر کھانے کو دوڑتا تھا اسی لئے تو آپ کے کے بعد زیادہ وقت میں یہیں پر رہتی ہوں حال اس کے پیو کا ہے جی۔"

"اوہ! تم نے بہت کم عمری میں سکینہ کی شادی پڑھا لکھایا نہیں اسے۔" ذائرہ نے کیا۔

"پرائمری تک پڑھا ہے اس نے، رشتہ بڑا اچھا میری کا ہمارے اوپر خاص ہاتھ ہے چوہدری ہم اس نیک کام سے جلدی فارغ ہو گئے بھی ہمارے پاس چھوٹی عمر میں لڑکی دی جاتی ہے سکینہ کا بندہ اپنے گاؤں سکول میں چوکیدار لگا ہوا ہے جی اور پکی نوکری ہے دو بھائی ہیں بس بڑے سسرال کا رولا نہیں سسر ہے پر ساس نہیں اپنی سکینہ بڑی خوش ہے اختر کے ساتھ اب تو خیر سے دو بچے جی کو ہے آپ سے ملوانے اور چیک اپ کرانے لاؤں گی میں کسی دن اخیر سے اس کا وقت توڑ چڑھائے اور چاند سے پتر کا منہ دیکھنا نصیب کرے وڈے چوہدری نے سکینہ کی شادی کرائی تھی جہیز بھی انہوں نے اپنی طرف سے دیا تھا بارات کا کھانا بھی، پتر سکندر نے بھائی بن کر رخصت کیا تھا سکینہ کو۔" پتو نے مزید تفصیل سے فخریہ انداز میں آگاہ کیا۔

"کیوں؟" سکندر کا ذکر سن کر ذائرہ کا منہ کڑوا ہو گیا اور مزے دار چائے یکدم بدمزہ لگنے لگی تبھی کپ فرش پر رکھتے ہوئے بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا۔

"یہ چوہدری ٹائپ کے فرعونی لوگ کب اتنے مہربان اور رحم دل ہو گئے۔" باقی کا جملہ اس نے دل میں ادا کیا۔

"فضلو چوہدری جی کی حویلی میں کام کرتا رہا ہے جی چوہدری سکندر کو اس کے بچپن میں بڑا کھلایا ہے جی اور سکندر پتر نے فضلو سے ہی پرندوں کا شکار کرنا سیکھا تھا جی، فضلو بڑا ماہر گلہ اڑی تھا اڑتے پرندے کو مار گراتا تھا استاد مانتے ہے چوہدری سکندر فضلو کو اپنا۔" پتو کا دلچسپ موضوع چھڑ چکا تھا اور اس کی زبان نان سٹاپ چلنے کو تیار ہو گئی تھی جبکہ چوہدریوں کا ذکر آنے سے ذائرہ کی تمام دلچسپی اس گفتگو میں سے نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔

"تو پھر نکال کیوں دیا اس کام سے؟" ذائرہ نے چبھتے لہجے میں پوچھا یہ لوگ تو وفادار ملازموں کی قدر تک نہیں کرتے ذائرہ کو کسی کی کہی بات یاد آئی تھی۔

"کون سے کام سے جی؟" پتو کو سمجھ نہ

آئی۔

''بھئی اپنی حویلی سے چوہدریوں نے فضلو کو کیوں نکال دیا۔'' ڈائریہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں پوچھا، یقیناً چوہدری سکندر کی انا پسند طبیعت کو یہ بات نہ قابل برداشت لگی ہوگی کہ ان کا ایک ادنیٰ سے ملازم اس سے کہیں گنا بہتر شکاری ہے وہ تو ویسے بھی احساس برتری کا مارا ہوا شخص ہے ڈائریہ نے سوچا۔

''نہیں جی نوکری سے نہیں نکالا جب یہ ہیلتھ سینٹر بنا تو اپنے اعتماد کے آدمی کو چوہدری صاحب نے رکھوایا تا کہ دوائیوں وغیرہ کی چوری بند ہو اور پھر فضلو اپنے وقت کا ٹاپل پاس تھا جی کمپوڈری کا بھی کورس کر رکھا تھا اس سے بہتر اس نوکری کے ہے کوئی اور بندہ ہو نہیں سکتا تھا اس لئے۔'' پپو نے جلدی سے تردید کرتے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں یہ بڑے لوگ کوئی بھی قدم اپنے فائدے کے علاوہ اٹھاتے نہیں اس کمرے کی بھی صفائی کر دو مریض آنا شروع ہو جائیں گے کچھ ہی دیر میں۔'' ڈائریہ نے پپو کو اٹھانے کے لئے پشت پر موجود کمرے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا اور اسی وقت فضلو بیرونی گیٹ سے اندر داخل ہوا پپو جاتی مڑ آئی اور بے تابی سے آگے بڑھ کر بولی۔

''کیا خبر ہے فضلو؟'' فضلو صبح سویرے ڈائریہ کو بتا کر نکلا تھا کہ وہ ذرا گاؤں جا رہا ہے جلدی واپس آ جائے گا ڈائریہ کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا پپو کی بے تابی دیکھ کر ڈائریہ بھی فضلو کی جانب متوجہ ہوئی۔

''اوہ سانس تو لے اور مجھے بھی لینے دے حویلی سے پیدل آ رہا ہوں۔'' فضلو پپو کو چڑائے نہ یہ تو ممکن نہیں تھا ان کی آپس کی نوک جھوک ہی ان کی محبت کا اظہار تھی۔

''ہاں تو حویلی شہر میں ہے ناں جو سانس چڑھ گیا ہے دن میں نہ جانے پھیرے تو حویلی اور مگر کے لگاتا رہتا تھا،'' پپو تیری صورت کو دیکھے دو گھنٹے گزر گئے تھے بھاگ کر کے آیا ہوں اور دس منٹ بعد پھر تو بھاگا تھا۔'' پپو نے پہلی بات چبکتے اور دوسری بات شرماتے ہوئے ادا کی ڈائریہ کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ رینگ گئی۔

''اوہ بھلی لوکے اس وقت میں جوان اب بوڑھا ہو گیا ہوں اور تو بھی تو ویسی نہیں جس کے لئے بھاگا بھاگا آؤں سڑی بوٹی دیکھ دل ہی جلانا ہے۔'' فضلو کے جملے پر ڈائریہ ساختہ ہنس پڑی تھی اور اب اسے یقین تھا دونوں جانب سے خوب جملوں کی گولہ شروع ہو جائے گی لہٰذا اس نے اٹھ کر کمرے میں جانے کا سوچا۔

''تیری ان فالتو باتوں کا جواب میں میں دے لوں گی پہلے جو میں نے پوچھا بتا۔''

''رب سوہنے نے بڑا کرم کیا ہے صبح لے کر آئے ہیں جاتے جاتے بشیر ابتا گیا اسی لئے گیا تھا بڑا پیلا زرد ہو گیا ہے گزر گیا ہے بشیر ابتا رہا تھا کہ خون کی دو بوتلیں ڈاکٹر تو ابھی بھی فارغ نہیں کر رہے زخم بڑا گہرا ہے پر وہ کسی کی سنتا کب ہے پرواہ نہیں بس ایک ہی بھوت سوار ہے ڈھونڈ کر عبرت ناک سزا دینی ہے، بڑی سے ٹھنڈا کر کے آیا ہوں پر چہ بھی نہیں پولیس کے آگے جھوٹ بول دیا کہ شکار کے دوران غلطی سے دوست کا فائر لگ ہے پولیس کے ہتھے وہ اسے چڑھنے نہیں

خود تفتیش کر کے خود سزا دے گا بڑا ہی خصیلہ ہے بھئی نہیں باز آئے گا پتہ ہے مجھے۔''

فضلو یقیناً چوہدری سکندر کی بات کر رہا تھا ڈائریہ کو باخوبی اندازہ ہو گیا تھا اور پپو بڑے انہماک سے فضلو کی بات سن رہی تھی۔

''تو کہ وڈے چوہدری کو اطلاع ہو گئی ہے کہ نہیں۔'' پپو نے پوچھا۔

''آج ہی ہوئی ہے سکندر نے منع کر دیا تھا کہ یہ خبر انہیں نہیں دینی وہ تو جب صبح صبح تازہ زخم کے ساتھ ریوالور نکال کر نکلے لگا تو بشیر نے چوہدری کو فون کر دیا اس بھرے شیر کو ان کے علاوہ کوئی روک بھی تو نہیں سکتا میں وہیں پر تھا بڑی مشکل سے انہوں نے فون پر سمجھایا اور وعدہ کیا کہ ان کے آنے تک وہ حویلی سے نہیں نکلے گا آج شام تک آ جائیں گے۔''

''جاہل آدمی!'' ڈائریہ نے دل میں سکندر کو خطاب دیا۔

''ڈاکٹر صاحبہ میں یہی بتانے آیا تھا کہ جی آج مجھے حویلی میں رکنا پڑے گا وڈے چوہدری جی کا حکم ہے فون پر کہا تھا جو انہوں نے مجھ سے آپ کے پاس پروین رہے گی اور رات کو پہ کیداری کے لئے بشیرا آ جائے گا۔'' فضلو نے ساری بات سناتے ہوئے ڈائریہ کو بتایا۔

''مگر کیوں؟'' ڈائریہ حیران ہوئی۔

''وہ جی بتایا ناں کہ چوہدری سکندر غصے میں آگ کا گولہ بنا ہوا ہے کسی کی نہیں سنتا نہ مانتا ہے غصے میں، چوہدری جی نے کہا کہ میں وہیں پر رہ کر اس کو ایسا ویسا کرنے سے روکوں وہ آ جائیں گے تو خود ہی سب سنبھال لے گے بس جی تھوڑی بہت میری مان لیتا ہے شام تک سمجھا سمجھا کر غصہ ٹھنڈا رکھنا ہے جی اس کا ورنہ یہ نورے کو نہیں چھوڑے گا۔'' فضول نے وضاحت دی۔

''ہاں آئے یہ اس کم بخت کا کام ہے مرن جوگا جرأت کیسے کر بیٹھا۔'' پپو جھٹ سے بولی۔

''بس گیدڑ کی شامت جو آئی تھی چھپا بیٹھا ہے اسی کے گھر جس نے گولی مارنے کا کہا تھا اور چوہدری سکندر اکیلا ہی جا رہا تھا صبح ان کے ڈیرے پر کہ نورے کو بھی دیکھ لے گا اور نورے کے پیچھے چوہدری دلاور کو بھی چوہدری دلاور کا ایک بندہ جو اصل میں چوہدری سکندر کا بندہ ہے اس نے ہی صبح صبح آ کر ساری مخبری دی ہے نورے کا ٹھکانہ بھی اسی نے بتایا ہے میں جا رہا ہوں بس یہی بتانے آیا تھا اور تو یہیں رہنا ڈاکٹر صاحبہ کو اکیلا چھوڑ کر ادھر ادھر پنڈ میں نہ سیریں کرتی پھرنا۔'' فضلو جو برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھا ہوا تھا اپنا صافہ اٹھاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''دفعہ دور پنڈ بڑی سیر سپاٹے کی جگہ ہے زیادہ سیانا نہ بنا کر پتہ ہے مجھے ڈاکٹر صاحبہ کو اکیلا نہیں چھوڑنا تو جا کر بس چوہدری سکندر کا خیال کر اور سن اگر تجھ سے نہ سنبھلے تو وڈے چوہدری کو فوراً فون کر دینا بلکہ تو ایسا کر کے نیند والی دوائی دے دے اسے وڈے چوہدری کے آنے تک سوتا رہے گا اس وقت غصہ چڑھا ہوا ہے اس کے دماغ کو تم لوگوں کے قابو نہیں آنے والا۔'' پپو نے ناک چڑھاتے نصیحت کی۔

''اوں بات تو، تو نے پتہ کی کی ہے کیوں ڈاکٹر صاحبہ دے دوں جی میں ان کو نیند والی گولی۔'' فضلو نے مزکر پوچھا۔

''ہاں دے دو لیکن مقدار زیادہ نہ ہو بلکہ خواب آور دوا کا انجکشن لگا دینا اس سے اس کے اعصاب بھی پرسکون رہیں گے۔'' ڈائریہ نے جواب دیا۔

''نہیں جی وہ انجکشن نہیں لگوائے گا سمجھ جائے گا بات کو۔'' فضلو نے نفی میں سر ہلاتے

ہوئے کہا۔

''اوکے تو پھر دوسرے کمرے میں گلابی رنگ کے پتے والی گولیاں رکھی ہیں الماری کے نیچے والے خانے وہ لے جاؤ ایک گولی دودھ میں گھول کر دے دینا پتہ ہے ناں تمہیں کون سی ٹیبلٹس ہیں۔'' ذائریہ نے فضلو کو ہدایت دیتے ہوئے پوچھا۔

''جی پتہ ہے۔'' فضلو دوسرے کمرے سے دوائی لے کر آ گیا۔

''یہ والی نہ جی۔'' فضلو نے پتہ دکھایا۔

''ہاں یہی والی۔'' ذائریہ نے اٹھتے ہوئے جواب دیا کیونکہ بیرونی گیٹ سے دو تین عورتیں داخل ہو رہی تھیں یقیناً وہ اپنا چیک اپ کروانے آئی تھیں ذائریہ ڈاکٹر روم کی جانب بڑھ گئی اور فضلو باہر کی جانب۔

☆☆☆

اپنوں نے جو دیئے زخم مجھ سے وہ بھرتے نہیں
غیروں نے جو لگائی چوٹ اس سے تو ہم مرتے نہیں
تیری یاد سے صبح ہوتی ہے شام شام سے رات
دل بہلانے کو کہتے ہیں کہ تمہیں اب یاد ہم کرتے نہیں

ذائریہ گاؤں آ کر بہت زیادہ خوش ہوئی تھی تایا عالم کی فیملی نے ان کا پرتپاک استقبال کیا تھا خود احسن انہیں اپنی بگیجز میں لینے گیا تھا پہلے انہوں نے شاہنواز کو ائیر پورٹ چھوڑا اور پھر وہ گاؤں کی جانب روانہ ہو گئے شہر کی تیز رفتار، ٹریفک کے شور، فضائی آلودگی بلکہ عمارتی آلودگی والے ماحول کی بجائے وہ لہلہاتے سرسبز کھیتوں، صاف اور شفاف ماحول میں سفر گامزن تھی اور گاؤں دیکھنے کا یہ اس کی زندگی کا پہلا اتفاق تھا جو کہ بے حد حسین تھا، ذائریہ کی ایک کلاس فیلو ردبی جس کا تعلق گاؤں سے تھا اپنے گاؤں کا ذکر بے حد خوبصورت انداز میں کیا کرتی تھی گاؤں کے لوگ گو کم پڑھے لکھے ہوتے ہیں مگر مزاج کے بے حد سادہ اور مخلص ہوتے ہیں صاف گوئی ان پر ختم ہوتی ہے جو دل میں محسوس کرتے ہیں وہی زبان پر لے آتے ہیں منافقت انہیں چھو کر بھی نہیں گزرتی گاؤں کا ماحول بے حد سادہ اور محفوظ ہوتا ہے جس وقت چاہو سکھیوں کے ساتھ کھیتوں پر چلے جاؤ امرود کے باغات میں جا کر آنکھ مچولی کھیلنا، سردیوں میں گاجر، مولی اور شلجم توڑ کر وہیں شہری دھوپ میں بیٹھ کر کھانا، گرمیوں کی شام کو چلتے ٹیوب ویل میں پیر لٹکا کر بیٹھنا اور جامن کھانا مہمانوں کی خوب خاطر تواضع کرنا ان کی روایات میں شامل ہے کیونکہ بان غریب ہو یا امیر وہ اپنے گھر آئی رحمت کو اپنی حیثیت کے مطابق خوب خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، آپس میں رشتے داری اور ذات برادری کا بھرپور خیال اور ساتھ دیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ غرض جس طرح کا شفاف، بے ریاء آلودگی سے پاک ماحول ہونا ہے اسی طرح کے وہاں کے باسی ہوتے ہیں ذائریہ گاؤں میں بیٹھی سارے راستے ردبی کی باتیں یاد کرتی اور مسکراتی آئی تھی، احسن بھی اسے گاؤں کے متعلق ہلکی پھلکی باتیں بتاتا آیا تھا احسن بھائی کا لہجہ بے حد نرم اور دوستانہ تھا۔

☆☆☆

''ارے اتنے پھیکے اور اتنے ہلکے کام والے سوٹ شہری تو بڑے شوخ اور بے تکے کپڑے پہنتے ہیں اور یہ کپڑے تم شادی پر پہن کر ہمارا مذاق اڑواؤ گی اور ماسی جی قیمت سے بھی سستے نظر آتے ہیں یہی کوئی دو ڈھائی ہزار سے زیادہ کے نہیں لگتے ایسا کرتے ہیں میری بری کے چند ان سلے جوڑے پڑے چار پانچ ہزار کی قیمت کے تھے میں نے دینے دلانے کے لئے رکھ چھوڑے چلو آج کام آ گئے۔'' ناک سکوڑتے ہوئے نان سٹاپ تائی خدیجہ کی بڑی بہو اور احسن کی بیوی مریم نے بے لاگ ذائریہ کے شادی پر پہنے جانے والے کپڑوں پر تبصرہ کر ڈالا تھا ثمینہ اور ثمر باہر لاؤنج میں کسی رشتے دار خاتون سے مصروف گفتگو تھیں اور ذائریہ نے مریم کے کہنے پر بڑی خوشی سے اپنے سوٹ دکھانے شروع کیے تھے جو بے حد نفیس رنگوں اور ہلکے پھلکے کام والے نہایت دیدہ زیب کپڑے تھے لیکن مریم کے تبصرے نے نا صرف اس کے جوش اور خوشی کو بھاگ کی طرح بٹھا دیا تھا بلکہ احساس تو ہین سے اس کے گال تمتما اٹھے تھے تائی جو وہاں سے گزر رہی تھیں وہ بھی کمرے میں یونہی بیڈ پر بیٹھ کر ذائریہ کے کپڑے دیکھنے لگی تھیں۔

''احسن آنے والا ہے جا کر رکھی سے کہہ کے تخور پر گرم گرم روٹیاں لگانی شروع کر دے پہلی بار گی مار بھولی تو نہیں ہو گی ٹھنڈی روٹی پر کیسے بے چاری کے بازو پر گرم لکڑی رکھ دی تھی فصہ کا بڑا ہی تیز ہے جا شاباش۔'' تائی جی نے مریم کو کمرے سے باہر کی راہ دکھائی تھی۔

''تو اس کی بات کا برا نہ ماننا ان پڑھ ہی ہے شہری لوگوں کی طرح بات بنا کر نہیں کرنی آتی میں سمجھا دوں گی بہت اچھے کپڑے ہیں لو سنبھال کر رکھ لو۔'' اتنا کہہ کر وہ اٹھ کر باہر چلی گئیں۔

مریم تو مریم ذائریہ کو تائی جی کی بات نے بھی چند لمحے گنگ ہی کر ڈالا تھا بجائے اس کے سامنے مریم کو سرزنش کرتیں الٹا انہوں نے اس کے روکھے رویہ کا اسے احساس تک نہیں دلایا تھا ذائریہ اپنی جگہ پر بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

دو دن ہو گئے تھے انہیں یہاں پر آئے حویلی بے حد بڑی اور دیدہ زیب تھی ہر قسم کی شہری سہولتوں سے آراستہ پہلے دن ان کی فرسٹ کزن ماریہ نے پوری حویلی دکھائی تھی اور وہاں پر آباد مقیم کا موجود لوگوں کا تعارف بھی کراتی گئی تھی اور جو موجود نہیں تھے ان کا غائبانہ تعارف بھی۔

''پہلے نمبر پر ہمارے ابو ہیں جن کے ہم تین بچے ہیں پہلے نمبر پر بھا احسن، پھر میں اور آخر میں حسنین پھر دوسرے نمبر چچا فیصل ہیں ان کے دو ہی بیٹے طالب اور مطلوب ہیں پھر پھپھو رقیہ ہیں دور پار کے گاؤں میں بڑے اونچے خاندان میں بیاہ کر گئی ہیں بس شادی اٹینڈ کرنے ایک دو دن میں آنے ہی والی ہیں ان کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں بڑے بیٹے سعد سے میری منگنی ہو چکی ہے (اتنا کہہ کر وہ شرمائی) آخر میں چچا افضل ہیں ان کا ایک بیٹا اور بیٹی ہے بیٹی بڑی منہ پھٹ اور سٹریل سی ہے خیر اور اس حویلی میں سب اپنے اپنے پورشن الگ کر کے رہتے ہیں اور سبھی کا کام زمینوں کی دیکھ بھال کرنا ہے، چچا افضل نے البتہ آڑھت وغیرہ کا بھی کاروبار کر رکھا ہے چچا فیصل کے دونوں بیٹے اپنی زمین پر دو تین مرغی خانے اور مچھلی فارم بنوا رہے ہیں آج کل ادھر ہی مصروف ہوتے ہیں۔'' ماریہ نے اسے خوب تفصیل سے تعارف کروایا تھا، حویلی کا چکر لگاتے ذائریہ نے بڑے اشتیاق سے اپنے بابا کا روم دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

''چچا شاہنواز کا یہاں پر کوئی کمرہ نہیں پہلے کا تو مجھے علم نہیں مگر دادا ابا انہیں عاق کرنے کے بعد ان کا یہاں کی ہر چیز پر سے حق ختم ہو گیا ہے اس لئے ویسے تم لوگوں کا سامان میرے کمرے میں سیٹ کروا دیا گیا ہے۔'' ماریہ کی بات ذائریہ کو بے حد تبھی تھی مگر وہ خاموش ہی رہی تھی چچا کی فیملیز نے اس کی آمد پر کوئی خاص ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا ماریہ کے تعارف کروانے کے باوجود دونوں چچیاں بڑے روکھے سے انداز میں ملی تھیں

وہ تو ان دونوں کی آمد پر انہیں آکر ملے بھی نہیں تھے، شام کو جب سب اکٹھے بڑے سے صحن میں چارپائیاں اور کرسیاں بچھائے بیٹھے تھے تو دونوں چچاؤں نے سرسری سا اس کے سر پر ہاتھ پھیر دیا تھا کسی ایک نے بھی خاص طور پر اس کے ابو کے بارے میں نہ پوچھا تھا ذائریہ کے لئے ان کے رویے اس کی توقعات کے الٹ تھے، تایا عالم شادی بیاہ اور زمینوں وغیرہ کے کاموں میں بے حد الجھے ہوئے تھے ماں بیٹی کو اندر حویلی میں اپنی خواتین کے ہی سپرد کر کے مطمئن ہو چکے تھے۔

اگلے روز ماریہ سے کھیتوں پر جانے کی فرمائش کر کے بھی پچھتائی تھی۔

''ارے ہم گاؤں کے چوہدری ہیں چوہدریوں کی بیٹیاں شودیوں کی طرح کھیتوں میں گھومنے جائیں گی ناممکن بھائی لوگوں کو پتہ چل گیا تو ٹانگیں توڑ دیں گے ہماری ہم تو رئیس زادیاں ہیں کمینوں اور چوہنیوں کی طرح کھیتوں پر جا کر گاجر مولی یا کینو توڑ کر تھوڑی کھا سکتی ہیں یہ تو چوہنیوں کا کام ہے ہماری تو حویلی میں سب سوغاتیں آ جاتی ہیں تو یہ گاؤں کے لوگ دیکھے گے تو کیا سوچیں گے ملکوں کی بیٹیاں وچوہنوں کے ساتھ کھیتوں پر، جن سے میں نے سیدھے منہ کبھی بات نہیں کی۔'' ماریہ نے بڑے غرور اور نخوت سے جواب دیا اور ذائریہ کا جواب سنے بغیر چھٹ سے اپنی بھابھی کی بات سننے آگے بڑھ گئی۔

ذائریہ منہ لٹکائے اپنے کمرے کی جانب پلٹ آئی تھیں ثمینہ تائی جی کے کچن میں سلنڈر کے چولہے پر کچن کڑی پکا رہی تھیں اور اس میں کافی مصروف تھیں ذائریہ بیڈ پر سر جھکا کر بیٹھ گئی تھی اور پھر یونہی کچھ دیر بعد اس نے کمرے میں نگاہیں گھمائیں ان ماں بیٹی کے لئے کمرے کے ایک کونے میں بمشکل سنگل بیڈ لگا کر کمرے میں ان کے رہنے کے لئے گنجائش نکالی گئی تھی اور شاید اسی طرح سے دلوں میں بھی بمشکل ان کے لئے گنجائش نکالی گئی تھی ذائریہ یہاں کے ماحول اور رویوں سے اکتاسی گئی تھی کیا اس کے بابا کے لئے اتنی بڑی حویلی میں ایک کمرہ بھی نہیں تھا وہ لوگ واقعی انہیں عاق کر چکے تھے دلوں سے بھی اور جائیداد سے بھی ذائریہ بہت ہرٹ ہوئی تھی جب سے آئی تھی ہر کوئی اس سے لیا دیا انداز اختیار کیے ہوئے تھے وہ ماریہ، چچا کی بیٹی ماہین اور مریم کے درمیان چار کرسیاں تو پھر بھی دیر بعد وہ ادھر ادھر کھسک جاتیں اس سے قبل وہ جو اتنے زور و شور سے شادی کے معاملات ڈسکس کر رہی ہوتیں خاموش ہو جاتیں، بچی تو نہیں تھی جوان رویوں کو سمجھ نہ پاتی مما کو انہوں نے کچن میں مصروف کر ڈالا تھا کبھی ماریہ فرمائش کرتی کبھی احسن اور کبھی کوئی چچی آج یہ پکائے ناں شہری لوگ بہت اچھا کھانا پکاتے ہیں ہمیشہ پکائے جانے والی ڈش محنت طلب اور زیادہ وقت طلب ہوتی اور ثمینہ بیگم کے پاس ان کی فرمائش پوری کرنے کے سوا کوئی اور چارہ بھی نہ تھا وہ یہ سب بخوشی کرتیں مگر ذائریہ کی طرح وہ بھی ان کے بدلے رویے محسوس کر رہی تھیں اوپر سے ملک شاہنواز سے رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا گاؤں میں سیل فون پر سگنل ہی نہیں آ رہے تھے یہ ایک علیحدہ سے پریشانی بنی ہوئی تھی لینڈ لائن فون کی سہولت بھی موجود نہیں تھی۔

اوپر سے وہ لوگ آپس میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ عجیب سا رویہ رکھتے تھے ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے ان کے دل ایک دوسرے سے بہت فاصلوں پر تھے منافقت ان کے انگ انگ سے پھوٹتی تھی آپس میں اکٹھے

ہوتے تو مسکرا مسکرا کر باتیں کرتے مگر جب کوئی ایک بھی اِدھر اُدھر ہوتا تو حسد کے مارے اس کی ذات کے بخیے ادھیڑ دیئے جاتے یہی حال لڑکوں کا تھا اور لڑکیوں کا بھی اور یقیناً بڑوں کا بھی ذائریہ اگر ماریہ کے پاس بیٹھی ہوتی تو کچھ ہی دیر بعد مریم اس سے تفتیش کرنے پہنچ جاتی کہ ماریہ جو ابھی یہاں سے اٹھ کر گئی ہے اس کے خلاف کیا باتیں کر رہی تھی اول سے تو کوئی بھی اس سے سیدھے منہ بات نہ کرتا اور اگر ان تینوں میں سے کوئی ایک بھی اس کے پاس بیٹھ کر دوسروں کی بدخوئی اور چغلی کرتی تو یہ ذائریہ کی فطرت نہ تھی کہ وہ ادھر کی بات اِدھر سناتی ایسے تو ان گنوار حرکتوں سے ویسے بھی الجھن ہوتی تھی مطلب کیا بیان ذائریہ سے ناپا کر وہ منہ بنا کر پلٹ جاتیں گھریلو معاملات چلانے کا انتظام یوں تو تائی جی کے ہاتھوں میں تھا مگر گھر کی دیکھ بھال اور ہر کام کا نوکروں پر تھا کوئی یہاں پر اٹھ کر پانی تک نہ پیتا چاہے گلاس سامنے ہی کیوں نہ پڑا ہوا ہو ابھی۔

کل ذائریہ نے معمولی سی غلطی پر ایک ملازم کو احسن بھائی کے ہاتھوں بری طرح سے پٹتے دیکھا تھا اور احسن بھائی کا یہ روپ دیکھ کر وہ حیران ہی رہ گئی تھی ماریہ سے حاصل ہوئی والی معلومات کے مطابق احسن پورے خاندان میں سب سے زیادہ پڑھے ہوئے تھے پوری سولہ جماعتیں یونیورسٹی میں پڑھے تھے اور ایک غریب ملازم کو اس لئے اتنی بری طرح سے مار رہے تھے کہ کھنے انجانے میں وہ سامنے سے آتے احسن سے ٹکرا گیا اور مہمانوں کے لئے لے جانے والی چائے بالکل تھوڑی سی احسن پر چھلک گئی اس کے بعد احسن بھائی نے جو اپنا جوتا اتار کر اس کی دھنائی کی ہے بے چارہ نوعمر ملازم روتے ہوئے فرش پر بیٹھا ہاتھ جوڑ کر معافیاں مانگتا جا رہا تھا اور کوئی بھی اس کی مدد کو آگے نہ بڑھ رہا تھا ذائریہ سے یہ سب برداشت نہیں ہوا وہ اپنی جگہ سے روکنے کے لئے اٹھی مگر ثمینہ بیگم نے اس کا ہاتھ ہلکے سے دبایا اور اپنے کمرے میں لے آئیں اور ساتھ ہی سختی سے سمجھایا کہ اسے ان کے کسی معاملے میں نہیں بولنا یہ پندرہ دن انہیں جیسے تیسے گزارنے تھے کیونکہ یوں اکیلے تو وہ لوگ انہیں جانے نہ دیتے اب تو شاہنواز آئیں گے تو وہ فوراً یہاں سے روانہ ہو جائیں گے یہ وقت انہیں حوصلے اور برداشت سے ہی گزارنا تھا کسی قسم کی بدمزگی ان کے لئے مشکل پیدا کر سکتی تھی، ذائریہ کو مشکل پیدا کرنے والی بات تو سمجھ نہ آئی زیادہ تنگ کریں گے تو ہم لوگ تایا جی سے صاف کہہ دے گے ہمیں ہمارے گھر چھوڑ آئیں کیا یہاں پر ہمیں ذہنی تکلیف دینے کے لئے لے کر وہ آئے تھے تایا عالم کل سے پھپھو کی طرف گئے ہوئے تھے پھپھو کے چھوٹے بیٹے نے کسی جوان وچوہنی کو دن دیہاڑے اغواء کر لیا تھا معاملہ خاصا سنجیدہ ہو گیا تھا غریب کمی اور مزارے سارے اس ظلم پر سراپا احتجاج بن گئے تھے پھپھو کے شوہر سے اکیلے یہ معاملہ سنبھل نہیں پا رہا تھا تایا جی نے پلان کیا تھا کہ لڑکی کا نکاح اغواء والی تاریخ سے پہلے کا عباد (پھپھو کا چھوٹا بیٹا) سے کروا دیتے ہیں اور پولیس کو ظاہر کر دیں گے لڑکی چونکہ بالغ ہے تو اس نے اپنی مرضی سے نکاح کر لیا معاملہ رفع دفع ہونے کے بعد وہ لڑکی کو حویلی لے آئیں گے یہ اطلاع بھی ذائریہ کو رات ماریہ سے وصول ہوئی اور ماریہ کو اندر تک معاملے کی خبر سعد کے توسط سے تھی جس سے وہ گھنٹوں رات کو فون پر باتیں کرتی رہتی تھی اور جب وہ سعد کو جان جی، جانو کہہ کر فون پر بات کرتی تو ذائریہ کو یہ پھپھورا انداز ذرا اچھا نہ لگتا یہی حال ماہین کا تھا جس کی

منگنی چچا فضل کے بیٹے طالب سے ہوئی تھی وہ جب بھی گھر آتا ماہین الٹا سیدھا فیشن کیے اس کے آگے پیچھے گھومتی اور طالب بھی اس کی اوچھی حرکتوں پر خاصے چھچھورے انداز میں اسے دیکھتا ذائریہ کو تو یہ سب دیکھ کر بہت الجھن ہوتی لیکن ذائریہ کو تایا جی کا فیصلہ پسند آیا چلو یہ چاری مظلوم لڑکی کی برباد کی ہوئی زندگی کا کچھ تو خسارہ پورا ہو جاتا لیکن ماریہ نے اس کی بات میں ہنستے ہوئے یہ بتایا کہ اس لڑکی کو پھپھو کی حویلی لاکر زہر دے کر مار دیا جائے گا تو وہ اپنی جگہ ساکت ہی بیٹھی رہ گئی تھی وہ جو سمجھتی تھی کہ گاؤں کے لوگ بڑے سادہ اور کم تعلیم کی وجہ سے کم شعور رکھتے ہیں ایسا نہیں تھا نہ تو وہ سادہ تھے اور نہ ہی کم تعلیم کی وجہ سے کم شعور بلکہ قانون توڑنے کے اتنے کامیاب منصوبے تیار کرتے تھے کہ کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا، لڑکی کے لواحقین کو خودکشی کا کہہ کر ڈرا دھمکا کر چپ کرا لیا جائے گا۔

''واہ کتنا جامع پلان تھا۔''

کمرے میں کافی دیر اپنی الٹی سیدھی سوچوں میں الجھی آخر کار وہ اٹھ بیٹھی اور بوریت سے ایک بار پھر کھڑا کر اس نے کچن میں اپنی ماما کا ہاتھ بٹانے کا سوچا اور کمرے سے نکل کر کچن کی جانب بڑھی سامنے سے آتے احسن بھائی جو سیل فون پر اونچی اونچی آواز میں کسی سے بات کر رہے تھے ذائریہ کی ان سے اچھی خاصی ٹکر ہو گئی اور ذائریہ نے بمشکل اپنے وجود کو گرنے سے سنبھالا ساتھ ہی اس کے پورے وجود میں ایک ناگوار سی لہر گزر گئی بظاہر اچانک، انجانے میں ہو جانے والی ٹکر کے بارے میں اسے پورا یقین تھا کہ احسن بھائی جان کر اس سے ٹکرائے ہیں وہ جو اپنے گھر میں شائستہ لہجے میں بولتے اور گاڑی لے کر انہیں آنے والے خاموش سلجھے ہوئے احسن بھائی کے روپ سے واقف تھی یہ روپ دیکھ کر بے حد ان سے بیزار ہوتی جا رہی تھی۔

''اوہ سوری جناب جی سوری، کہیں چوٹ تو نہیں لگی۔'' احسن نے معنی خیز انداز میں دریافت کیا اور ذائریہ نے نفی میں سر ہلاتے وہاں سے کھسک جانا چاہا سامنے ہی مریم کاٹ کھانے والی نظروں سے انہیں گھور رہی تھی۔

''ایک منٹ ٹھہرو ذائریہ، بھئی جب سے آئی ہو آرام سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا شادی بیاہ کے کاموں میں ہی الجھا ہوا ہوں، مریم اوہ مریم!'' احسن نے ہاتھ اٹھا کر ذائریہ کے بڑھتے قدموں کو روکا اور ساتھ ہی اسے منتظر کھڑا چھوڑ کر مریم کو آوازیں دینے لگا۔

''جی!'' مریم قریب چلی آئی۔

''بھئی اپنے ہی کاموں میں مصروف رہتی ہو ذائریہ کو بھی وقت دینا تھا شادی وغیرہ کے لحاظ سے کوئی شاپنگ وغیرہ کل کرا لانا، سمجھ گئی ناں آج تو رات مہندی کا رولا ہے تو وقت نہیں ملنا۔''

احسن نے اپنی جیب سے اچھی خاصی رقم نکال کر مریم کے ہاتھ رکھتے ہوئے تاکید کی۔

''نہیں احسن بھائی اس کی ضرورت نہیں میری تمام شاپنگ مکمل ہے پلیز رہنے دے یہ سب۔'' ذائریہ نے جلدی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اوہ نہیں جی کزن ہو آپ ہماری اور پہلی دفعہ ہمارے گھر آئی ہو یہ سب بہت کم ہے لیکن بہت ضروری ہے۔'' احسن نے اس کے انکار کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے جواب دیا، ان کے لہجے کا بدلاؤ ذائریہ کو حیران کر گیا تھا۔

''اور سن یاد آیا شام تک شہر سے ناچنے والیاں آ جائیں گی ڈیرے پر رہے گی ان کی خاطر میں کوئی کمی نہ آئے، خاص دھیان رکھنا

ساری رات شغل چلنا ہے اور کل ذائریہ کو ضرور نزدیکی بازار لے جائیں پھر رات کو تو بارات نے جانا ہے وقت نہیں ملے گا صبح صبح نکل جانا۔''

احسن نے جاتی مریم کو بلا کر ایک اور ہدایت نامہ جاری کیا تھا اور ذائریہ اس کی باتوں پر جوں کی توں کھڑی رہ گئی تھی اور حیرت سے تو وہ شام کو بھی گنگ رہی گئی تھی جب سب لڑکے سفید لٹھے کلف دار شلوار قمیضوں میں خوب بنے سنورے ڈیرے پر شغل لگانے کو تیار ہو رہے تھے اور گھر کی عورتیں ان کی تیاری میں ان کی مدد کر رہی تھی نہ کوئی انہیں ان کے شغل لگانے پر سرزنش کر رہا تھا نہ کوئی بڑا روک رہا تھا، الٹا مریم نے تو باہر نکلتے احسن کو روک کر اس کی گولڈ کی چین گلے میں ڈالنے کے لئے دی اور نئے نوٹوں کی بھاری گڈی تھمائی کہ ملک احسن کو ناچنے والیوں پر دل کھول کر پیسہ وارنا ہے تاکہ سب جان سکے ملک احسن کتنے دل والا اور کھلی جیب کا مالک ہے بیوی کے منہ سے ادا ہونے والے ان جملوں نے ذائریہ کو ورطہ میں ڈال دیا تھا وہ تو جب سے یہاں آئی تھی حیرت میں ہی مبتلا تھی۔

مہندی کے فنکشن کا پروگرام یوں تھا کہ حسین کو پہلے حویلی میں لایا جائے گا جہاں پر عورتیں وغیرہ اسے مہندی لگانے کی رسم ادا کرائے گیں اور اس کے بعد وہ ڈیرے پر چلا جائے گا پیچھے سے خواتین ڈھولکی بجا کر اپنا شوق پورا کرتی رہے گیں اور مرد حضرات ڈیرے پر مہندی کے فنکشن کو بھرپور طریقے سے سلیبریٹ کریں گے یہ سب ماریہ نے شام کو تیار ہوتے ہوئے ذائریہ کو بتایا۔

''ہمارے ہاں لڑکے والے دلہن کے گھر اور لڑکی والے دلہا کے گھر مہندی لگانے نہیں آتے بڑے اس بات کو اچھا نہیں سمجھتے کہ گھر کی عورتیں تیار ہو کر دوسرے گھر رات کو جا کر مہندی لگاتی پھریں اور بھائی لوگ تو جان ہی نکال دیں بس پھر ہم لوگ اس طرح سے مہندی کی رسم ادا کرتے ہیں اصل شغل تو ڈیرے پر لگے گا ناچنے والیاں خوب پیٹیاں بھر کر پیسہ لے کر جائیں گی۔'' ماریہ نے مزے سے ذائریہ کو بتایا اسے حیرت سے ہونق بنی ذائریہ کی شکل دیکھ کر بڑا مزا آتا تھا۔

''تم میں سے کوئی انہیں منع نہیں کرتا یہ تو بہت برا کام ہے۔'' ذائریہ نے بالوں میں برش کرتے ہوئے پوچھا۔

''لیں ہمارے منع کرنے پر وہ ہمارا گلا نہ دبا دیں گے اور پھر گاؤں میں سب امیر گھروں میں ایسی ہی مہندی منائی جاتی ہے یہ سب چھوڑو بتاؤ میں کیسی لگ رہی ہوں کہ پینہ کی فلم سے ناں ایک گانے میں اس نے ایسی ٹیمپل شلوار پہن رکھی تھی ماہین سے چھپا کر میں نے یہ سوٹ سلوایا ہے ابھی کچھ دیر میں پھپھو اور سعدیہ وغیرہ بھی ابو کے ساتھ پہنچنے والے ہے ناں۔'' ماریہ نے ذائریہ کی جانب رخ موڑتے ہوئے پوچھا۔

''بہت اچھی لگ رہی ہو۔'' ذائریہ نے دھیمے سے کہہ کر نظریں جھکا لیں۔

''چلو تم بھی جلدی سے تیار ہو جاؤ یہ اتنا بڑا جھولا نما فراک ہی بس پہن لیا ہے اوپر سے بازو بھی فل اور پاجامہ بھی لمبا تو بہ ہے بندہ کپڑے کے تھان میں ہی چکراتا پھرے۔'' ماریہ نے حسب معمول اس کی ذات پر تنقیدی بے لاگ تبصرہ جھاڑ اپنے آگے ان میں سے کسی کو کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا سب احساس برتری کا شکار تھے۔

''میں تیار ہوں چلے باہر۔'' ذائریہ جس نے گرے کلر کا کلیوں والا فراک پہن رکھا تھا اور جس پر سلور موتیوں کا کام بے حد خوبصورتی سے

کیا گیا تھا ساتھ ہی ٹراؤزر اور بڑا سا دوپٹہ اوڑھے بغیر کسی میک اپ کے وہ بے حد پیاری نظر آرہی تھی۔

''سرخی وغیرہ نہیں لگانی۔'' ماریہ نے پیچھے سے پکارا۔

''نہیں۔'' قطعی انداز میں جواب دیتی وہ باہر نکل گئی اور برآمدے میں ایک کرسی پر بیٹھی ثمینہ بیگم کے پاس آن بیٹھی اور پھر تقریب کے اینڈ تک وہی بیٹھی رہی طوفان بدتمیزی دیکھ کر اس کا دل ہی نہ چاہا کہ وہ اس تقریب کا حصہ بن سکے اور کسی کو بھی اس کے ہونے نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا تھا بس مہندی لگانے کے لئے چند سیکنڈ کے لئے ثمینہ اٹھ کر اسٹیج پر گئیں اور پھر وہ بھی واپس آ کر بیٹھ گئیں۔

دلہا کے باہر جانے کے بعد رشتے دار خواتین ڈھولکی لے کر بیٹھ گئیں پھپھو بھی ان سے سرسری آ کر ملیں اور پھر اپنی بھابیوں کے پاس جا بیٹھیں۔

''ارے ثمینہ باجی آپ آؤ ناں کوئی گانا وغیرہ سناؤ یا ڈھولکی بجاؤ۔'' منجھلی چچی نے نیچے بیٹھے ڈھولکی سنبھالتے ہوئے قدرے دور کرسی پر بیٹھی ثمینہ بیگم کو مخاطب کیا، باقی سب خواتین دائرہ بنا کر نیچے ہی بیٹھی تھیں کچھ بڑی عمر کی کرسیوں پر برجمان تھیں۔

''نہیں شکریہ مجھے گانا یا ڈھولکی بجانی بالکل نہیں آتی۔'' ثمینہ نے مسکراتے ہوئے نفی میں جواب دیا۔

''حیرت ہے پھر بھی یہ تو آپ کا خاندانی کام ہے اور آپ کو آتا نہیں آپ کے ابا بھی تو اتنے اچھے ڈھولچی تھے اور کیا ذائریہ کو بھی اپنا خاندانی کام نہیں سکھایا میں نے تو سن رکھا ہے کہ یہ لوگ اپنا خاندانی کام بچوں کو ضرور سکھاتے ہیں چاہے وہ ڈاکٹر ہی کیوں نہ بن جائیں۔'' ذائریہ کی پھپھو نے مڑ کر طنزیہ انداز میں کہا اور باقی خواتین کے چہروں پر طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

ثمینہ بیگم نظریں جھکائے خاموش رہیں وہ ضبط کی کسی منزل سے گزر رہی تھیں وہی جانتی تھیں ذائریہ کا غصے اور توہین کے مارے بری حالت ہو رہی تھی وہ یا تو ان خواتین کا منہ بند کر دینا چاہتی تھی یا پھر واک آؤٹ کر جانا چاہتی تھی مگر ماں کے ہاتھ کے نیچے دبا اپنا ہاتھ چھڑانے کی ہمت نہیں تھی اس میں اور پھر وہ سب گانا گانے میں مشغول ہو گئیں ذائریہ کی آنکھیں پانی سے لبریز تھیں۔

بھری محفل میں اتنا ہتک آمیز رویہ اور تائی جی کی فیملی نے بھی کچھ نہیں کہا تھا ذائریہ کا پورا وجود ایک ان دیکھی آگ کی لپیٹ میں تھا باہر فائرنگ کا شور اور اندر ڈھولکی کی تھاپ اس کی سماعت پر گولے برسا رہی تھی۔

''آخر مما نے اتنی بڑی بات چپ کر کے سہہ کیوں لی ہم کوئی ان کے نوکر تو نہیں انہی کے خاندان کا حصہ ہیں مما خواہ مخواہ ہی خاموش رہ کر ان جاہل عورتوں کو شہہ دے رہی ہیں ایک بار منہ توڑ دیا ہوتا ایسی بات کرنے پر تو جرأت نہ ہوتی کسی کی بھی آخر مما بھی تو سارنگ نواز کی بہو ہیں۔'' ذائریہ کھولتے دماغ کے ساتھ یہی سوچے جا رہی تھی۔

''بس بابا آ جائے تو ایک منٹ یہاں نہیں رکوں گی البتہ جاتے ہوئے ان سب کو ان کے بد صورت رویے کا احساس ضرور دلا کر جاؤں گی اور صبح تایا جی سے بھی بات کروں گی اگر تو ہمارے ساتھ تمیز اور طریقے سے ان لوگوں نے پیش آنا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہمیں ہمارے گھر چھوڑ آئے

خواہ مخواہ کی ذلت سہنے کے لئے نہیں آئے ہم لوگ۔'' ذائریہ دل میں ٹھان چکی تھی کچھ ہی دیر بعد وہ ماں بیٹی نیند کا بہانہ کر کے وہاں سے اپنے کمرے میں چلی آئیں اور ذائریہ کی طرح ثمینہ بیگم نے بھی یہی بات کی کہ وہ صبح ضرور بھائی عالم سے ان سب کے رویوں کا ذکر کریں گی آخر وہ اتنی منتیں کر لے کر آئے تھے اور یہاں لا کر انہیں بھول ہی گئے تھے اب جو شاہنواز کے آنے تک جو چند دن انہیں گزارنے تھے وہ اس قسم کا ہتک آمیز طنزیہ اور روکھا رویہ برداشت کر کے ہرگز نہیں رہے گی ورنہ انہیں گھر بھجوا دیا جائے وہ آرام سے اپنے گھر جا کر رہ سکتی تھیں ماں کے منہ سے ایسی باتیں سن کر ذائریہ کو کچھ ڈھارس ہوئی اور دکھتے دل اور کھولتے دماغ کے ساتھ آخر کار وہ سو ہی گئی۔

☆☆☆

صبح ذائریہ کے لئے دھماکہ خیز انکشاف لے کر طلوع ہوئی تھی پہلے تو صبح باہر آ کر سب لوگوں کو عجیب سی افراتفری اور قدرے پریشانی میں مبتلا دیکھ کر اسے عجیب لگا پھر ماریہ نے ہی جلدی جلدی بتایا کہ رات نشے میں دھت طالب نے کسی مہمان کو گولی مار کر ہلاک کر دیا وجہ یہ بتائی جا رہی تھی کہ مقتول کسی ناچنے والی کے ساتھ حد سے زیادہ فری ہو رہا تھا جس پر طالب کی نظر تھی اس نے ایک دو بار اس کی حرکتوں سے باز رہنے کا کہا لیکن اس پر طالب کی باتوں کا اثر نہ ہوا تب طالب نے غصے اور اشتعال میں آ کر اسے فائر مار دیا اور وہ وہیں پر ڈھیر ہو گیا۔

اور اب سب لوگ مقتول کے گھر والوں سے صلح نامہ لکھوانے گئے ہوئے تھے مقتول کا گھرانہ ملکوں کے خاندان کے آگے کمتر اور کمزور تھا انہیں دبانا کوئی خاص مشکل بھی نہ تھا اور پھر

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب	135/-
خمار گندم	200/-
دنیا گول ہے	225/-
آوارہ گرد کی ڈائری	200/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	200/-
چلتے ہو تو چین کو چلئے	130/-
نگری نگری پھرا مسافر	175/-
خلا انشائی کے	200/-
بستی کے اک کوچے میں	165/-
چاند نگر	165/-
دل وحشی	165/-
آپ سے کیا پردہ	250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو	200/-
انتخاب کلام میر	60/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر	160/-
طیف غزل	120/-
طیف اقبال	120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اُردو بازار، لاہور

فون نمبرز: 7321690-7310797

علاقے کی پولیس بھی تو ملکوں کی نوازشوں کے سامنے سر تسلیم خم کے علاوہ کچھ اور نہیں کر سکتی تھی لیکن میڈیا کے ڈر سے پولیس اس معاملے میں مکمل طور پر غیر جانب دار ہو کر بھی نہیں بیٹھ سکتی تھی اس لئے ایس ایچ او کے کہنے پر کہ اگر وہ قتل کو حادثاتی صورت دے سکے اور مقتول کے لواحقین بھی اس بیان کی تائید کر دیں تو معاملہ رفع دفع ہو سکتا تھا۔

ذائریہ کا دل یہ تمام صورت حال دیکھ کر اس ماحول سے کھٹا ہو چکا تھا نہ جانے وہ کس جاہل جانور ٹائپ لوگوں میں آ گئیں تھیں گاؤں کے لوگ اور گاؤں کا ماحول اگر ایسا ہوتا ہے تو شہر ایسی باتوں سے کئی گنا بہتر تھا اس کے دل میں گاؤں کے بارے میں نفرت بیٹھ گئی تھی اس نے توبہ کر لی تھی کہ آئندہ وہ کبھی کسی گاؤں جانے کا نام نہ لے گی اور بظاہر نظر آنے والے سادہ دیہاتیوں سے کسی قسم کا رشتہ استوار رکھے گی وہ جو سوچتی تھی کہ ڈاکٹر بن کر وہ کسی گاؤں میں جا کر اپنی خدمات سرانجام دے گی تو یہ کر لی تھی اس نے اپنے اس خیال سے لیکن وہ یہ بھول گئی تھی کہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔

کیا احساس برتری، غرور، دولت کا نشہ اور حاکمیت کا سرور انسان کو اس کی انسانیت کے درجے سے گرا کر اتنے گہرے پاتال میں پہنچا دیتا جہاں سے وہ کبھی انسان کے درجے تک پہنچ ہی نہیں پاتے اور ایسوں کے لئے ہی دوزخ کا سب سے نچلا درجہ رکھا گیا ہے اگر وہ سمجھے اور ایسے لوگ ہر جگہ پائے جاتے تھے گاؤں ہو یا شہر ظالم ہر جگہ ظالم ہے مظلوب نے آ کر اطلاع فراہم کی کہ معاملہ تقریباً رفع دفع ہو گیا ہے مقتول کے لواحقین پندرہ لاکھ پر صلح نامہ کرنے کے لئے راضی ہو گئے ہیں اصل میں بھاء احسن نے مقتول کے چھوٹے بھائی کی گردن پر پستول رکھ دیا تھا وہ بے چارے تو تھوڑی سی زمینوں کے مالک شریف لوگ تھے پستول کی شکل بھی نہیں دیکھ رکھی تھی جھٹ صلح نامے پر دستخط کر دیئے اور ان کی مرضی کے بیان پر دستخط کر دیئے، اس طرح معاملہ بالکل ختم ہو گیا ہے اور ان سے کسی دشمنی کا بھی اندیشہ نہیں ظلم ہی ظلم تھا سب کی صورتوں پر اطمینان آتا دیکھ کر ذائریہ نے افسوس سے سوچا۔

''چلو بھئی رات کی باراتِ کے لئے تیاریاں پکڑو ایویں فضول میں ٹینشن بنی ہوئی تھی میرے احسن نے بھی تو یہی رکھی تھی بھی اتنا آپے سے باہر نہیں ہوا اگر اتنے جوگے نہیں ہو تو نہ ایسا کرو رنگ میں بھنگ ڈال کے رکھ دی۔'' تائی جی کا کسی رشتے دار خاتون سے تبصرہ سن کر ذائرہ کا ان بے حس سفاک لوگوں کے درمیان میں سے ہمیشہ ہمیشہ نکل جانے کو جی چاہا کسی کے چہرے پر مرنے والے کے لئے افسوس کی رمق تک نہ تھی نشے کے خمار نے ایک انسانی جان ختم کر ڈالی یہ کوئی بات ہی نہ تھی ذائریہ دل پر بوجھ دھرے اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گئی کچھ ہی دیر بعد ثمینہ بھی خاموش سی آ کر بیٹھ گئی۔

''مما کس قدر ظالم اور بے حس لوگ ہیں کسی کے گھر آج صف ماتم بچھا ہے انہی کی وجہ سے اور انہیں شادی کی خوشیاں سوجھ رہی ہیں ناقابل یقین پلیز مما بابا سے کسی طرح رابطہ کرنے کی کوشش کریں یہاں قریبی جو بازار ہے وہاں پی سی او ہو گا وہاں سے بابا کو فون کر کے بلوا لیں میں اب مزید اس ماحول میں نہیں رہ سکتی۔'' ذائریہ نے اٹھتے ہوئے ثمینہ سے کہا۔

''ہوں سوچ تو میں بھی ایسا رہی ہوں لیکن یہ سب اتنا آسان بھی تو نہیں، خیر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا کہہ دوں گی اتنے دنوں سے بات نہیں

فون پر بات کر کے تسلی ہو جائے گی لیکن ہی تو اپنی دور پریشان کرنا مناسب نہیں اور لنگ یوں درمیاں میں چھوڑ کر آنا بھی تو ان لے ممکن نہیں بس کچھ دن ہیں صبر حوصلے کے گزار لیتے ہیں بس زیادہ تر اپنے کمرے میں ہ گزارے گے اللہ کریں خیریت سے وہ آ ں تو ہم اسی دن یہاں سے روانہ ہو جائیں ثمینہ بیگم نے کچھ سوچتے ہوئے ذائریہ کی ائید کرتے اور پھر اپنے خیال کی تردید ے ہوئے کہا وہ بھی یہاں کے ماحول سے راضی تھیں شاہنواز تو کہیں سے بھی اس ان کا فرند لگتے تھے پڑھے لکھے سلجھے نرم خو ہاجی پسند شاہنواز نہ جانے کس پر چلے گئے آخر وہ اس ماحول میں پلے بڑھے تھے اور ز رہ کر بھی کنول کی طرح اجلے اور صاف ل تھے ثمینہ نے جھکے سر کے ساتھ سوچا بھی ان کے کمرے میں داخل ہوئی اور جلدی اس نے دروازہ بند کر لیا اس کے انداز میں نہایاں تھی وہ جلدی سے ثمینہ کے قریب آن اور اس کے منہ سے ادا ہونے والے پہلے نے ہی ذائریہ کے وجود کو گویا پرخچوں کی مانند ر کر دیا۔

''چچی آج شام ذائریہ اور احسن کا نکاح کیا والا ہے۔'' ذائریہ نے اپنی منہ سے برآمد والی چیخ کو دونوں ہاتھ جبڑے سے منہ پر رکھ کر ا قاصد سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی ں میں اور دل کی دھڑکن جیسے تھم گئی تھی اسے اعت پر شہ گزرا تھا اور خیال گزرا کہ مریم کے ساتھ کوئی بے ہودہ مذاق کر رہی ہے یہی ثمینہ بیگم کی بھی تھی۔

''نہیں میں کوئی مذاق یا جھوٹ نہیں بول میرے پاس وقت زیادہ نہیں اللہ کی قسم آج شام وہ لوگ بارات لے جانے سے پہلے ذائریہ اور احسن کا نکاح کر دیں گے آپ لوگوں کو یہاں لانے کا اصل مقصد یہی تھا یہ منصوبہ تو بہت پہلے تیار کیا جا چکا تھا اب پتا بھی ساتھ نہیں منصوبے پر عمل کرنا اور آسان ہو گیا ہے وہ زبردستی ذائریہ سے نکاح کروا کر رہیں گے اور نہ کرنے کی صورت میں جان نہیں لے گے بلکہ ذائریہ کو کہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑے گے اسی دھمکی پر آپ انہیں ذائریہ کا ہاتھ تھما دیں گی جوان بیٹی کی عزت سے بڑھ کر تو کچھ نہیں ماں جب ذائریہ کسی اور کے لائق نہیں رہے گی تو پھر تو نکاح آپ کو احسن سے کرنا پڑے گا ویسے بھی وہ اس کی نوبت نہیں آنے دیں گے آپ کزن ہیں بیٹی سے نکاح نامے پر دستخط کروا کون سا مشکل ہے میں سب کی نظر بچا کر ادھر آئی ہوں ابھی سب مطلوب والے معاملے میں الجھے ہوئے ہیں بہت بڑی نادانی کی ہے آپ لوگوں نے ادھر آ کر بہت بڑی نادانی۔'' مریم سرخوشی کی صورت میں اتنا بڑا اندوہناک انکشاف کر کے باہر کسی کی آہٹ محسوس کر کے فوراً کمرے سے نکل گئی تھی اور وہ ماں بیٹی خوف اور صدمے کی حالت میں اپنی جگہ پر بیٹھی رہ گئی تھیں وہ بہت بری طرح ان کے شکنجے میں جکڑی جا چکی تھیں اور جائے پناہ کی کوئی صورت نہیں تھی فرار ہونا ناممکن تھا ذائریہ کو اپنے حواس ساتھ چھوڑتے ہوئے محسوس ہوئے جب کچھ ہی دیر بعد تایا جی اور احسن ایک ساتھ ان کے کمرے میں داخل ہوئے۔

(باقی آئندہ ماہ)



دوسری قسط

احساسِ وفا

قراۃ العین رائے

ذائریہ کا جیسے سانس سینے میں اٹک سا گیا تھا تایا جی اور احسن کو ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ ابھی تک مریم کے سنگ دل انکشاف کو سن کہ پوری طرح سے خود کو سنبھال نہ پائی تھی کہ اوپر سے ان دونوں کی آمد گویا اس کے اعصاب پر بم کی طرح گری تھی ثمینہ بیگم بھی اس صورت حال سے اندر ہی اندر پریشان ہو اٹھی تھیں۔

''کیسی ہو بھرجائی؟ بھئی ذائریہ بیٹا معذرت شادی کے معاملات میں الجھ کہ میں آپ دونوں کو زیادہ وقت نہیں دے پایا سوچا پانچ منٹ میں تم لوگوں سے ملتا ہوا جاؤں۔'' تایا عالم نے سامنے رکھی کرسیوں پر بیٹھتے ہوئے نہایت نرم خو لہجے میں بات کا آغاز کیا احسن بھی مونچھوں کو بل دیتے ہوئے ساتھ والی کرسی پر براجمان ہو گیا۔

''ٹھیک ہے بھائی جی!'' ثمینہ بیگم کی جانب سے مختصر جواب موصول ہوا جو انہوں نے اصل میں بروقت خود کو نارمل ظاہر کرتے ہوئے ادا کیا ورنہ تو اندر سے وہ اچھی خاصی پریشان ہوئی بیٹھی تھیں۔

''ہوں، وہ اصل میں بھرجائی جی شام کو حسین کی بارات جانی ہے لیکن اس سے پہلے ایک نکاح کی تقریب اور ہو گی آپ لوگ بھی اپنی تیاری رکھیے گا۔''

''کس کا نکاح؟'' ذائریہ کے منہ سے بے ساختہ سوال برآمد ہوا وہ ماں بیٹی اس نئی صورت حال سے مزید پریشان ہو اٹھی تھیں۔

مکمل ناول



''یہ تو شام کو ہی پتہ چلے گا بھئی آپ شہریوں کو وہ سرپرائز لینے دینے کی عادت ہوتی ہے ناں تو یہ سرپرائز ہے آپ کے لئے۔'' احسن نے ذائریہ پر نظریں مرکوز کرتے ہوئے مسکراتے لبوں کے ساتھ جواب دیا اور ذائریہ کے دل میں نفرت کی شدید لہر اٹھی احسن کے لئے اپنے تاثرات اور انداز چھپانے کے لئے وہ سر جھکا کر چپ بیٹھی رہ گئی۔

''بھائی جی ہمیں ذرا بازار تک جانا تا ذائریہ آج کے دن پہننے والے جوڑے گھر ہی بھول آئی ہے اسی لئے منہ بسورے بیٹھی ہے کہ وہ بارات میں کیا پہنے گی۔'' ثمینہ نے جلدی سے کہا۔

''بازار اس وقت بھر جائی شہر تو بڑا دور ہے جاتے جاتے کافی ٹائم ہو جائے گا اور پھر.....''

''نہیں نہیں احسن نے بتایا تھا کہ اس گاؤں کے قریب ہی ایک قصبہ ہے جہاں پر چھوٹا سا ایک بازار بھی ہے ہم وہاں سے جلدی سے شاپنگ کر کے آجائیں گے اتنی دور سے میری بیٹی اس شادی میں شامل ہونے کے لئے آئی اور پہلی بار وہ گاؤں کی شادی اٹینڈ کر رہی ہے بہت ارمان ہے اس کے اور شادی کے موقع پر پہننے کے لئے نئے کپڑوں کا ہونا بہت ضروری ہے ورنہ یہ ضد کی بڑی پکی ہے مجھے کہہ رہی تھی کہ نئے کپڑوں کے بغیر وہ بارات کے ساتھ نہیں جائے گی اصل میں اس نے آج ہی بیگ کھول کر آج کے دن پہننے والے کپڑے نکالنے چاہے تو پتہ چلا کہ جلدی میں پیکنگ کرتے ہوئے وہی بھول آئی اور اب ضد کر رہی ہے کہ یہاں سے ہی بازار سے نیا جوڑا خرید لائے۔'' ثمینہ نے جلدی جلدی بات کرتے ہوئے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے چاچی آپ لے جائیں ذائریہ کو یہاں کے قریب بازار شہر جیسی اچھی اور مہنگی دو کانیں تو نہیں پر کام چل جائے گا دلہنوں وغیرہ کے جوڑے تو یہاں پر بھی ملتے ہیں ویسا کوئی دیکھ لیجئے گا بارات میں پہننے کے قابل کوئی جوڑا مل ہی جائے گا اور یہ پیسے ہزار میری طرف سے تمہاری شاپنگ کے لئے۔'' ملک عالم کوشش و پنج میں مبتلا دیکھ کر احسن نے جلدی سے ہامی بھری اور جیب سے پیسے ہزار نکال کر ذائریہ کی جانب پرشوق نظروں سے دیکھتے ہوئے بڑھائے۔

''ارے نہیں بیٹا اس کی ضرورت نہیں۔'' ثمینہ نے جلدی سے منع کیا۔

''تھینک یو احسن بھائی پیسے ہے میرے پاس یہ اپنے پاس ہی رکھیے۔'' ذائریہ نے روکھے لہجے میں پیسے احسن کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''رکھ لو بیٹا! لیکن آپ لوگ اس وقت جائیں گے کیسے کبھی بارات کی تیاریوں میں مصروف ہے نئی جگہ انجان بازار خریداری کیسے ہو گی؟'' ملک عالم نے پیسے دوبارہ ذائرہ کے پاس رکھتے ہوئے کہا، وہ ان کے بازار جانے کے مطالبے پر قدرے خائف نظر آتے تھے۔

''گاڑی اور ڈرائیور موجود ہے ابو جی ساتھ میں مریم یا ماں جی چلی جاتیں ہیں وہ یہاں سے خریداری کرتی رہتی ہیں انہیں تجربہ ہے یہاں کا۔'' احسن نے گویا چٹکیوں میں مسئلہ حل کیا۔

''ارے نہیں بیٹا مریم اور تمہاری ماں بھی کافی مصروف ہیں شادی کے کاموں میں اتنے مہمان اکٹھے ہو چکے ہیں انہیں کون سنبھالے گا ابھی تو کافی لوگ آرہے ہیں پھر گاؤں کی عورتیں کسی کے استقبال یا خاطر داری میں کمی رہ گئی خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنا ڈالے گیں ہم رکھی ساتھ لے جاتی ہیں ملازمائیں تو آج کافی

اس لئے رکھی کے نہ ہونے سے فرق نہیں پڑے گا اور بس ہم نے گھنٹے تک واپس آجانا ہے کون سی دوکانیں گھومنی ہیں ایک ہی دوکان پر جائیں گے اچھا سا شادی پر پہننے والا جوڑا دیکھیں گے اور خرید کر واپس آجائیں گے بس ہم ابھی گئے اور ابھی آئے۔'' ثمینہ نے جلدی سے تجویز پیش کرتے ہوئے کہا ذائریہ ماں کی باتوں پر دل میں حیران بس خاموش سی صورت حال دیکھے جا رہی تھی اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ آخر اس کی مما کرنا کیا چاہ رہی ہیں۔

''ہوں، چلے ٹھیک ہے میں ڈرائیور بھجواتا ہوں آپ رکھی کو ساتھ لے لیں ویسے مریم یا امی سے دوکان وغیرہ کا پوچھ لیجئے گا رکھی اس دوکان تک رہنمائی کر دے گی وقت بچ جائے گا کیوں ابو جی۔'' احسن نے کچھ پل سوچ کر ہامی بھری اور ساتھ ہی باپ کی تائید چاہی۔

''ہاں، چلو ٹھیک ہے۔'' ملک عالم نے بھی ہامی بھری اور اتنا کہہ کر باہر کی جانب بڑھ گئے۔

''کیا ضرورت تھی انہیں بازار بھجوانے کی اس وقت اور تم ذرا مولوی صاحب کی طرف بھی چکر لگا لو ساری بات سمجھا کر لانا عین وقت پر گڑبڑ نہ ہو۔'' ملک عالم نے باہر نکلتے ہوئے احسن سے کہا۔

''فکر نہ کرئے ابو جی میں ادھر ہی جا رہا ہوں اور میں وقت سے پہلے کوئی بدمزگی نہیں چاہتا خوش ہو لینے دے ان کو بازار جا کر۔'' احسن نے لاپرواہی سے جواب دیا اصل میں وہ دل میں ذائریہ کے ملکوتی حسن کو دلہن کے روپ میں سجا بنا دیکھنے کا تہیہ کر چکا تھا وہ جانتا تھا کہ نکاح کا سن کر ماں بیٹی ہنگامہ کر دیں گی مگر ہونا تو وہی تھا جو وہ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا اور ماں بیٹی چوں چرا کیے بغیر نکاح پر راضی ہو جائیں گی اس کا انتظام

ملک عالم نے خوب کر رکھا تھا آج کی رات احسن کے لئے خوابوں سی سجی بھرپور اور خوبصورت رات بننے جا رہی تھی ذائریہ جیسی معصوم اور حسین لڑکی اس کی خلوت سجانے جا رہی تھی یہ احساس اس کے عیاش من میں چٹکیاں بھر رہا تھا۔

''دیکھ تو ذائریہ بی بی میں تیرے ساتھ کیا کرتا ہوں یہ جو اتنے دنوں سے تو مجھے نظر انداز کر رہی ہے ان سب باتوں کا بدلہ لوں گا بس ایک بار نکاح ہو جانے دے کیا خوب ہے اپنی شادی کا جوڑا تو خود اپنے ہاتھوں سے خریدنے جا رہی ہے اور تجھے اس کا علم بھی نہیں تیری شادی کے جوڑے کو تیرے ارمانوں کا کفن بناؤں گا آج کی رات..... آج کی رات میری جان۔'' احسن نے اپنی مکروہ سوچوں پر ایک مکروہ قہقہہ لگایا اور بیرونی گیٹ کی جانب بڑھتا چلا گیا۔

☆☆☆

کمرے میں ہر سو اندھیرا سا چھایا ہوا تھا عجیب گھٹن زدہ ماحول تھا وہ گھبرا کر نیند سے جاگی تھی اف کس قدر ڈراونی رات تھی اس نے گھپ اندھیرے میں آنکھیں کھول کھول کر نہ جانے کس روشنی کو تلاشنا چاہا اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس کا دم گھٹ رہا ہے جو کچھ اس کے ساتھ بیت چکا تھا اور جن حالات سے وہ گزر چکی تھی اور اب جن حالات سے وہ دوچار تھی یہ سب اس کے اعصاب کے لئے اس وقت سمجھنے اور مقابلہ کرنے کے لئے بہت زیادہ تھا ایک پل کو اس کا جی چاہا کہ وہ چیخ چیخ کر کسی کو مدد کے لئے پکارے اکٹھا کرے سب لوگوں کو لیکن کن لوگوں کو؟ کوئی بھی تو اس کا اس دنیا میں اپنا نہیں تھا کوئی بھی نہیں اس خیال کے آتے ہی ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، شاید تمام عمر اب یہی آنسو اس کے ساتھی تھے۔

''احسن..... ملک احسن میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی کبھی نہیں اس دنیا میں حساب نہیں لے سکتی تو روزِ محشر کیسے بچو گے تم اس عذاب سے جو انصاف کرنے والا تم پر اتارے گا آخر کیسے؟'' بستر کی چادر کو مٹھیوں میں مسلتے ہوئے ذائریہ نے بلکتے اور بڑبڑاتے ہوئے کہا وہ اس وقت شدید ڈپریشن کا شکار تھی۔

''کاش وہ ملک احسن کی بوٹی بوٹی نوچ سکتی کاش..... مگر..... ایک چیونٹی ظالم درندے کا شکار کیسے کر سکتی تھی..... اوہ خدایا تو نے مجھے اتنا کمزور کیوں بنایا آخر کیوں..... مما، بابا..... آئی مس یو..... آئی مس یو۔'' سر گھٹنوں میں دے کر وہ آخری الفاظ کی گردان کرتی پھر سے بلکنے لگی تھی پھر سے بکھرنے لگی تھی اور اسے سمیٹنے والا کوئی نہیں تھا اسے پیار سے بانہوں میں بھرنے والی ہستیاں اس سے بہت دور کی جا چکی تھیں بہت دور.....

☆☆☆

''ڈاکٹر صاحبہ کیا بات ہے جی آج طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگتی آنکھیں بھی سرخ سرخ سی ہو رہی ہیں کیا رات کو سوئی نہیں۔'' کرسی پر خاموش اور کھوئی کھوئی سی ذائریہ کو کتنی دیر سے یونہی بیٹھے دیکھ کر آخر کار پیتو سے رہا نہ گیا اور میز پر صفائی والا کپڑا مارتے ہوئے اس نے ہمدردانہ لہجے میں استفسار کیا۔

''ہوں..... ہاں! نہیں بس ایسے ہی۔'' ذائریہ نے بوجھل لہجے کے ساتھ پیتو کو جیسے ٹالا اس وقت اس کا کسی سے بات کرنے اور سننے کو دل نہیں چاہ رہا تھا رات ایک بار پھر وہ ماضی کی جن تلخ یادوں کے پرخار راستوں سے ہو کر حال میں پلٹی تھی اس کے اثرات ابھی تک اس کے ذہن پر چھائے ہوئے تھے۔

''ڈاکٹر صاحبہ جی وڈے چوہدری، چوہدری رب نواز ملنے آئے ہیں جی آپ سے۔'' فضلو نے پرجوش انداز میں اندر آ کر ذائریہ کو مطلع کیا۔

''کیوں؟ مجھ سے کیوں؟'' ذائریہ نے اسی اکتائے اور بیزار لہجے میں پوچھا۔

وہ اس وقت گاؤں کے لوگوں کے خلاف ایک بار پھر اپنے دل میں شدید نفرت محسوس کر رہی تھی لیکن چھپانے پر مجبور تھی اور یہی بے بسی اسے چڑچڑا بنائے دے رہی تھی ذائریہ کے یوں تیکھے چتون کے ساتھ پوچھے گئے سوال پر فضلو اور پیتو بس ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

''وہ اس لئے بیٹا جی کہ پہلے آپ کا شکریہ ادا کر سکوں اور پھر معذرت بھی۔'' ایک دراز قد، پروقار شخصیت کے حامل شخص نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا یقیناً وہ چوہدری رب نواز تھا ذائریہ بے ساختہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور بدتمیزی سے کیے گئے سوال پر دل میں جز بز بھی ہوئی۔

''خیر یہ لوگ اسی قابل ہیں تھوڑا سا اخلاق سے کیا پیش آؤ فوراً گردن پر ناخن دھر دیتے ہیں اجڈ گنوار۔'' ذائریہ نے دل میں غصے اور بدگمانی سے سوچا اور خود کو اپنے رویے پر درست ثابت کرنے کی کوشش کی مگر دوسرے ہی پل اسے لگا جیسے آج پہلی بار وہ کسی سائبان کے نیچے آ گئی ہے اتنے روز سے کڑکتی دھوپ جو وہ ننگے آ کھڑی تھی اچانک ایک پل کے لئے کوئی شفیق سا ابر اس کے دھوپ کے سامنے آ گیا اور یہ سب اس نے چوہدری کا اپنے سر پر بڑوں کی طرح شفقت سے ہاتھ دھرنے سے محسوس کیا اس کے بعد وہ میز کی دوسری جانب کرسی پر جا بیٹھے۔

''فضلو، پیتو کوئی چائے پانی کا انتظام کرو۔'' سب سے پہلے مودب کھڑے فضلو اور پیتو کو انہوں نے یوں مخاطب کرتے ہوئے کہا جیسے

ذائریہ اپنے میڈیکل سینٹر میں نہیں بلکہ چوہدری رب نواز کے مہمان خانے میں بیٹھ ہوئی ذائریہ کو فضلو اور پیتو کا یوں کمرے سے نکالے جانا اچھا نہ لگا اور وہ ایک بار پھر سامنے بیٹھی شخصیت کو بدگمانی کی نظر سے دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔

فضلو اور پیتو چوہدری کا اشارہ سمجھ کر فوراً ہدایات میں سر ہلاتے ہوئے خاموشی سے کمرے سے نکل گئے اب کمرے میں دو نفوس ذائریہ اور چوہدری رب نواز موجود تھے۔

چوہدری کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے جو ذائریہ سمجھنے سے قاصر تھی اور وہ خاموش اس کو گھور رہے تھے جیسے اس شش و پنج میں مبتلا ہو کہ بات کا آغاز کیسے کریں ذائریہ کو اس دوران سیکنڈ میں ان کی ظاہری شخصیت کا پوری طرح جائزہ لینے کا موقع مل گیا۔

وہ ایک گریس فل، نرم خو تاثر لئے شخصیت کے حامل تھے ان کا لباس بے حد سادہ اور دیہاتی علاقوں کی نمائندگی کر رہا تھا آف وائٹ کرتے کے نیچے انہوں نے نفیس رنگ کی تہمد باندھ رکھی تھی بال نفاست سے سلجھائے گئے تھے سرمئی سی مونچھیں اور سرمئی رنگ کے بال ان کی شخصیت کو وقار بخش رہے تھے صحت دیکھنے میں قابل رشک لگ رہی تھی سرخ و سفید رنگت جو کہ لوگوں کا خاصا ہوتی ہے چمک رہی تھی بڑی سی یقیناً چوہدری سکندر اپنے باپ کی جوانی کی پرتو تھا ویسا ہی دراز قد، چوڑے ویسے ہی نین نقش۔

''اوہ مجھے اس بدتمیز، اکھڑ چوہدری کا خیال آ گیا۔'' ذائریہ نے اپنے آخری خیال پر جھٹکتے ہوئے سر کو خفیف سا جھٹکا۔

''نہیں جی سمجھ نہیں آ رہا کہ بات کا آغاز کس سے کروں تعزیت کرنا میرے لئے ہمیشہ ہی بڑا مشکل رہا ہے اور پھر کسی اپنے پیارے کی تعزیت ایسی ہستی سے جو اس کا بھی بہت پیارا ہو بہت دشوار ہو جاتا ہے مجھے ملک شہروز اور بیگم کی موت کا افسوس نہیں صدمہ ہے جگری تھا وہ میرا؟'' چوہدری نے بالآخر بات کا آغاز کیا اور چوہدری کے منہ سے نکلنے والے جملوں نے ذائریہ کو گویا زلزلوں کی زد میں لا کھڑا کیا ایسا شخص جس سے وہ پہلی بار مل رہی تھی اس کے والدین کا ذکر اتنی اپنائیت سے نا صرف کر رہا تھا بلکہ اس دکھ اور صدمے کے تاثرات اس کے چہرے پر بھی رقم تھے جو کسی خاص اپنے کی موت کا ذکر کرتے ہوئے ہوتے ہیں۔

''آں..... آپ..... آپ بابا کو جانتے ہیں..... کیسے..... کیسے جانتے ہیں۔'' ذائریہ کے منہ سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے اس نئی صورت حال پر اس کا دماغ ماؤف سا ہو کر رہ گیا تھا۔

''اوہ معاف کرنا بیٹا مجھے آپ سے یوں ایک دم سیدھی بات نہیں کر دینی چاہیے تھی جبکہ آپ اس بات سے بالکل انجان ہیں دراصل مجھے خود بھی سمجھ نہیں آئی کہ میں کس طرح سے بات شروع کروں آپ یہ پانی پیو تھوڑا ریلیکس ہو پھر میں شروع سے آپ کو بتاتا ہوں۔'' چوہدری رب نواز نے پانی کا بھرا گلاس جو میز کی ایک سائیڈ پر ذائریہ کے قریب ڈھکا پڑا تھا کی جانب اشارہ کرتے ہوئے جلدی سے کہا ذائریہ جو اضطرابی حالت کے ساتھ اپنے امڈ آنے والے آنسوؤں کو لب کاٹتے ہوئے چھلکنے سے روکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی جلدی سے گلاس کی جانب متوجہ ہوئی۔

''ملک شہروز اور میں ایک ہی کالج سے پڑھے ہیں ہم دونوں کی دوستی کالج میں ہوئی، یونیورسٹی تک ہم دونوں یار اکٹھے رہے ایک ہی

ہوسٹل میں اور ایک ہی کمرے میں اس کی زندگی کا کوئی باب مجھ سے پوشیدہ نہیں اور نہ میری زندگی کا اس سے اور میں اور وہ اپنی پریکٹیکل لائف میں مصروف ہو گیا اور میں یہاں گاؤں آ کر یہاں کے کاموں میں الجھ گیا، لیکن ہماری دوستی قائم رہی پہلے خط و کتابت کا سلسلہ پھر ٹیلی فونک رابطہ اور جب بھی ضروری کام سے اس کے شہر جانا نصیب ہوا میں اسے اس کے آفس ضرور مل کر آتا تھا چاہے چند لمحوں کے لئے ہی سہی دوریاں دوستی کی شدت میں کمی ضرور کر دیتی ہیں لیکن دوستی کو ختم نہیں کرتیں بس فاصلے دلوں میں نہیں ہونے چاہیے سوئے قسمت بچپن میں آپ سے ایک دو بار میں ملا لیکن بعد کے بے حد مصروفیت کے بعد میری آپ سے باقاعدہ ملاقات نہ رہی بیٹا جی لیکن شہروز کے توسط اتنی آگاہی رہی کہ آپ میڈیکل پڑھ رہی ہیں لیکن اپنے گھر میں شاید آپ نے میرا ذکر سنا ہو شہروز ہمیشہ مجھے پیار سے ''چٹا'' کے نام سے پکارا کرتا تھا جو اس نے اول روز میری سرخ و سفید رنگت دیکھ کر میرا نام رکھا تھا۔'' چوہدری نواز نے توقف کیا۔

''چٹا! جی جی بابا مما سے کہا کرتے تھے کہ آج چٹا آفس آیا تھا یا فون آیا تھا اور میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا تھا کہ چٹا ان کے بہت خاص دوست ہیں۔'' ذائریہ کے دماغ میں جھماکا ہوا اور اسے یاد آ گیا اور اس کے ساتھ ہی اسے اپنے آنسوؤں پر اختیار نہ رہا حلق میں آنسوؤں میں گولہ سا پھنس گیا اور آنسو بے آواز اس کے گالوں پر لڑھک گئے۔

کا
''نہ بیٹا جی، رونا نہیں میرے یار کی روح کو تکلیف
کو بڑی تکلیف ہوگی اور اس
لئے باعث اذیت ہے۔'' چوہدری رب نواز نے

چاہا لیکن چوہدری رب نواز کی بات سن کر سے روکا آنسوؤں کا سیلاب ہر قسم کا بند توڑ کر نکلا اور ذائریہ کی ہچکیاں بندھ گئیں آج اس عرصے بعد زندگی کی اس تنہا کڑکتی دھوپ میں اسے اپنے بابا کی پہچان کا حوالہ لئے ملا تھا جیسے ودق جھلستے صحرا میں تنہا شجر دور سے آبلہ پا مسافر کے پیروں میں تیزی بھر دیتا ہے اور وہ اپنی تھکی توانائی کو کھینچ کھانچ کر اس شجر تک پہنچنے کی لگا کر چل پڑتا ہے بالکل ایسے ہی ذائریہ سامنے بیٹھی پروقار شخصیت کے سامنے رونے پر مجبور ہو گئی تھی اسے ایک خاص قسم کی انسیت کا احساس ہوا تھا رب نواز سے مل کر اور اس وقت وہ بالکل بھول چکی تھی کہ مقابل بیٹھی شخصیت کا تعلق گاؤں سے ہے۔

''بس..... بس میرا بچہ..... بس میرا بیٹا بس اب چپ کر جاؤ مجھے روز محشر اپنے یار سامنے سرخرو اٹھانے کے قابل رہنے دو ورنہ آج ملاقات پر تمہارے آنسوؤں کا حساب تمہارا کبھی نہیں دے سکے گا..... بس میرا بچہ..... اور آنسو نہیں۔'' چوہدری رب نواز نے ذائریہ کو رونے دیا اور جب اس کے دل کا ہلکا ہو گیا تو اٹھ کر اس کے سر پر دست شفقت رکھتے ہوئے اسے چپ کرانے لگا کچھ دیر ذائریہ کی ہچکیاں دم توڑنے لگیں اور اس نے پر قابو پانے کی کوشش شروع کر دی۔

''آئی ایم سوری سر..... بس ایسے ہی اتنے عرصے بعد بابا کا ذکر سنا تو۔'' ذائریہ نے پیپر سے چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

''نہ بیٹا جی، نہ..... نہیں سر نہیں چاچا بھتیجے
چاچا ہوں چلو انکل کہہ لو لیکن سر جیسا
نہیں بولنا۔'' چوہدری رب نواز نے فی الفور

''شاباش میرا پتر، تو بڑی بہادر دھی ہے
ری، میں تیرے سبھی حالات سے واقف ہوں
ٹر ابراہیم نے بتایا ہے مجھے۔''

''ڈاکٹر ابراہیم صاحب نے؟'' ذائریہ
ی۔

''ہوں دوست ہے وہ میرا بھی شہروز،
اہیم اور میں بڑے اچھے دوست ہیں شہروز کی
ت کی اطلاع بھی ڈاکٹر ابراہیم نے مجھے دی
ی تب میں دوبئی تھا، بڑا رویا تھا میں وہاں اپنی
یبی کو کہ اپنے یار کو کندھا بھی نہیں دے سکا،
میں اس نے مجھے تمہارے حالات سے بھی
گاہ کیا تھا اور میں نے ہی اسے مشورہ دیا تھا کہ
یں یہاں اس گاؤں میں پوسٹ کروا دے یہ
انہ ان لوگوں کی سوچ میں بھی نہیں آئے گا اور
رے ہوتے ہوئے وہ تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر
ے گئے مجھے کچھ حالات کی وجہ سے دوبئی ہی
پڑا اور نہ میں خود تمہارا استقبال کرنے کے
یہاں موجود ہوتا، سکندر پتر کو میں نے اطلاع
دی تھی اور پھر اس نے ہی فضلو کی ڈیوٹی یہاں
ی کر دی تھی بس اسی بات کی معذرت کرنی تھی
نہیں چند روز یہاں سہولتوں کے بغیر رہنا پڑا
تم جلدی سے سامان پیک کرو اور میرے
حویلی چلو تمہاری چاچی کب سے تمہاری
ہیں۔'' رب نواز نے تفصیل سے آگاہ کیا۔

''نہیں انکل میں یہیں پر ٹھیک ہوں، پلیز
میری آپ سے درخواست ہے مجھے مجبور
کیجئے گا میں وہاں اپنا ہی گھر سمجھ کر رہوں گی
آپ لوگوں کی محبت مجھے وہاں کبھی اجنبی پن
نہیں ہونے دے گی لیکن انکل میں نے
مشکل سے خود کو مخالف حالات کے مخالف
ے میں تیرنا شروع کیا ہے زندگی کی ان تلخ
حقیقتوں کا سامنا کرنا شروع کیا ہے اس وقت کسی بھی تنکے کا سہارا مجھے ڈبو دے گا پلیز انکل میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔'' چوہدری رب نواز کے چہرے پر ذائریہ کے منع کرنے پر بات منوانے کے جو تاثرات ابھرے تھے ذائریہ نے جلدی سے بات بڑھاتے ہوئے انہیں زائل کر دیا۔

''آپ اسے میری درخواست سمجھ لے، خواہش سمجھ لے میں نے خود کو اس ماحول میں ایڈجسٹ کر لیا ہے گو یہاں پر وہ شہری سہولتیں موجود نہیں جن کی میں عادی ہوں لیکن مجھے اپنی زندگی کی جدوجہد کا آغاز یہیں سے کرنا اور آپ ہرگز نہیں چاہے گے کہ آپ کے دوست ملک شہروز کی بیٹی آغاز سے پہلے ہی ہار جائے آپ کے تعارف سے اور آپ کے گاؤں میں ہونے سے مجھے کافی تقویت ہو گئی ہے ڈھارس ہو گئی کہ میں اس اجنبی جگہ پہ تنہا نہیں ہوں اور میں اس ڈھارس کو ہی اپنا حوصلہ بنا کر آگے بڑھنا چاہتی ہوں جو حویلی میں مقیم ہو کر ممکن نہیں پلیز اب ہمارے بیچ اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہو گی میری آپ سے منت ہے۔''

چوہدری سکندر کا ذکر آتے ہی ذائریہ اپنے خول میں سمٹ گئی تھی اس کی موجودگی میں وہ حویلی میں جا کر رہنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی سانپ کا ڈسا رسی کو بھی سانپ سمجھتا ہے اس میں کوئی شک نہیں اس لئے ذائریہ نے نرم لفظوں کا انتخاب کرتے ہوئے حویلی میں سکونت اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

''ہوں! باپ کی طرح ضدی ہو اور اسی طرح سے مجھے اپنی باتوں سے خاموش کرا دیا ہے وہ بھی مجھے اپنی باتوں سے جیتنے نہیں دیتا تھا جیسے تمہاری مرضی گو میں دل سے تمہارے فیصلے سے

متفق نہیں لیکن میں تم پر دباؤ نہیں ڈالوں گا، فضلو میرا خاص آدمی ہے وہ یہیں پر رہے گا اور تمہیں کسی بھی چیز کی ضرورت ہو بلا جھجک مجھے کہنا ہے بس اسی شرط پر میں تمہاری ضد مانوں گا وعدہ کروں تم کسی تکلف سے کام نہیں لوگی اپنا حق سمجھ کر کہو گی ایک بیٹی کا حق۔'' رب نواز نے گویا ہار مانتے ہوئے کہا۔

''ضد نہیں انکل درخواست ہے اور میں وعدہ کرتی ہوں کہ مجھے کسی بھی چیز کی ضرورت ہو گی آپ سے کہوں گی تھینک یو انکل آپ نے میری بات مان کر میرا مان رکھا۔'' ذائریہ نے دھیمی سی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

''تھینک یو تو بیٹا جی ہمیں آپ کا ادا کرنا ہے اس روز سکندر کو بروقت طبی امداد دے کر آپ نے بڑا احسان کیا ہم پر آپ کی چچی بھی منتظر ہیں گھر پر وہ بھی ساتھ ہی آتیں شکریہ ادا کرنے کے لئے بھی اور ساتھ لے جانے کے لئے بھی مگر سکندر ماں کو دیکھ کر بالکل چھوٹا بچہ بن بیٹھا ہے ماں کو ایک پل کے لئے بھی خود سے دور ہونے نہیں دے رہا خوب ناز نخرے اٹھوا رہا ہے۔'' رب نواز نے بھی مسکراتے ہوئے کہا اب ماحول بارش کے بعد نکھرے آسمان کی طرح نکھرا اور شفاف ہونے لگا تھا۔

''آپ کب آئے دوبئی سے مجھے فضلو نے بتایا تھا کہ وڈے چوہدری یہاں موجود نہیں۔'' ذائریہ نے سکندر کے ذکر کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''کل شام کو بس آتے ہی اتھرے گھوڑے کو قابو کر رہا تھا اس لئے فوراً تمہاری طرف نہیں آ سکا بس اب تم جلدی کرو تمہاری چچی منتظر ہیں تمہاری۔'' ایک بار پھر چوہدری سکندر کا ذکر کر کے رب نواز نے ذائریہ کا موڈ خراب کیا جو اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا۔

''میں آؤں گی انکل جی اب تو یہیں ہوں آپ سے ملاقات رہے گی۔'' ذائریہ سکندر کی وجہ سے رب نواز کو ٹالنا چاہا وہ اس بدتمیز کا سامنا کرنے کو ہرگز تیار نہ تھی۔

''ارے نہیں بیٹا جی کیوں مجھے ہائی کمان کے ہاتھوں مروانا ہے تمہیں لینے آیا ہوں تمہاری چچی تمہاری آمد پر خاص اہتمام کیے بیٹھی ہے ملازموں کی شامت آئی ہوئی ہے شہری لڑکی ہے شہری کھانے اپنی نگرانی میں پکوا رہی ہے اب آپ میرے ساتھ چلو پھر واپس آ جانا اور سکندر کا بھی چیک اپ کر لینا کل سے ہل جل کانی بد احتیاطی کیے بیٹھا ہے بخار بھی ہے اور سے شام کو خون بھی رس رہا تھا۔'' رب نواز اٹھتے ہوئے ذائریہ کو جواب دیا اور ذائریہ کو کے خلوص کے آگے ہار مانتے ہوئے چارو ناچار اٹھنا پڑا وہ سکندر کے چیک اپ کے خیال سے بات ٹال رہی تھی اور وہی ہو کر رہی لیکن اب انکار کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھی۔

''اب اگر اس نے اپنی جاہلانہ سوچ سمیت بدتمیزی کی تو انکل آنٹی کے سامنے ہی کھری کھری سنا کر آؤں گی۔'' ذائریہ نے دل میں ٹھانی اور ہینڈ بیگ لے کر رب نواز کے پیچھے باہر کھڑی پراڈو کی جانب بڑھ گئی فضلو پیچھے اس کا میڈیکل باکس اٹھائے چلا آیا اور مؤدب انداز میں گاڑی میں رکھ کر ایک جانب کھڑا ہو گیا، رب نواز کے اشارے پر ڈرائیور نے گاڑی حویلی کے راستے کی جانب بڑھا دی یہ ذائریہ کا اس گاؤں کو پہلی بار دیکھنے کا اتفاق تھا اردگرد کے مناظر کو دیکھتے ہوئے وہ ایک بار پھر ماضی کے سفر پر نکل گئی اسی ہی ایک گاڑی میں وہ اپنی ماں کے ساتھ ڈرائیور اور رکھی نامی ملازمہ کے ساتھ محو سفر تھی اپنی جان

اور عزت بچانے کے لئے۔

☆☆☆

''مما یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں ایسی سچوئیشن میں بازار اور شاپنگ؟'' ذائریہ نے پھرتی سے ہینڈ بیگ میں ضروری چیزیں بھرتے ثمینہ بیگم کو ناسمجھی کے انداز میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''بس یہی ایک واحد موقع ہے ہمارے پاس یہاں سے رہائی حاصل کرنے کا ورنہ شام تک تو یہ لوگ اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جائے گے اور ہم کچھ بھی نہ کر سکے گے ہمیں ان درندہ نما انسانوں سے خود کو بچانا ہے اور بچاؤ کی یہی ایک صورت بس اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں کامیاب کرے بس تم اپنا ہینڈ بیگ لے لو اور بیگ ہم ساتھ نہیں لے سکتے انہیں شک ہو جائے گا اور باہر اپنے تاثرات نارمل رکھنا بس یہی شوکرنا کہ شاپنگ کرنے جا رہی ہیں مریم نے بڑی اچھی ترکیب بتائی ہے چلو اٹھو جلدی کرو ہمیں ان کے شک کرنے سے پہلے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔'' ثمینہ بیگم نے ذائریہ کے قریب آ کر بے حد آہستہ لہجے میں اپنے خیال سے آگاہ کیا۔

''جی ٹھیک ہے مگر مما وہ ملازمہ رکھی وغیرہ؟'' ذائریہ نے جلدی سے اٹھتے ہوئے پھر پوچھا۔

''افوہ چھوڑو ان باتوں کو بس یہاں سے نکل جائے سنبھال لوگی میں رکھی وکھی کو بھی جلدی کرو۔'' اب کی بار ثمینہ بیگم نے قدرے جھلائے لہجے میں جواب دیا۔

اور پھر واقعی اصل میں تو اس حویلی سے نکلنا ہی کام تھا جو قدرت نے ان کے لئے آسان کر دیا۔

دوکان پر رکھی کو ڈاج دینا ہرگز دشوار ثابت نہ ہوا ثمینہ بیگم نے کچھ کپڑے خرید کر شاپنگ بیگز رکھی کے حوالے کیے کہ وہ ڈھیر سارے بیگز گاڑی میں رکھ آئے اور پھر باقی کی شاپنگ آسانی سے کرانے میں مدد کرے، اتنی دیر وہ دوکان پر ہی بیٹھ کر اس کا انتظار کرتی ہیں ملازم کو تو مالک کی بات ماننی ہوتی ہے سو وہ سر ہلا کر سارے شاپنگ بیگز لے کر گاڑی کی جانب بڑھ گئی جو رش کی بناء پر قدرے فاصلے پر ڈرائیور لئے کھڑا تھا اور یہی سنہری موقع تھا ذائریہ اور ثمینہ بیگم کے پاس یہاں سے فرار حاصل کرنے کا اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔

کافی دیر تنگ و تاریک بازار کی ایک گلی میں خود کو چھپائے رکھنے کے بعد جیسے تیسے چھپتی چھپاتیں اور پوچھتی پچھاتیں وہ ماں بیٹی ایک وین اسٹینڈ پر پہنچی اور ایک ایسی وین پر سوار ہونے میں کامیاب ہو گئیں جو ان کے شہر کو جاتی تھی مگر احتیاط اور حکمت عملی کی بناء پر تھوڑے ہی سفر کے بعد ثمینہ بیگم ذائریہ کو لے نیچے اتر آئیں اور قریبی ٹیکسی اسٹینڈ پر سے ایک باریش ڈرائیور کی ٹیکسی کرائے پر لے کر شہر کی جانب روانہ ہو گئیں انہیں ڈر تھا جو کافی حد تک درست تھا کہ ان ماں بیٹی کی گمشدگی کا جان کر ملک عالم اور باقی کے لوگ یقیناً اس قصبے اور شہر کے بس اسٹینڈوں وغیرہ کا ہی رخ کریں گے اور انہیں کہیں موقع پر چھاپ نہ لیں سارے وقت ذائریہ کا حلق خشک رہا اور دل کی دھڑکن خوف سے بے ترتیب۔

لیکن خدا کا شکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بحفاظت ان کے گھر تک پہنچا دیا، ثمینہ بیگم نے گھر آتے ہی سب سے پہلے سیل فون سے ملک شہروز سے رابطہ کیا وہ اب کسی قسم کی غفلت کی متحمل نہیں ہو سکتی تھیں جنہیں اپنا سمجھ کر انہوں نے یقین کیا وہ آج محض جائیداد کی خاطر ان کی بیٹی کی زندگی تباہ کرنے چلے تھے، فون پر انہوں

نے شہروز کو تفصیل سے تمام صورت حال سے آگاہ کیا انہوں نے واضح طور پر ان کے سرد اور اجنبی رویوں کے بارے میں بتایا اور پھر مریم نے جو انکشاف کیا تھا اس سے بھی آگاہ کیا کہ کس طرح مریم نے اپنی جان پر کھیل کر انہیں اصل صورت حال سے باخبر کیا تھا بقول مریم کے کہ ذائریہ کے دادا جی نے وصیت میں پچیس ایکٹر یعنی پورا ایک مربع زمین ذائریہ کے نام کر ڈالی تھی اور یہ زمین خود بخود اس وقت ذائریہ کے نام منتقل ہو جانی تھی جب اس کی شادی ہو جاتی مگر انہوں نے وکیل کو اس وصیت کو پوشیدہ رکھنے کا بھی حکم دیا تھا وہ تو چار مہینے قبل جب وکیل صاحب کو ہارٹ اٹیک ہوا تو انہوں نے ملک عالم کو آکر وصیت کے بارے میں بتایا ساتھ ہی ملک شہروز کا پتہ معلوم کرنا چاہا چونکہ وکیل اور ملک عالم کی علیک سلیک تھی لہٰذا وکیل صاحب ان کی ظاہری شخصیت کی وجہ سے کسی قسم کا کوئی خطرہ محسوس نہ ہوا اور پھر ملک عالم کے والد نے بھی وصیت کے وقت کسی قسم کے اندیشوں کا اظہار نہیں کیا تھا بس وہ اس وصیت کو پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے بی بی جان کی وجہ سے کہ کہیں وہ اس وصیت کی عمل درآمد میں رخنہ نہ پیدا کر دے بی بی جان نہ رہی تو پھر کیسا خطرہ باقی سب کو ان کے حصے کے دو دو مربع مل چکے تھے ملک عالم کو جب وصیت کا علم ہوا تو ان کے شاطر اور چالباز ذہن نے فوراً ترکیب سوجھ لی اس وقت احسن کی شادی اور حسین کی منگنی اپنے ہی ہم پلہ خاندانوں میں کی جا چکی تھی اور ویسے بھی انہیں اندازہ تھا کہ ملک شہروز اپنی شہری اور ناز و نعم میں پلی پڑھی لکھی بیٹھی ان کے خاندان کے گنوار سوچ کے حامل کسی لڑکے کے ساتھ نہیں بیاہے گے وہ تو خود اس ماحول سے گھبرا کر شہر چلے گئے اپنی بیٹی کو یہاں پر کیسے بسانے کا سوچ سکتے ہیں اور ویسے بھی احسن کی یا حسین کی منگنی توڑنا اتنا آسان نہیں بیٹھے بیٹھائے اپنے ہم پلہ خاندانوں کے ساتھ دشمنی مول لینا تھا۔

لہٰذا بہت سوچ بچار کے بعد ان کے ذہن میں یہ شاطر ترکیب آئی کہ حسین کی شادی کا بہانہ بنا کر ملک شہروز کو ان کی فیملی سمیت گاؤں لایا جائے اور جس روز حسین کی شادی ہو بارات روانگی سے قبل ایک کمرے میں نہایت خفیہ طور پر احسن کا نکاح ذائریہ سے پڑھا دیا جائے اور پھر بعد میں ذائریہ جس کی شادی کے فوراً بعد جائیداد اس کے نام ہو جائے گی تمام زمین احسن کے نام کر دے طلاق کے بدلے میں اور یہ سب اسی وقت ہو جائے یہ تو ملک عالم نے ملک شہروز کے سامنے شرط رکھی بھی مگر قدرت نے اس کا کام بے حد آسان کر ڈالا اور گاؤں صرف ذائریہ اور اس کی مما شادی میں شریک ہونے آئیں اور ملک شہروز شہر سے دور ہی نہیں بلکہ ملک سے بھی دور چلا گیا اب کام اور آسان ہو گیا تھا ملک شہروز کو دھمکانے کی ضرورت نہ رہی تھی اور ان کمزور ماں بیٹی کو قابو کرنا کیا مشکل اگر ذائریہ کسی قیمت پہ نکاح پر راضی نہ ہوتی تو ملک عالم نے صاف کہہ دیا تھا میں ثمینہ بیگم کو دھمکانا تھا کہ اگر وہ اپنی بیٹی کی عزت بچانا چاہتی ہے تو ذائریہ کو سمجھائے کہ نکاح نامے پر دستخط کر دے اس مکروہ دھمکی کے بعد ذائریہ ہرگز چوں چرا نہیں کر سکتی تھی ذائریہ کی عزت خراب کرنا محض دھمکی نہ ہوتی وہ ایسا کر بھی گزرتے بس انہیں تو ہر حال میں احسن سے ذائریہ کا نکاح کروا کر جائیداد احسن کے نام منتقل کروانی تھی پھر بعد میں اسی وقت احسن ذائریہ کو طلاق دے دیتا اور اگلے روز ان ماں بیٹی کو آرام سے شہر روانہ کر دیا جاتا بعد میں شہروز جو مرضی

ہنگامہ کرتا اسے سنبھالنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا اس سارے منصوبے سے ملک عالم کا خاندان آگاہ تھا مریم کو بھی سن گن تھی اور اسے بھی سمجھا لیا گیا تھا کہ اس کے شوہر کو پوری پچیس ایکڑ زمین مل جائے گی وہ تو فوراً ہی ذائریہ کو طلاق دے دے گا وکیل اور مولوی کا انتظام کیا جا چکا تھا وکیل صاحب کو بھی ڈرانا دھمکانا کون سا مشکل تھا، مگر جب احسن کی نیت ذائریہ کے حسن کو دیکھ کر ڈانوڈول ہوئی اور اب احسن کا خیال تھا کہ وہ ذائریہ سے نا صرف نکاح کرے اس کی زمین اپنے نام منتقل کروائے گا بلکہ ذائریہ کو اپنی بیوی بھی بنا کر رکھے گا اس کا کچھ کچھ اندازہ مریم کو ہو گیا تھا آخر وہ اس کی بیوی تھی شوہر کی نظر اور چال کو خوب پہنچانتی تھی اپنے پر سوتن اسے کسی صورت قبول نہ تھی یہ تو وہ تائی اور ملک عالم کے بے حد اصرار اور سمجھانے بجھانے کے بعد اس بات پر راضی ہوئی تھی کہ نکاح کے کچھ ہی دیر بعد احسن ذائریہ کو طلاق دے دے گا مگر اب وہ بدلتی ہوا کے رخ کو خوب سمجھ رہی تھی ویسے بھی ذائریہ اور ثمینہ بیگم کو سب کچھ بتانے سے ایک روز قبل وہ احسن کی ملک عالم اور تائی کے ساتھ کچھ گفتگو سن چکی جو وہ خفیہ طور پر ملک عالم کے کمرے میں کر رہے تھے جس میں احسن نے ذائریہ کو اپنی بیوی بنانے چاہے چند روز کے لئے ہی سہی یا ایک رات کے لئے ہی سہی نہایت بے شرمی سے اعادہ کیا تھا اور اس کے والدین کو اس کی بات ماننے کی علاوہ کوئی چارہ بھی نہ تھا آخر پچیس ایکڑ زمین اس کے نام لگ جانی تھی اس کا فائدہ ملک عالم کو بھی تھا دولت کے لالچ نے ان کی آنکھیں باندھ دی تھیں اور وہ کسی بے خبر پر اتنا ظلم ڈھاتے ہوئے ذرا بھی شرمندہ نہ تھے ان سے کسی سفاک عمل کی تو امید کی جا سکتی تھی مگر رحم کی نہیں اب

مریم کے پاس ذائریہ اور ثمینہ بیگم کو خبردار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا ایک عورت اپنے شوہر کو بٹنے سے روکنے کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی جائیداد تو بہت بے معنی تھی سوتن سے بچنے کے لئے۔

مریم کے بروقت انکشاف نے ذائریہ کو ایک جہنم بھری زندگی سے نجات دلا دی تھی اور اس کا اس روز گاؤں کے سادہ دل لوگوں سے اعتبار اٹھ گیا تھا نفرت ہو گئی تھی اسے وہ جو خیال کرتی تھی کہ شہر کی نسبت گاؤں کے لوگ بے حد سادہ اور معصوم ہوتے ہیں اتنے شاطر اور خوفناک منصوبے سے بچنے کے بعد اس کے دل میں گاؤں والوں کے لئے ہمیشہ کے لئے نفرت اور بدگمانی بھر گئی تھی حالانکہ شیطان صفت اور مکروہ سوچ کا حامل فرد کسی بھی جگہ پر یکساں ہی ہوتا ہے چاہے وہ شہر میں رہنے والا ہو یا گاؤں میں مگر ذائریہ نے اپنے ذہن میں گاؤں کے لوگوں کے خلاف عناد بھر لیا تھا کسی حد تک وہ ایسا کرنے میں بجا بھی تھی۔

ملک شہروز بیوی کے منہ سے سیل فون پر ایسی باتیں سن کر بے حد پریشان ہو اٹھے تھے اور اسی وقت آفس جا کر اپنی ٹریننگ منسوخ کر کے انہوں نے واپس پاکستان جانے کی ٹکٹ کنفرم کروالی تھی وہاں کا باس ان کی قابلیت محنت اور تجربے سے متاثر تھا لہٰذا ان کی تمام بات سن کر انہوں نے ان کے ساتھ خاص رعایت کرنے پر راضی ہو گیا تھا اور ان کی ٹریننگ ضرور منسوخ کی تھی مگر اس طرح سے کہ ان کی جاب پر اثر انداز نہ ہو۔

شام کو جب شہروز اپنے گھر پہنچے ذائریہ باپ کے گلے لگ کر بے حد روئی خود ملک شہروز سوتیلے بھائی کے منصوبے اور سازش پر بے حد

خائف اور افسردہ بھی تھے وہ اگر کہتے تو بناء کسی ہچکچاہٹ کے وہ اس جائیداد کو ان کے نام کروا دیتے اپنی بیٹی سے بڑھ کر انہیں کچھ عزیز نہ تھا اور اس جائیداد کے چکر میں تو وہ کبھی بھی نہیں رہے تھے جب ابا جی نے عاق کیا انہیں جائیداد کی کوئی پرواہ نہ تھی ان کی غمگسار بیوی اور بیٹی ہی ان کیا قیمتی سرمایہ تھیں ابا جی نے بھی اپنی غلطی کا ازالہ خوب کیا کہ ملک شہروز کے ان کے ساتھ دوسری زمین ان کی بیٹی کے نام نا صرف کر دی بلکہ عجیب سی وصیت میں شرط بھی رکھ دی وہ شاید ذائریہ کی زندگی محفوظ رکھنا چاہتے تھے مگر بھول گئے کہ ان لالچی اور شاطر ذہن کے حامل بیٹے کے لئے اس شرط کا بھی توڑ موجود ہوگا ملک شہروز کو تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ملک عالم جو ہمیشہ ان کی سائیڈ لیتے رہے اندر سے اس طرح سے ان کے ساتھ دشمنی نبھائے گے مگر سچ ہے زر، زمین اور زن ہمیشہ سے جنگ اور فتنے کا باعث رہی ہیں اور رہے گیں اور ان کے لئے کوئی بھی اپنا پرایا بن سکتا ہے محض پچیس ایکڑ زمین رشتوں کے تقدس میں کیا اہمیت رکھتی مگر جو ہمیشہ سے ہر رشتے کو دولت کے ترازو میں تولنے کے عادی ہوں ان کے لئے سبھی کچھ دولت ہوتی ہے اور دولت کی حرص ہمیشہ اچھے برے کا احساس چھین لیتی ہے۔

اور پھر اگلے ہفتے ہی تمام معاملات طے پا گئے ملک عالم اپنے دونوں بیٹوں سمیت ان کے گھر میں موجود تھے اور بھرجائی کے یوں دھوکے دے کر شہر آنے پر برہم بھی تھے مگر جب ملک شہروز نے وہ آئینہ ان کے سامنے کیا جن میں نا صرف انہیں اپنا شاطر اور مکروہ چہرہ نظر آ رہا تھا بلکہ سب اس اصلی چہرے سے واقف ہو چکے تھے ایسے موقع پر بجائے وہ شرمندہ یا معافی کے طلب گار نظر آتے انہیں ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا اور صاف لفظوں میں دھمکی دے دی کہ اگر انہوں نے وہ قیمتی زرخیز زمین ان کے دونوں بیٹوں کے نام نہ کی تو وہ وہیں کر دئے گئے جو کرنے کا سوچ چکے ہیں اور اگر وہ ابھی ذائریہ کا نکاح احسن سے پڑھا کر جائیداد اس کے نام لگا دے اور پھر وہ اسے ابھی طلاق بھی دے دے گی تو ان کی جان چھوٹ سکتی ہے بھائی کی ڈھٹائی اور کمینگی پر ملک شہروز سکتے میں رہ گئے تھے۔

ملک شہروز نے اپنے حصے کی زمین اسی وقت ان کے بیٹوں کے نام کرنے کی حامی بھر لی مگر باپ کی عجیب وغریب وصیت نے انہیں عجیب مصیبت سے دوچار کر دیا تھا جب تک ذائریہ کی شادی نہیں ہوتی تب تک جائیداد منتقلی پر عمل درآمد ناممکن تھا وہ اپنی بیٹی کی زندگی برباد نہیں کر سکتے تھے پھر احسن کی عیار آنکھیں کسی اور ہی منصوبے کا پتہ دے رہی تھیں وہ ملک عالم کی شرط کو کسی صورت نہیں مان سکتے تھے انہوں نے دوسرے کمرے جا کر جہاں پر بے حد سہمی ذائریہ اور پریشان ثمینہ بیگم موجود تھیں جہاں انہوں نے اپنے وکیل اور اپنے بہت ہی اچھے دوست ایس ایچ او کو فون کیا اور تمام صورت حال سے آگاہ کر کے اسی وقت گھر پر بلا لیا ان دونوں کے آنے کے بعد کافی حد تک گفتگو کا رخ بدل گیا شیر جب تک اپنے علاقے کی حدود میں رہے شیر رہتا ہے لیکن جیسے ہی وہ اپنے علاقے کی حدود سے نکل جاتا ہے اس کے پاس آدھی طاقت رہ جاتی ہے جسے وہ خود کو بچانے کے لئے استعمال کر سکتا ہے شکار کرنے کے لئے نہیں یہی حالت اس وقت ملک عالم کی تھی صورت حال کی گمبھیرتا دیکھ کر انہیں اپنے ہٹ دھرم رویے کو بدلنا پڑا اور دباؤ کی وجہ سے وہ لوگ اس بات پر راضی ہو گئے کہ ملک شہروز اپنی جائیداد یعنی ان کے حصے کی پچیس ایکڑ

ملک عالم کے نام کر دے اور اس کے بعد دونوں بھائیوں کا آپس میں کسی قسم کا تعلق رہے گا ایس ایچ او نواز نے تو ملک شہروز کہا تھا کہ وہ اپنا قانونی اختیار استعمال کرتے ان تینوں کو گرفتار کر لیتا ہے ملک شہروز ان خلاف پرچہ کٹوا سکتا ہے مگر ملک شہروز جانتے یوں فوری حل سامنے آئے گا ملک عالم جلد ضمانت کروا کر قانون کی گرفت سے ہو جائے گے اور ان کے لئے زیادہ ات کھڑی کر دے گے لہٰذا وہ فوری طور پر ہمیشہ کے لئے اس مسئلے کا حل چاہتے تھے ر ملک عالم کو ملک شہروز کی یہ شرط قبول کرنا کہ وہ ذائریہ کے نام ہو جانے والے جائیداد ل جائے اور اسے اپنے نام منتقل کرنے کے قسم کی سازش سے دست بردار ہو جائے تو جائیداد ابھی اسی وقت ان کے نام کر دے ل نے ملک عالم سے حلفیہ بیان پر دستخط ر انہوں نے اس چیز کی ضمانت دے دی ں ان کی بیٹی کی شادی میں رکاوٹ نہیں ے اور آج کے بعد ان سے کسی قسم کا تعلق ں رکھے گے ملک عالم کے دونوں بیٹے بھی ے پیچ وتاب کھائے بیٹھے تھے اور باپ کے ف جانے پر کافی برہم تھے انہوں نے بولنا ملک عالم نے سختی سے ڈانٹتے ہوئے خاموش کروا دیا ملک شہروز کی جائیداد ات لے کر وہ تینوں وہاں سے ہمیشہ کے چلے گئے۔

ک شہروز نے سکھ کا سانس لیا اپنے سر سے ی بوجھ سرکتا محسوس کیا لیکن یہ ان کے ی ایک لالچی اور سفاک فطرت انسان خاطر کس حد تک جا سکتا ہے اس کا صلح جو امن اور انصاف پسند انسان کو

کبھی نہیں ہو سکتا محض تیسرے ہفتے ہی جب ملک شہروز اپنی بیوی کے ساتھ کسی قریبی جاننے والے کی وفات پر ان کے لواحقین سے اظہار تعزیت کر کے واپس آ رہے تھے تو ایک ٹرک ان کی گاڑی کو بری طرح سے کچلتا ہوا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ماں باپ کی منتظر گھر پر موجود ذائریہ کے انتظار کو تا عمر انتظار بنا گیا تھا اپنی گاڑی پر جانے والی وہ دو جانیں جب ایمبولینس میں کفن میں لپٹی لاشیں بن کر آئیں تو ذائریہ صدمے، بے یقینی اور خوف سے کئی گھنٹے اپنے ہوش وحواس سے بیگانہ ہو گئی تھی ماں باپ کب قبر میں اتارے گئے کس نے اتارے، ان باتوں کا اسے قطعی ہوش نہ رہا تھا ہوش تو اسے اگلے روز ان سفاک لوگوں کو اپنے اردگرد چلتے پھرتے دیکھ کر آیا، تائی کے بین تایا عالم کے نہ تھمنے والے آنسو احسن، حسین اور باقی سب کے غم زدہ صورتیں سب ایک ڈرامہ تھیں اس کا ادراک صرف اور صرف ذائریہ کو تھا وہ کیسے ان کے معصوم ہونے کا یقین کرتی جبکہ اس حادثے اتنے بڑے سانحہ کی اطلاع اس نے کسی کو دی ہی نہیں تھی اور اس کے سوا کوئی بھی جاننے والا ان سے رابطے کے طریقے سے واقف نہیں تھا بقول احسن کے وہ تو یونہی چچا جان سے ملنا آیا تھا اور آگے اتنا بڑا سانحہ منتظر تھا لوگ یقین کر سکتے تھے احسن کے من گھڑت بات پر، ذائریہ نہیں چند روز قبل وہ لوگ جس ذلت کا سامنا کر کے اس گھر سے نکلے تھے اتنی جلدی دوبارہ نارمل انداز میں ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا زندگی نے اسے ایسے خودغرضوں میں پھنسا دیا تھا جو ان کے اپنے تھے ہی نہیں ذائریہ آنے والے وقت میں موجود اس کے لئے خطرات اور اندیشوں کی چاپ کو بہت اچھی طرح سے سن رہی تھی اس کے والدین کے قاتل اس کے گھر میں دندناتے پھر رہے تھے

اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی اس کی گواہی آدھی تھی اس کے پاس ثبوت نامکمل تھے اس کا واویلا بیکار تھا قدرت اگر کسی کو اس کی بساط سے بڑھ کر صدمے سے دوچار کرتی ہے تو اس کے اندر ایسی قوت بھی پیدا کر دیتی ہے جو اسے حوصلے سے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کرتی ہے تایا عالم نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے مگر مچھ کے آنسو بہاتے سب میں واضح کر دیا تھا کہ قل کی رسم کل گاؤں میں ہی ادا کی جائے گی اور چونکہ اب وہی ذائریہ کے لواحقین ہے لہٰذا ذائریہ ان کے ساتھ ہی جائے گی کسی کو کیا اعتراض ہونا تھا اعتراض کرنے والا تھا ہی کون سب کو تایا عالم کے اقدام پر اطمینان محسوس ہوا تھا لیکن ذائریہ اسے تو گویا لٹکانے کے سزا سنا دی گئی تھی وہ اچھی طرح سے جانتی تھی کہ گاؤں جا کر اس کا کیا حشر کیا جائے گا احسن جیسے بدقماش انسان سے نکاح اور وہی جائیداد جس کی خاطر اس کے ماں باپ کی جان لے لے گئی اس کے نام اور پھر تمام عمر ایک ملازمہ سے بھی کمتر درجے کی اس گھر کا فرد ایسی ہی صورت حال سے دوچار شاید کسی شخص نے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا جیسے محاورہ ایجاد کیا تھا۔

ذائریہ کے پاس صرف آج کی رات تھی وہ سب لوگ اس بے ضرر، ڈرپوک سی لڑکی سے صدمے سے چور لڑکی بے پرواہ تھے آدھی رات کو ذائریہ اپنی جائیداد کے کاغذات اور تعلیمی ڈگریاں، چند ضروری سامان اور کچھ پیسے لے کر نہایت خاموشی سے اپنے ہی گھر کی دہلیز پار کر گئی تھی جو خطرہ اس کی جان اور عزت کو اس گھر میں تھا وہ اسے دہلیز پار کرانے پر مجبور کر گیا تھا اور اسے یقین تھا کہ اللہ رات کے شر سے اس کی حفاظت فرمائے گا۔

☆☆☆

آدھی رات کو جب ڈاکٹر ابراہیم دروازے پر بیل ہوئی اور انہوں نے دروازہ تو بے حد ڈری سہمی، اپنوں کے لگائے زخموں چور ذائریہ سے انہیں کچھ بھی پوچھنے کی ضرور رہی اس کے چہرے پر رقم غم اور وحشت لٹی پٹی زندگی کی داستاں سنا رہے تھے۔

ڈاکٹر ابراہیم، ذائریہ کے والد ملک کے بہت اچھے اور قریبی دوست تھے ذائر ان کے انڈر ہی اپنا ہاؤس جاب مکمل کیا تھا اس کے استاد بھی تھے اور انہوں نے ثابت تھا کہ وہ ملک شہروز کے سچے اور خالص ہیں ذائریہ کو ان کے پورے گھرانے اپنی اور دوستانہ آغوش میں سمو لیا تھا ڈاکٹر ابراہ ہی بیٹیاں تھیں فاریہ اور ماریہ دونوں نے بھرپور کمپنی دی ڈاکٹر ابراہیم اور ان کی اس کی دلجوئی کرتے تھے اور پھر ایک ڈیڑ بعد ہی ڈاکٹر ابراہیم کی کوششوں سے پوسٹنگ ایک پسماندہ دور افتادہ گاؤں مرکز صحت میں ہو گئی تھی کیونکہ ڈاکٹر ابراہیم تھا کہ اس شہر میں وہ لوگ اسے ڈھونڈ نکا اتنی آسانی سے وہ اس کی جان نہیں چھوڑ اسے جلد از جلد ایسی جگہ شفٹ کر دیا جا پر ان کا گمان بھی نہ جائے ان کا ارادہ تھا میں کوئی اچھا رشتہ دیکھ کر وہ ذائریہ کی دے گی اور اس کے بعد وہ جائیداد جو اس منتقل ہو جائے گی ان ظالموں کے نام کر سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کر ذائریہ ان کی اس بات سے متفق نہیں تھی کے لئے ان لوگوں کو اس جائیداد کے دیکھنا چاہتی تھی لیکن یہ تو ایک دیوانے کا اس سے وہ باخوبی واقف تھی اور روز چاپ سے بیتتے جا رہے تھے زخموں

تھے مگر وقت نے انہیں رسنے سے روکنا کر دیا تھا۔

ایک دن جب ڈاکٹر ابراہیم نے بتایا کہ ان اس کی نگرانی ہو رہی ہے انہیں شک ہے کہ آنے جانے پر نظر رکھی جا رہی ہے لہٰذا صرف اس گاؤں تک خود کو محدود رکھے اور ہی شہری حدود میں آنے جانے سے پرہیز وہ اور محتاط ہو گئی تھی ان کی ڈھیر ساری نے اس کے خوف کو قدرے ذائل کر دیا ں یہیں گاؤں میں رہنا تھا جس جگہ اور گاؤں سے وہ متنفر ہو چکی تھی ویسی ہی ملتی جلتی لوگوں میں رہنا اس کے لئے باعث تھا لیکن قدرت بھی نہ جانے اسے ابھی فانات سے دوچار رکھنا چاہتی تھی نہ جانے سمجھانا چاہتی تھی کیا سبق دینا چاہتی تھی اور چودھری رب نواز سے ملاقات شاید ایسے سے ملا کر ہی وہ اسے جینے کی راہ پر گامزن اتی تھی۔

☆☆☆

گاڑی ایک جھٹکے سے ایک پرشکوہ، دلفریب کے اندر جا رکی تھی ذائریہ پیچھے کا دروازہ کر نیچے اتر آئی۔

"آؤ بیٹا جی آؤ۔" رب نواز، ذائریہ کی کرتے ہوئے آگے بڑھا۔

حویلی باہر اور اندر سے خوبصورت تھی خاص اندر کا وسیع لان نہ جانے کون کون سے وں کی سجاوٹ کی گئی تھی رنگ برنگے کی بہار اُمڈی ہوئی تھی لان کے وسط میں کا فوارہ دلکش چھب دکھا رہا تھا دیواروں پھل دار درخت گرمیوں میں ٹھنڈک اور احساس بخش رہے تھے ایک عجیب سا فرحت کا احساس ہوتا تھا نوارد کو اس

حویلی میں آ کر کہیں سے بھی نہیں لگتا تھا کہ یہ حویلی کسی پسماندہ گاؤں کا حصہ ہے خاصی آرٹسٹک سوچ سے تعمیر کردہ حویلی تھی۔

"ذینی!..... ذینی! چوہدرانی جی کہاں ہے بھئی۔" چوہدری نے وسیع و عریض لاؤنج میں داخل ہو کر اپنے بائیں جانب رخ موڑے آواز دیتے ہوئے کہا اور ذائریہ لاؤنج میں آ کر بھی چونکے بنا نہ رہ سکی سادہ سجاوٹ لاؤنج کو عجیب سی خوبصورتی دے رہی تھی اصل میں لاؤنج وہ جگہ تھی جہاں پر عمارت کا بقیہ تمام حصہ اونچ تھا ایک طرف سے چھت سے ڈھکا صحن نما لاؤنج نئی اور پرانی عمارت کا امتزاج تھا جہاں پر چھت موجود تھی وہاں کے حصے کو چنیوٹی فرنیچر سے آراستہ کیا گیا تھا ٹی وی ٹرالی بھی رکھی تھی اور جہاں پر صحن تھا جو قدرے فاصلے پر موجود تھا وہاں پر رنگین پایوں والی دو چارپائیاں اور اسی طرز کا فرنیچر موجود تھا اسی کے قریب سے ایک خوبصورت لکڑی کی گرل والا زینہ اوپر کی جانب جاتا تھا اور اوپر منزل بھی سفید ستون والے برآمدے اور اس کے پیچھے رنگین شیشے کے دروازوں والے کمروں پر مشتمل تھی، جہاں پر جدید فرنیچر موجود تھا اس کے پیچھے بڑا سا جدید طرز کا تعمیر شدہ کچن واضح نظر آ رہا تھا پورا گھر ان ڈور پلانٹس سے ہرا بھرا اور سجا ہوا تھا صحن کے دائیں جانب ایک چھوٹا برآمدہ نظر آتا تھا جس کے کونے میں دیہاتی طرز کا کچن بنا ہوا تھا جس کسی نے بھی پرانے اور نئے حالات کو عمارت کی صورت میں یکجا کیا تھا خوب کیا تھا دونوں جگہیں اپنی اپنی جگہ پر ہی اچھی نہیں بلکہ ایک دوسرے میں ہم آہنگ سی ہو کر اچھوتا سا آئیڈیا پیش کر رہی تھیں ذائریہ کو بھی گھر کی تزئین و آرائش کا بے حد شوق تھا اگر وہ ڈاکٹر نہ ہوتی تو یقیناً ایک کامیاب انٹیریئر ڈیکوریٹر ہوتی ہے اسے

یہ پرانی اور جدید تہذیب کو یکجا کرنے کا آئیڈیا بڑا اچھا اور اچھوتا لگا تھا اور اس کی آنکھوں میں ستائش امنڈ آئی تھی۔

''میں صدقے میں واری میری دھی رانی آ گئی۔'' دیہاتی طرز کے بنے برآمدے کے پچھلی جانب سے ایک دروازے میں جو بظاہر اوٹ میں تھا اور ایک سرخ وسفید صحت مند قدرے فربہی مائل سادہ سے حلیے میں ایک خاتون برآمد ہوئیں اور جلدی سے برآمدے کو عبور کرتی لاؤنج میں کھلنے والے دروازے سے خیر مقدمی انداز میں آگے بڑھیں اور بڑے پیار اور جوش سے ذائریہ کو گلہ لگالیا۔

''بھئی کہاں رہ گئیں تھیں مہمان موجود اور میزبان غائب؟'' چوہدری نے جلدی سے پوچھا جو تلاشنے والی نظروں سے ذینی کو دیکھ رہے تھے۔

''اور یہ بانی ملازمہ وغیرہ کدھر ہیں، کوئی بھی ادھر نظر نہیں آ رہا سب کو ذائریہ بیٹی کے استقبال کے لئے اندر ہی ہونا چاہیے تھا۔'' چوہدری رب نواز نے ایک بار پھر ذینی کو جواب کا موقع دیتے بغیر استفسار کیا اور ساتھ ہی قدرے ملامت زدہ لہجے میں تبصرہ بھی۔

''افوہ سوال پر سوال کیے جا رہے ہیں جواب تو دینے دیں اور اس سے پہلے میری دھی رانی کو بیٹھنے تو دیں۔'' زلیخا جلدی سے ذائریہ کو لے کر صوفے کی جانب بڑھ گئی اور ذائریہ کے لبوں پر زلیخا کی چوہدری کو سرزنش کرنے کے انداز پر مسکراہٹ آ گئی۔

''معذرت بیٹا جی واقعی مجھے اندر ہی ہونا چاہیے تھا پر اصل میں چوہدری جی نیلی کو دوائی دینی تھی بخار بڑا تیز ہو گیا ہے اس کا ڈاکٹر آیا ہے ابھی اور آپ تو جانتے ہیں سکندر کے سوا وہ کسی سے دوائی نہیں لیتی بڑی اڑی کرتی ہے چھمو آئی تھی مجھے بلانے کو بڑی مشکل اور نخروں سے کھ ہے اس نے دوائی سارا وقت سکندر کو اس نظریں اِدھر اُدھر کھوجتی رہی ہیں گلو اور چھمو ا ہی ہیں شانی سوپ بنا رہی ہے سکندر کے شاید اب دینے چلی گئی ہو اور دھی رانی تم سناؤ حال چال ہے تمہارا؟'' زلیخا نے ایک ہی سا میں چوہدری رب نواز کے سوالوں کے جوا دیے اور خاموش گفتگو سنتی ذائریہ سے آخر حال چال دریافت کیا۔

''یہ نیلی کون ہے؟ جوان سب کی اتنی لا ہے؟'' ذائریہ نے سوچا۔

''جی میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' اخلاقاً ذائر نے جواب دیا۔

''اتنی بڑی ہو گئی ہے نیلی پر سکندر کے رہتی نہیں، اتنے دن سے اس کے پاس بھی نہیں گیا اداس ہو گئی ہے مجھے تو لگتا ہے تاپ (بخا بھی اسی وجہ سے ہو گیا ہے اور سکندر کو تو نہیں نہ نیلی کی بیماری کا کسی بھی چیز کی پرواہ کیے بغیر جائے گا اپنی لاڈو بیگم کے نخرے اٹھانے چوہدری رب نواز نے بھی ایک صوفے پر ہوئے تبصرہ کیا اور ساتھ ہی زلیخا سے پوچھا۔

ذائریہ کو نیلی نامی ذات سے دلچسپی ا تجسس محسوس ہونے لگا تھا نہ جانے کون موصو ہیں جو پورا گھران کے لئے اس قدر پریشان اور سکندر صاحب سے تو کوئی خاص ہی رشتہ تعلق ہے صاحبہ کا، ذائریہ نے دل میں سوچا ان دونوں کی پریشانی کا خیال کرتے ہوئے یو ازرہ ہمدردی زلیخا سے کہا۔

''کیا بیماری ہے نیلی صاحبہ کو؟ میں بھی ڈا ہوں آپ کہیں تو میں چیک کر لیتی ہوں؟''

ذائریہ کے اس جملے پر دونوں میاں بیوی ساختہ ہنس پڑے ذائریہ ان دونوں کو یوں

دیکھ کر جھینپ سی گئی۔

''ذائریہ پتر نیلی کسی خاتون محترمہ کا نام نہیں بلکہ بھینس کا نام ہے سائیوال سے خاص طور پر اعلیٰ نسل کی بھینس لے کر آیا تھا سکندر خود اس وقت بچھڑی تھی سکندر نے بہت دلار اور خیال سے پالا ہے اسی سے بہت مانوس ہے نخریلی بھی بڑی ہے دن میں ایک بار باڑے کا چکر نہ لگالے سکندر تو چارہ کھانا بند کر دیتی ہے موسمی بخار ہے اسے ڈنگر ڈاکٹر میرا مطلب ویٹری ڈاکٹر آیا ہے اس کا چیک اپ کرنے یو ڈونٹ وری بیٹا جی۔'' چوہدری رب نواز نے ہنستے ہوئے ذائریہ کی غلط فہمی دور کی اور ذائریہ اصل صورت حال جان کر مزید جھینپ گئی۔

''آئے ہائے آتے ہی باتیں شروع ہو گئیں ذائریہ بیٹا مجھے بڑا افسوس ہوا جان کر تمہارا ساتھ جو سانحہ گزرا بیٹا بس اتنا کہوں گی کہ اللہ کو صبر کرنے والے لوگ بڑے عزیز ہوتے ہیں اور بیٹا وقت کے ساتھ صبر تو آ ہی جاتا ہے پر صبر کرنا اور بات ہے تم صبر کرنا سیکھو اللہ ہر مشکل آسان کر دے گا۔'' زلیخا نے مکمل طور پر ذائریہ کی جانب متوجہ ہوتے اور اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر نرمی سے سہلاتے ہوئے کہا۔

ذائریہ کو اس سادہ دیہاتی سے حلیے کی خاتون سے اتنی گہری بات اور اس انداز میں ادا کرنے کے توقع نہ تھی وہ حیرت سے بس انہیں دیکھتی رہ گئی۔

''باقی باتیں بعد میں ہو گئیں میرا بیٹا مجھے یہ بتائے کہ کھانا پہلے کھایا جائے یا تم سکندر سے پہلے ملوں گی اس کا چیک اپ اچھی طرح سے کرنا جس مہارت سے تم نے اس روز ٹانکا کافی سامان کے باوجود اس کی ٹریٹمنٹ کی فضلو نے تفصیلاً بتایا تھا مجھے، مجھے تو تمہیں پر یقین ہے تمہارا علاج سے اس کے زخم جلدی بھر جائیں گے۔'' زلیخا بیگم کے منہ سے اتنی صاف لہجے میں اردو سن کر ذائریہ کو پھر سے حیرت ہوئی اس کی تائی وغیرہ سے تو اتنی روانی سے شستہ انداز میں اردو نہیں بولی جاتی تھیں دیہاتی پن ان کے لہجے میں در آتا تھا۔

''جی..... پہلے چیک اپ کر لیتی ہوں، اس جاہل کا۔'' آخری جملہ دل میں ادا کرتے ہوئے ذائریہ نے جواب دیا۔

''چلو پھر میں بھی اتنی دیر میں حویلی کا چکر لگا آؤں ڈاکٹر آیا ہوا ہے ذرا مال مویشی کا معائنہ اپنی موجودگی میں کرو آؤں کھانا پر مل بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں آئی ہوپ یو ڈونٹ مائنڈ۔'' چوہدری رب نواز نے صوفے سے اٹھتے ہوئے اپنے ارادے سے دونوں کو آگاہ کیا اور آخری جملہ خاص طور پر ذائریہ کے لئے ادا کیا۔

''آف کورس ناٹ۔'' ذائریہ نے جھٹ جواب دیا وہ ان دونوں میاں بیوی کے دیہاتی سادہ حلیے اور انداز گفتگو کو سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی جس طرح سے گھر جدید اور پرانی طرز کا بنا اور سجایا گیا مکین بھی ویسے بھی تھے مطابقت اور غیر مطابقت سے۔

''ارے مائنڈ کیوں کرے گی مہمان تھوڑی ہے یہاں پر اس کا اپنا ہی گھر جیسے چاہے اٹھے بیٹھے۔'' زلیخا نے جلدی سے جواب دیا۔

''آپ نے ذائریہ کے رہنے کے لئے کمرہ سیٹ کروا دیا۔'' چوہدری نے کچھ یاد آنے پر یکدم پوچھا۔

''نہیں ابھی نہیں میں نے کہا خود آ کر اپنی مرضی کا کمرہ منتخب کرے پھر میں اس کی پسند کے مطابق چھمو یا شانی سے کہہ کر سیٹ کروا دوں گی۔'' زلیخا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''چلیں یہ اچھا کیا ابھی اس کی ضرورت نہیں اور کیوں کا جواب میں خود ہی کھانے پر آ کر آپ کو دوں گا۔'' چوہدری رب نواز نے کہا اور بیگم کے چہرے پر سوالیہ تاثرات کو ابھرتے دیکھ کر جھٹ اگلا جملہ ادا کیا۔

''چلیں ٹھیک ہے اور ذائریہ آؤ بیٹا سکندر پتر کے کمرے میں چلتے ہیں۔'' چوہدری اسی جانب بڑھ گیا جس جانب زلیخا کی آمد ہوئی تھی اسی وقت داخلی دروازے سے کوئی چار پانچ خواتین برآمد ہوئیں حلیے سے دیہاتی اور قدرے غریب گھرانے کی نمائندہ نظر آتی تھیں زلیخا ان کو دیکھ کر ان کے استقبال کے لئے جلدی سے آگے بڑھیں۔

''بسم اللہ..... بسم اللہ جی آیاں نوں بی بی جی کیا حال ہے تہاڈا؟'' ایک بوڑھی سفید چادر میں لپٹی خاتون سے گلے ملتے احتراماً زلیخا نے پوچھا اور انہیں دیہاتی طرز کے سجے پورشن کی جانب لے کر بوڑھی ساتھ ہی ذائریہ کو بھی ادھر آنے کا اشارہ کیا سب خواتین پچھی چارپائیوں پر بیٹھ گئیں زلیخا اور ذائریہ دیہاتی سج رچیں پایوں والی کرسیوں پر ٹک گئیں۔

''سکندر پتر کا پتہ چلا دل پریشان ہو گیا آج ہی وظیفہ پورا کر کے اٹھی تھی بہو نے بتایا اسی وقت سوچا خیر خبر لے آؤں یہ سب بھی خیر خبر لینے آئیں ہیں۔'' اسی معمر خاتون نے جواب دیا اور ذائریہ کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''یہ ذائریہ ہے ڈاکٹر ذائریہ ہمارے گاؤں میں ڈاکٹر بن کر آئی ہے چوہدری صاحب کے شہری دوست کی بیٹی ہے اور ذائریہ یہ نور بی بی ہیں پورے گاؤں کی نور بی بی گاؤں کے بچوں کو سپارہ پڑھاتی ہیں میرے سکندر نے بھی انہیں سے قرآن پاک پڑھا ہے اور یہ ان کی بیٹی، بہو اور رشتے دار خواتین ہیں۔'' زلیخا نے دونوں فریقین کے درمیان تعارف کا مرحلہ سرانجام دیا۔

''السلام علیکم!'' ذائریہ نے جلدی سے دوبارہ سلام کیا۔

''وعلیکم السلام جیتی رہو بیٹا تمہارے آنے کی خبر ہو گئی ہیں گاؤں میں اللہ تمہارا بھلا کرے اب گاؤں کی عورتوں کو تمہاری موجودگی سے بڑی آسانی اور حوصلہ رہے گا آہستہ آہستہ مریض آنا شروع ہو جائیں گے۔'' نور بی بی نے شفقت سے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''ذائریہ پتر آپ ایسا کرو کہ اوپر سکندر کے کمرے میں چلے جاو یہ سیڑھی چڑھ کر دائیں جانب کونے میں جو کمرہ وہی اس کا ہے شانی بھی سوپ دینے گئی ہے سکندر کو کمرے وغیرہ کی صفائی کر رہی ہو گی اسے اپنے ساتھ ہی نیچے لیتی آنا کسی پانی کا انتظام کرے پرونوں (مہمانوں) کے لئے یہ کم بخت گھٹنے کا درد میں تو ایک بار سیڑھیاں چڑھ لوں تو اتنی جلدی نیچے نہیں آ سکوں گی جاؤ شاباش یہ تمہارا اپنا ہی گھر ہے شانی اس وقت صفائی میں مگن ہو گی سکندر نے اس کے ناک میں دم کیا ہو گا اپنی موجودگی میں رگڑ رگڑ کر صفائی کروا رہا ہو گا۔'' زلیخا نے ذائریہ کو جھجکتے دیکھ کر ذائریہ سے کہا اور چارو ناچار ذائریہ میڈیکل باکس اٹھائے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئیں۔

ذائریہ کو اوپر آ کر اپنے دائیں جانب کونے میں بنے کمرے کو تلاش کرنے میں قطعی دقت نہ ہوئی اور وہ دبیز قالین پر دھیرے دھیرے قدم رکھتی کمرے کی جانب بڑھی جیسے ہی اس نے دروازہ کھولنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہلکا سا نیم وا دروازہ ایک دم پورا کھلا اور ذائریہ اپنے سامنے کھڑی ہستی کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی یہی حالت سامنے والی کی تھی۔

آنسو سے لبریز چہرہ، بالوں کی لٹیں نکلی ہوئیں ملگجا حلیہ اور سب سے بڑھ کر دوپٹے سے بے نیاز سراپا دونوں کو ہی توقع نہ تھی کہ ایسی صورت حال کا اچانک سامنا ہو جائے گا۔

''یہ لے کر جاؤ۔'' سخت لہجے میں ادا کیے گئے جملے پر دونوں ہی متوجہ ہوئیں۔

آواز کے تعاقب میں ذائریہ کی نظریں بیڈ روم کے وسط تک گئیں جہاں پر سکندر ہاتھ میں پیلے رنگ کا دوپٹہ لئے کھڑا تھا اس کے چہرے پر غصہ نمایاں تھا شانی غیر متوازن چال سے پلٹی اور نگاہیں نیچی کیے آگے بڑھتے ہوئے دوپٹے کو تھام لیا۔

''اچھی طرح سے اوڑھوا سے اور دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔'' سکندر کی آواز دھیمی مگر لہجے میں کراہٹ نمایاں تھی۔

ذائریہ کو ایک لمحے میں ساری صورت حال کا اندازہ ہو گیا اسے لگا سامنے سکندر کی جگہ احسن سالم اور شانی کی جگہ وہ خود ڈری سہمی اپنی عزت اس درندے سے بچاتی ذائریہ ہے۔

سکندر کا انداز یوں تھا جیسے اس کے اور شانی کے علاوہ وہاں کوئی تیسرا موجود ہی نہیں رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر کوئی خفت، کوئی شرمساری کے تاثرات تو کجا چہرے پر ابھرتے وہ ذائریہ کے سراپے کو ہی مکمل نظر انداز کیے ہوئے تھا۔

''ڈھیٹ انسان۔'' ذائریہ نے نفرت سے واپس پلٹ جانا چاہا جبھی زلیخا بیگم سیڑھیاں چڑھتیں اس کی جانب بڑھتی آئیں۔

''چہ! پتر میری بھی مت ماری گئی ایک پل کو لگا جیسے سویرا ہے گھر کے ہر کونے سے باخبر بھی تمہیں یوں ایسے ہی اوپر بھیج دیا دھیان ہی نہیں رہا کہ میری دھی رانی تو پہلی بار ہمارے گھر آئی ہے خیال آتے ہی اوپر آئی ہوں بس یہ گھٹنوں کا درد، اوپر آنے سے گریز ہی کرتی ہوں میں..... شانی پتر جا جلدی سے نیچے جا کر پرونوں کے لئے کسی پانی کا انتظام کر میں سکندر پتر کا چیک اپ کروا کر آتی ہوں، سن نور بی بی کی خاطر تواضع میں کمی نہ ہو، آ جا بیٹا۔'' زلیخا نے قریب آتے پہلے ذائریہ کو مخاطب کیا اور قریب سے گزرتی شانی کو رک کر بھی ہدایت جاری کی جس پر وہ محض سر ہلاتے ہوئے جلدی سے سیڑھیاں اترتی چلی گئی اور ذائریہ اس صورت حال میں عجیب سے تجسس میں پھنس گئی وہ کمرے میں جا کر اس شخص کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہ رہی تھی اور پہلی ملاقات میں یوں اس کی ماں کو اس کے کرتوت سے بھی آگاہ نہیں کر سکتی تھی یوں انکار کرنے کی کوئی ٹھوس وجہ نہ تھی اس کے پاس سو چار و نا چار وہ کمرے میں داخل ہوئی۔

''ہائے میں مر جا تو کیوں اٹھ کھڑا ہوا ہے؟'' زلیخا نے کمرے میں داخل ہوتے ہی ہنوز اسی طرح کھڑے سکندر کو لتاڑا۔

''ماں جی میری ٹانگ میں گولی نہیں لگی جو اٹھ کے کھڑا بھی نہیں ہو سکتا۔'' سکندر نے خاصے جھنجھلائے لہجے میں جواب دیا، ذائریہ اس کے اس بدتمیز لہجے کے پیچھے چھپے محرک کو اچھی طرح سے سمجھ رہی تھی۔

''ہونہہ کم ظرف، نفس کا مارا کمزور انسان۔'' وہ ایک بار پھر دل ہی دل میں سکندر کو برے القاب دیئے بغیر رہ نہ سکی تھی۔

''اچھا چل لیٹ جا اب ذائریہ پتر تیرے زخموں کا معائنہ کر لے، خاص طور پر بازو کے زخم رات کو بھی ہلا جلا کر تو نے خون نکال لیا تھا، اس سے اس کو بخار بھی ہو گیا تھا ایک دو دن میں ہی میرا پتر کتنا کمزور ہو گیا ہے میں صدقے جاؤں۔'' زلیخا بیگم نے آگے بڑھتے پہلے سکندر سے کہا اور

پھر ذائریہ اس کی حالت سے آگاہ کیا آخر میں لہجے میں وہی ممتا کی پریشانی در آئی۔

''ہونہہ کمزور! ابھی اپنی کمزور ملازمہ سے زبردستی کر کے اپنی کمزوری ہی تو ظاہر کر رہا تھا۔'' ذائریہ نے تنفر سے سوچا۔

''میں ٹھیک ہوں، چیک اپ کی ضرورت نہیں۔'' سکندر نے بیڈ کی جانب بڑھتے دوٹوک لہجہ اختیار کیے کہا اور بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''اور یہ جو بخار سے تیرا ماتھا تپ رہا ہے وہ۔'' زلیخا نے ماتھے پر اپنا ہاتھ رکھتے پریشانی سے کہا۔

''اتر جائے گا دوائی لے لی ہے میں نے اور اب آرام کرنے دے مجھے پلیز اس وقت میرا کوئی چیک اپ ویک اپ کا موڈ نہیں اور پلیز ماں جی اب کمرے کی صفائی وغیرہ کرنے کوئی نہ آئے خوامخواہ شانی نے آ کر کمرے کی صفائی کرنی شروع کر دی اچھی بھلی نیند آ رہی تھی ڈسٹرب کر کے رکھ دیا۔'' سکندر نے بیڈ پر لیٹ کر دوسری جانب لیٹتے ہوئے قدرے روکھے لہجے میں کہا اور ذائریہ کو اس کے انداز پر ایک دفعہ پر غصہ آ گیا یہ شخص دوسری ملاقات میں بھی بلا جواز اس کی انسلٹ کر رہا تھا جیسے وہ تو مری جا رہی تھی اس کا چیک اپ کرنے کے لئے زلیخا آنٹی کا خیال نہ ہوتا تو جو کچھ وہ چند لمحے پیشتر دیکھ چکی تھی اچھی خاصی کھری کھری سناتی۔

''ٹھیک ہے آنٹی آپ انہیں آرام کرنے دیں زخموں کی وجہ سے بخار وغیرہ تو ہو گا احتیاط سے کام لے تو وہ بھی اتر جائے گا مکمل بیڈ ریسٹ کریں یوں بیڈ سے اٹھ کر بے احتیاطی نہ برتے تو ان کے لئے اچھا ہو گا۔'' ذائریہ نے حتی الامکان لہجے کو ہموار رکھتے ہوئے زلیخا کو مخاطب کیا اور در پردہ اپنے لفظوں سے سکندر کو بہت کچھ جتلا دیا جس پر اس نے کروٹ بدلتے اس پر ایک خاموش سلگتی نظر ڈالی اور پھر اچانک بولا۔

''ارے نہیں ڈاکٹرنی جی مجھے واقعی چیک اپ کی ضرورت ہے ہائے لیٹتے ہی ایک بار پر زخم میں درد ہو رہا ہے ہائے اماں۔''

''ہائے اماں صدقے پتر دیکھ تو سہی کہیں کوئی ٹانکا تو نہیں اکھڑ گیا؟ رات کو اس ہاتھ میں رائفل پکڑی تھی اس نے وہ کون سی کاغذ کی ہوتی ہے مجھے تو رات سے ہی وہم ہے کہیں بے احتیاطی سے زخم ہی نہ بگڑ جائے۔'' زلیخا نے بیٹے کی خوامخواہ کی دہائی پر گھبراتے جلدی سے ایک جانب رکھی کرسی کو بیڈ کے قریب رکھتے ذائریہ سے کہا اور ذائریہ اندر ہی اندر سکندر کی چالاکی پر کل کھا کر رہ گئی وہ اچھی طرح سے جانتی تھی کہ سکندر محض اسے چڑانے کے لئے یہ سب کر رہا ہے ورنہ اس سے قبل تو اسے کسی قسم کے درد کا احساس نہیں تھا۔

''جی!'' سنجیدہ لہجے میں کہہ کر وہ کرسی پر بیٹھ گئی اور پیشہ وارانہ انداز میں سکندر کا چیک اپ کرنے لگی، وہ ایک پل میں تولہ ایک پل میں ماشہ جیسی شخصیت کے حامل سکندر سے خاصی بیزار ہو چکی تھی چیک اپ کر کے وہ جلد از جلد اس کمرے سے ہی نہیں اس حویلی سے بھی چلی جانا چاہتی تھی۔

''بی پی نارمل ہے، بخار زخموں کی وجہ سے ہی ہے ٹانکا وغیرہ نہیں اکھڑا مگر انہیں رائفل وغیرہ پکڑ کر بازو کو ایکسر سائز کروانے کی ضرورت نہیں بس ریسٹ کریں ٹھیک ہو جائیں گے۔'' ذائریہ نے بازو کے زخم کا معائنہ کرنے کے بعد زلیخا سے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''یہی تو بات ہے رات کو ہی جا رہا تھا ان لوگوں سے بدلا لینے کے لئے بڑی مشکل سے اس

کے بابا نے روکا اور رائفل لی تھی اس کے ہاتھوں غصے میں کچھ نہیں سوجھتا اسے۔'' زلیخا نے تبصرہ کیا۔

''ہاں تو کھلا چھوڑ دوں اپنے دشمنوں کو ہاتھ پیر نہ توڑوں تاکہ اگلی دفعہ پھر.....''

''اچھا آنٹی کافی دیر ہو گئی ہے اب مجھے چلنا چاہیے۔'' سکندر کی بات کو کاٹتے اور اسے نظر انداز کرتے ذائریہ نے جلدی سے زلیخا کو مخاطب کیا اس کے اس ماحول سے دل اچاٹ ہو چکا تھا، چوہدری رب نواز کے پر شفیق رویے سے وہ یہاں تک چلی آئی تھی مگر سکندر سے مل کر اس کی طبیعت پر ایک بار پھر بیزاریت طاری ہو چکی تھی۔

''ارے نہیں بیٹا کھانا بالکل تیار ہے آؤ نیچے چلتے ہیں کھانا تو کھا لو۔'' زلیخا نے جلدی سے سکندر کے پاس سے اٹھتے ہوئے ذائریہ سے کہا۔

''نہیں آنٹی پلیز اس تکلف کی ضرورت.....''

''آہ..... ہائے۔'' ذائریہ کی بات مکمل ہوئے بغیر سکندر نے ایک بار پھر درد کا واویلا مچا دیا نہ جانے کیوں ذائریہ کو لگا جیسے ایسا کر کے وہ اسے خوامخواہ چڑا رہا ہے۔

''صدقے میں واری کیا ہوا میری جان۔'' زلیخا فکرمندی سے پلٹی۔

''بس اماں بازو میں بڑا درد ہو رہا ہے۔'' سکندر نے کراہتے ہوئے اور شرارتی نظروں سے ذائریہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا ذائریہ سکندر کے اس رویے کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

''میں انہیں درد کا انجکشن لگا دیتی ہوں اس سے فوری آرام آ جائے گا۔'' زلیخا کے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات کو پڑھتے ذائریہ نے جلدی سے کہا وہ اب اس کمرے سے جانا چاہتی تھی سکندر اسے خوامخواہ روکنے کا ڈرامہ کر رہا تھا نہ جانے اسے ایسا کیوں محسوس ہو رہا تھا۔

''ارے نہیں بیٹا یہ بھلا انجکشن کب لگوائے گا۔'' زلیخا نے جلدی سے کہا۔

''جی!'' ذائریہ نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں حیرت سے زلیخا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''بچپن میں ایک دفعہ بخار میں کسی اناڑی کمپاؤنڈر نے اس کے بازو میں انجکشن لگایا تھا نہ جانے کیسے اور کس طرح انجکشن نکالتے ہوئے سوئی ٹوٹ کر اس کے بازو میں رہ گئی بڑی مشکل ہو گئی ایک طرح سے آپریشن کر کے نکلوانی پڑی بس اس وقت کا خوف اس کے دل میں بیٹھ گیا اور اب ماشاء اللہ اتنا گھبرو جوان ہو کر بھی اس خوف سے نہیں نکلا اس لئے انجکشن نہیں لگواتا کچھ بھی ہو جائے ہسپتال میں بھی ہوش میں آ کر کب اس نے ڈرپ وغیرہ لگوائی اور نہ ہی انجکشنز بڑی مشکل ہو گئی تھی۔'' زلیخا نے ذائریہ کو تفصیلاً آگاہ کیا اور اس بات پر سکندر کے چہرے پر ماں کے لئے ابھر آنے والے ہلکے سے خفگی اور شرمندگی لئے تاثرات پر ذائریہ کو اپنی مسکراہٹ دبانا بڑی مشکل ہو گئی۔

''تو یہ وجہ تھی اس روز میڈیکل سینٹر میں مجھ سے انجکشن نہ لگوانے کی محترم کہہ رہے تھے کہ زنانی کے ہاتھوں سے نہیں لگواؤں گا اصل میں تو خوف کی بناء پر کسی سے بھی نہیں لگوا سکتے اتنا جوان مرد چھوٹی سی سوئی سے ڈرے اصل بات کو یوں پوشیدہ رکھنا چاہ رہا تھا۔'' ذائریہ کو میڈیکل سینٹر میں سکندر کا رویہ انجکشن لگانے پر یاد آ گیا۔

''اماں آپ ڈاکٹرنی صاحبہ کی خدمت وغیرہ کرئے میں اب سوؤں گا۔'' سکندر نے جلدی سے اپنی خفت مٹانے کے لئے کہا اور تکیے نیچے

کر کے بیڈ پر نیچے ہو کر لیٹ گیا، ذائریہ کو اس کا یہ خفت زدہ انداز بڑا مزہ دے گیا۔

''اچھا پتر ٹھیک ہے آؤ ذائریہ پتر ہم نیچے چلتے ہیں۔'' زلیخا نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''جی چلیئے۔'' ذائریہ نے جلدی سے میڈیکل باکس اٹھایا اور ان کی ہمراہی میں نیچے چلی آئی جہاں پر چوہدری رب نواز پہلے سے ہی موجود تھے۔

''بھئی خوب ذائریہ بیٹا کی مہمان داری کرنے کی بجائے آپ نے اسے سکندر کا چیک اپ کرانے پر لگا دیا پہلے اس کی کوئی خاطر تواضع تو کریں ہمارے گھر تو وہ ایک خاص مہمان اور شہروز کی بیٹی کے طور پر آئی ہے نہ کہ محض ایک ڈاکٹر۔'' چوہدری رب نواز نے شفقت سے ذائریہ کی جانب دیکھتے ہوئے اپنی بیگم کو ٹوکا۔

''جی بس نور بی بی آئیں تھیں سکندر پتر کی خیر خیریت معلوم کرنے، ارے شانی پتر چل گئیں نور بی بی؟'' زلیخا بیگم نے چوہدری رب نواز کو گول مول سا جواب دیتے اٹالین طرز کے بنے کچن میں موجود شانی سے دریافت کیا جو خانساماں کے ساتھ مل کر کھانا ٹیبل پر سجانے کی تیاری کر رہی تھی۔

''جی چوہدرانی جی جلدی تھی جی ان کو کہہ رہی تھیں کہ آپ سے مل لیا ہے نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے اس لئے اب وہ چلے گی، ڈاکٹرنی صاحبہ آئے ناں جی میں آپ کو حویلی دکھاؤں ہمارے چھوٹے چوہدری نے اسے بڑے اچھے نئے اور پرانے انداز میں بنوایا اور سجا رکھا ہے خاص طور پر باغ جی باہر کے ملک سے پودے منگوا کر لگوائے ہیں جی بڑے مہنگے اور بڑے ہی پیارے آئے ناں جی میں آپ کو دکھاتی ہوں۔'' شانی نے جی جی کی رٹ لگاتے بصد اصرار ذائریہ سے کہا۔

''ہاں ہاں پتر جاؤ دیکھ آؤ تمہیں واقعی اچھا لگے گا گارڈن دیکھ کر سکندر نے اس کا نام ڈریم گارڈن رکھا ہوا ہے اور بہت محنت سے خود بنوایا ہے خاص اس کی اپنی سوچ ہے ہمارے پرانے باغ کو یہ نئی شکل دینے کی، دیکھ آؤ باہر اس وقت قدرے دھوپ تیز ہو گی مگر جب تک نذیر (خانساماں) کھانا لگاتا ہے گھوم آؤ، میں تو جب بھی دنیا کے جھمیلوں سے بیزار ہوتا ہوں سکندر پتر کے ڈریم گارڈن میں چلا جاتا ہوں ذہن پرسکون ہو جاتا ہے۔''

چوہدری راب نواز نے جھٹ شاہینہ کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا اور ذائریہ چوہدری صاحب کی آخری بات پر چونک سی گئی وہ حیران ہوئی کہ انہیں کیسے پتہ چلا کہ وہ اس ماحول سے بیزاریت محسوس کر رہی ہے ابھی چند لمحے پیشتر شانی جیسی ڈری سہمی فاختہ اور سکندر جیسے ظالم شکرے جیسی صورت حال کا اچانک سامنا کر کے اس پل اسے بالکل وہ اپنے بابا جیسے لگے جو یونہی اس کے اندرونی کیفیت کو سمجھ کر حل دے دیا کرتے تھے اور وہ چونک کر حیرت سے پوچھے بنا نہ رہتی تھی کہ ''بابا آپ کو کیسے پتا چلا؟'' اور وہ ہمیشہ مسکرا کر ایک ہی جواب دیا کرتے تھے ''جان پدر تم میرے وجود کا حصہ ہو جتنا میں اپنے وجود سے باخبر ہوں اتنا ہی تم سے'' اپنی زبان پر آئے سوال ''آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں اس وقت ہر چیز سے بیزار ہو چکی ہوں اور مجھے ذہنی سکون کی ضرورت ہے'' کو پیچھے دھکیلتے اور آنکھوں میں اترتی نمی کو چھپانے کے لئے وہ مجبوراً اور بیزار کیفیت کے ساتھ منتظر کھڑی شاہینہ کے ساتھ دائیں جانب بنے کچے برآمدے سے ہوتی سامنے لان میں چلی آئی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ واقعی لان بے

حد محنت اور خوبصورتی سے سجایا گیا تھا بیرونی دیوار کے ساتھ کچنار، املتاس اور پھل دار درخت قطار در قطار موجود تھے جن کے گھنے سائے گرمی کی تپش میں ٹھنڈک کا احساس اجاگر کر رہے تھے املتاس کے ایک درخت پر بڑا سا جھولا بھی لٹکایا گیا تھا کچنار کے درخت پر آتشی گلابی اور ہلکے کاسنی رنگ کے پھول پیلے پھولوں کے ساتھ بڑا خوبصورت کمبینیشن پیش کر رہے تھے، اسی طرح پورے لان پر گہری دبیز سبز رنگ کی امریکن گراس لگائی گئی تھی اور اس پر گراس مشین چلا کر کافی ہموار کیا گیا تھا باقی سائیڈز پر گول دائروں کی صورت میں خوبصورت طرز اور رنگوں سے مزین پودوں کی کیاریاں بنائی گئیں تھیں ایک کیاری میں سرخ جربرا (Gerbera) تو دوسری کیاری میں گلابی اسٹلب (Astilbe) اگائے گئے تھے اسی طرح سے چنبیلی موتیا اور رات کی رانی کی علیحدہ سے باڑ بنائیں گئی تھیں لان کے وسط میں چھوٹا سا تالاب تھا جو ہلکی آسمانی رنگ کی ٹائلز سے بنایا گیا تھا تالاب میں سفید اور گلابی رنگ کے کنول اپنے بڑے بڑے پتوں کے ساتھ تیرتے پھر رہے تھے اس میں ایک راج ہنس کا جوڑا بھی موجود تھا جو اپنے سفید موم جیسے پروں کے ساتھ نخوت سے گردن اٹھاتے تیر رہا تھا تالاب کے وسط میں ایک فوارہ موجود تھا جو کسی بھی دیکھنے والے کو ایک پل ٹھہر کے دیکھنے پر مجبور کر دیتا تھا یہ ایک سفید سنگ مرمر سے تراشے گئے کھلے ہوئے پھول کی پتیوں کی طرز کا فوارہ تھا جس کی گول ستون کی سفید ٹہنی تھی اور اوپر مڑی ہوئی بڑی پانچ پتیوں پر مشتمل کھلا ہوا پھول تھا جس کے وسط میں تین جل پریاں ایک دوسرے سے کمر جوڑے خاص ادا سے اپنی مچھلی کی شکل والے دھڑ کے ساتھ بیٹھیں ہوئی تھیں ان کی مخروطی انگلیوں میں بڑی بڑی سیپیاں موجود تھیں جو انہوں نے قدرے نیچے کی جانب جھکا کر پکڑی ہوئی تھیں انہیں سیپیوں سے پانی کی دھار گر رہی تھی اور پھر وہی دھار مڑی ہوئی پتیوں سے ڈھلک کر ہلکی آبشار کی صورت میں تالاب میں گر رہی تھیں۔

''واؤ بیوٹی فل!'' ذائریہ کے منہ سے بے اختیار نکلا اتنا خوبصورت فوارہ دیکھ کر واقعی کچھ دیر کو خود پر چھائی بیزار کیفیت کو یکسر فراموش کر چکی تھی۔

''ڈاکٹرنی جی آئے جی میں آپ کو مور کا گھر دکھاؤں بڑے خوبصورت دو جوڑے ہیں جی وہاں پر۔'' شانی نے ذائریہ کو متوجہ کرتے ہوئے کہا اور اپنے دائیں جانب بنی کونے والی دیوار کی جانب بڑھی جس کے ساتھ ایک بڑا سا لوہے کی جالی کا کمرہ نما پنجرہ بنایا گیا تھا پورے پنجرے پر سفید رنگ کا پینٹ کیا گیا تھا بڑے سے پنجرے کے اندر سفید رنگ اور سبز نیلے رنگ کا خوبصورت موروں کا جوڑا موجود تھا پنجرے کے اندر ایک سوکھا تنا بھی ٹیڑھا سا کر کے رکھا گیا تھا جس پر ایک مور اپنی بڑی خوبصورت سبز گولڈن دم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

''ارے واقعی یہ تو بہت خوبصورت ہیں۔'' ذائریہ نے ان کی جانب ستائش بھری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''آہ، ہاں بی بی ہمارے چوہدری سکندر نے خاص طور پر لاہور سے کسی دوست سے کہہ کر منگوائے تھے یہ جی اتنی دور سے لے کر آئے تھے جی اور بڑا خیال کرتے ہیں جی ان کا چھوٹے چوہدری ہر خوبصورت چیز کو اپنی قید اور ملکیت میں رکھنا چاہتے ہیں چوہدریوں کی بس یہی سوچ ہوتی مجھے بھی اپنی قید میں رکھنا چاہ رہے تھے انکار

کرنے پر زبردستی کرنے لگے وہ تو جی بھلا ہو آپ کا جو آپ آ گئی۔'' شاہینہ نے بے بسی سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا اور ذائریہ کو کچھ پل پہلے گھبرائی روئی شاہینہ کی صورت یاد آ گئی۔

''ہاں مگر تم تو خود کمرے سے بھاگ نکلی تھی میں ابھی بس دروازہ کھولنے ہی والی تھی۔'' ذائریہ نے اس واقعہ کو سوچتے ہوئے کہا۔

''ہاں جی وہی وہ میرے پیچھے ہی آنے والے تھے دیکھا نہیں کیسے میرا دوپٹہ کیسے میری عزت.....'' اس سے آگے شاہینہ سے بولا ہی نہ گیا اور وہ رو پڑی بے چاری کب سے اس خوفناک واقعہ کو دل میں دبائے بیٹھی تھی۔

''اوہ پلیز روؤ مت میں خود انکل چوہدری سے بات کرتی ہوں تم انہیں سب کچھ بتا دینا انکل خود ہی اس کا دماغ ٹھکانے لگا لیں گے اس کے بعد وہ تم پر بری نظر ڈالنے کی جرأت نہیں کرے گا۔'' ذائریہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے اور چپ کرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''ناں جی ناں آپ کو قسم ہے جی آپ کسی کو اس بات کی خبر نہیں کریں گی وڈے چوہدری تو جی میرے ساتھ میرے ماں باپ کے بھی ٹکڑے کر ڈالیں گے۔'' شاہینہ نے بدکتے ہوئے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں شانی وہ ایسے نہیں ہیں۔'' ذائریہ نے تسلی دینی چاہی۔

''بالکل جی وہ ایسے نہیں ہیں پر جہاں بات ان کے لاڈلے اکلوتے بگڑے بیٹے کی آئے گی وہاں وہ مجھ معمولی تانگے والے کی بیٹی اور اپنی معمولی ملازمہ کی بات پر یقین کہاں کریں گے چوہدری سکندر تو سرے سے مکر جانا ہے ہم غریبوں کے پاس ایک عزت ہی ہوتی ہے اس ساری بات میں میری عزت رل جائے گی بدنام ہو جاؤں گی جی میں آپ کو رب کا واسطہ آپ اس بات کا ذکر کسی سے بھی نہیں کرو گی میں اسی لئے بہانے سے آپ کو یہاں لے کر آئی ہوں مجھے ڈر تھا جی کہ کہیں آپ چوہدرانی جی یا چوہدری صاحب سے بات نہ کر دو آپ شہری جی یہاں کے ماحول یہاں کے لوگوں کے بارے میں آپ کو کچھ پتہ نہیں جی رب کا واسطہ ہے آپ کسی سے بھی کچھ نہیں کہیں گی۔'' شاہینہ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے منت بھرے لہجے میں ذائریہ سے کہا۔

''تو پھر تم کیا کرو گی تمہاری خاموشی اس کمینے انسان کا حوصلہ بڑھا دے گی ضروری تو نہیں ہر بار تم بچ نکلو اور.....''

''میں جی بہانہ کر کے اپنے گھر چلی جاؤں گی اب اس بات کے بعد میں اس حویلی میں تھوڑی رہوں گی ایسی کمینی حرکت تو وہ یہاں کر سکتا ہے ناں میرے گھر آ کر تو نہیں بس جی میں آج شام تک اپنے گھر چلی جاؤں گی آپ بس خاموش رہیے گا وہ بڑی ضدی، غصیلہ اور عیاش پسند انسان ہے جی اگر ضد میں آ گیا تو میرا جینا حرام کر دے گا۔''

''او کے ٹھیک ہے اگر میرے خاموش رہنے سے تم بچ سکتی ہو تو میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔'' ذائریہ نے گھبرائی سی شانی کو دلاسہ دیا۔

''وعدہ جی پکا وعدہ جی۔'' شانی نے کہا۔

''پکا وعدہ بھئی اب چلے اندر میں بھی اب واپس جانا چاہتی ہوں کس پہ وڈیرے، زمین دار خود کو برتر اور باقیوں کو کمتر سمجھنے والے لوگوں سے مجھے ویسے بھی وحشت ہوتی ہے میں جلد از جلد یہاں سے فارغ ہو کر جانا چاہتی ہوں۔'' اتنا کہہ کر ذائریہ نے واپسی کی جانب قدم بڑھائے اتنے میں خوبصورت ماحول میں آ کر جو اس نے ذہنی سکون نصیب ہوا تھا وہ شانی کی باتوں سے

رخصت ہو چکا تھا۔

''ہونہہ اتنی آرٹسٹک سوچ رکھنے والا شخص اتنی بیمار اور گندی سوچ بھی رکھ سکتا ہے افسوس صد افسوس۔'' ذائریہ نے ڈریم گارڈن پر ایک نظر ڈالتے ہوئے سوچا اور اندر کی جانب بڑھ گئی۔

ڈائننگ ہال میں پر لطف کھانے کو جلدی جلدی کھاتے اور بظاہر چوہدری چوہدرانی کی باتوں پر ہوں ہاں میں جواب دیتے اس نے کھانے کو نبٹانا چاہا ڈائننگ ہال کی خوبصورت پر تعیش سجاوٹ پر غور کرنے کی بجائے اسے اب واپس دیہی مرکز صحت جانے کی جلدی تھی اور کھانا ختم ہوتے ہی اس نے جانے کی جلدی مچا دی چوہدری نے اسے اپنا سیل نمبر دیا تا کہ بوقت ضرورت ذائریہ ان سے رابطہ کر سکے ذائریہ جلدی سے اپنے سیل پر وہ نمبر نوٹ کیا اور باہر گاڑی کی جانب بڑھی چوہدرانی اور چوہدری اسے باہر تک چھوڑنے آئے آنٹی زلیخا نے اسے خوبصورت دو سوٹ دیئے جو بعد اصرار اسے قبول کرنے پڑے اور ان کی محبت کی محسوس کرتے اور سکندر کے بارے میں اپنے دل میں مزید نفرت محسوس کرتے وہ گاڑی میں بیٹھی اس حویلی میں دوبارہ کبھی نہ آنے کا قصد کیے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حویلی سے رخصت ہو گئی۔

☆☆☆

شام کو اس کی ڈاکٹر ابراہیم سے بات ہوئی جس میں اس نے چوہدری رب نواز اور حویلی جانے کے بارے میں بتایا ڈاکٹر ابراہیم نے تسلی دی اور اس بات کی تصدیق کی کہ چوہدری رب نواز شہروز کے بہت اچھے دوستوں میں سے ایک ہیں اور انہوں نے ذائریہ کی خاص طور پر پوسٹ اس گاؤں میں کروائی بھی چوہدری رب نواز کی وجہ سے تھی وہ وہاں پر ہر طرح سے محفوظ ہے انہیں اطمینان تھا، چوہدری رب نواز کے بارے میں اسے قبل از وقت آگاہ نہ کرنے کوئی خاص وجہ نہ تھی ایک تو اسے جلد از جلد ان کے گھر سے جانا پڑا دوسرا وہ چاہتے تھے کہ چوہدری صاحب سے اس کا خود تعارف ہو ذائریہ کو ان کے اطمینان پر اطمینان ہوا تھا ساتھ ہی انہوں نے بتایا کہ مسز ابراہیم نے کسی رشتے کرانے والی خاتون سے رابطہ کیا ہے ذائریہ کے سلسلے میں اور اس خاتون نے کسی ڈاکٹر کے رشتے کے بارے میں اطلاع فراہم کی ہے شاید چند ایک روز میں یہ لوگ یا وہ لوگ ایک دوسرے سے ملیں گے ذائریہ اس سلسلے میں کیا کہہ سکتی تھی وہ جس کشتی میں سوار تھی اس کا ملاح اب کوئی نہیں تھا ہواؤں کے رخ ہی اسے ساحل تک لے جا سکتے تھے اور اسے کسی نہ کسی ساحل تک تو پہنچنا ہی تھا اور پھر وہ ڈاکٹر ابراہیم کے توسط سے ہو یہی اس کے لئے بہتر ہے آخر میں ڈاکٹر ابراہیم نے اسے ڈھیر ساری تسلی تشفی دی تھی وہ مطمئن تھے کو چوہدری رب نواز واپس گاؤں آ چکے ہیں اور ان کا اطمینان ذائریہ کو بھی قدرے پرسکون کر گیا تھا اسی اطمینان میں وہ سکندر اور شانی کے واقعہ کا ذکر ڈاکٹر ابراہیم سے کرنا بھول گئی وہ تو جب سیل آف کیا تو اسے یاد آیا لیکن دوبارہ فون کر کے یہ بات خاص طور پہ بتانا اسے اہم اور مناسب نہ لگی ویسے بھی وہ شانی سے وعدہ کر چکی تھی۔

فضلو اور پینو وہیں پر موجود تھے وہ اس کے حویلی سے ہو کر آنے پر خاصے خوش اور پرجوش دکھائی دیتے تھے اپنے وڈے چوہدری اور چوہدرانی جی کا ذکر بڑی عقیدت اور احترام سے کرتے رہے جنہوں نے کبھی ملازموں کو ملازم نہیں سمجھا اور پھر باتوں کے دوران فضلو نے بتایا کہ وڈے چوہدری یعنی راب نواز انکل دوبئی

جانے سے پہلے فضلو کو ذائریہ کی آمد کے بارے میں بتا کر اور اس کو خاص خیال رکھنے کی ہدایت دے کر گئے تھے گویا وہ ذائریہ کی آمد سے واقف تھے کچھ دیر برآمدے میں ان کی باتیں سن کر آخر کار تھکن کا باعث ذائریہ آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے کی جانب چلی آئی ویسے بھی شام ڈھلنے لگی تھی اور لائٹ کا بھی کوئی اعتبار نہیں تھا۔

جونہی وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی نہ جانے کیوں اسے اپنا گھر خاص طور پر اپنا بیڈروم یاد آ گیا کتنے شوق سے سجا رکھا تھا اس نے اپنے انٹیریئر ڈیکوریٹر صلاحیت اور شوق کا استعمال وہ اپنے گھر اور خاص طور پر اپنے کمرے پر وقتاً فوقتاً پورا کرتی رہتی تھی کچھ دنوں پیشتر ہی اس نے اپنے کمرے کی تمام کلر اسکیم چینج کی تھی گولڈن، کاسنی اور آف وائٹ رنگوں کے امتزاج سے سجایا تھا، اس نے کمرہ کاسنی پھولوں والا دبیز قالین، کاسنی رنگ کے پردے جن کے باڈر گولڈن تھے آف وائٹ رنگ کا فرنیچر جن کے باڈرز پر ہلکا گولڈن رنگ کیا گیا تھا، بلیک کلر کا ایل سی ڈی مانیٹر والا کمپیوٹر، ایک طرف بڑا میوزک سسٹم اور بک ریک ایک سائیڈ پر چائنا صوفہ جن پر قالین کے پھولوں سے ہم رنگ کا خوبصورت ریشمی کور چڑھایا گیا تھا اور دو بڑے بڑے فلور کشن بڑی سی گلاس ونڈو جس کے باہر تھوڑی سی جگہ بڑھا کر گملے رکھنے کی جگہ بنائی گئی تھی اور جس میں اس کے بابا نے خاص طور پر پیلا، سرخ اور گلابی رنگ کے جربرا کے گملے رکھے ہوئے تھے بابا کو باغبانی کا بے حد شوق بلکہ جنون تھا بقول ان کے ان کے اندر کا کسان انہیں باغبانی پر اکسائے رکھتا تھا آخر ان کی رگوں میں ایک کسان ایک زمین دار کا خون دوڑ رہا تھا اور یہ خون انہیں ایک چھوٹے سے لان پرنٹ نئے پودے لگانے اور ان کی دیکھ بھال کرنے پر اکسائے رہتا تھا بقول ان کے کسان کی اصل محبوبہ اس کی زمین ہوتی ہے اور وہ اسے کہیں بھی چلا جائے فراموش نہیں کر سکتا۔

ذائریہ کو بارش میں اپنی کھڑکی میں بھیگتے جربرا کو دیکھنے کا بڑا لطف آتا تھا اسی طرح بے میوزک سننا اسے بے حد پسند تھا میڈیکل کی ٹف روٹین والی پڑھائی سے جب وہ تھک جاتی میوزک سسٹم پر دھیمے سروں میں میلوڈیز گانے سنتے اسے ہمیشہ فریش کر دیتا تھا اسی طرح جب کوئی ٹف ٹیسٹ یا امتحان دے کر فارغ ہوتی ایک آدھ دن گھر کی سجاوٹ میں تبدیلی، اچھا ناول پڑھنے اور اچھا میوزک سننے میں گزارتی اور اس طرح اس کی ساری تھکاوٹ، اکتاہٹ اڑن چھو ہو جاتی پڑھائی میں وہ ہمیشہ سے بہترین تھی ثمینہ بیگم کو کبھی اسے پڑھائی کے لئے اور بہترین مارکس کے لئے ٹوکنا نہ پڑا ویسے بھی اپنے نانا جی کی وجہ سے اچھے سر کے گانے سننے اسے موروثی طور پر ملا تھا ثمینہ بیگم کبھی کبھی حیران ہوتیں کہ انہوں نے تو کبھی موسیقی، اچھے سریلے گانے وغیرہ پر دھیان نہ دیا مگر ذائریہ کی سننے کی حس بہت اعلیٰ تھی وہ جب بھی ٹینس ہوتی گٹار اور بانسری سے مزین دھنیں سی ڈی پلیئر پر سنا کرتی اور آج اسے اپنا گھر بے طرح یاد آ گیا تھا کبھی کبھی نہ جانے اسے ایسا کیوں لگتا کہ یوں چھپ کر گھر سے نکل کر اس نے اپنا گھر، اپنی بہترین یادیں سب ان ظالموں کے سپرد کر دی نہ جانے کیا حشر کیا ہو گا انہوں نے اس بے زبان گھر کا جو شہروز کی فیملی کی جنت تھا اسے بے طرح مس کرنے لگتی جیسا کہ اب بھی کر رہی تھی اور ایک یہ کمرہ تھا لمبائی کے رخ کا چھوٹا سا کمرہ اکھڑا ہوا پلستر زدہ فرش چھوٹی سی سیدھی سلاخوں والی کھڑکی کے قریب اس کی غلام سی چارپائی جس کے تکیے والی سائیڈ پر ایک کرتی

پر اس کی چند کتابیں اور بیگ پر کپڑے رکھے ہوئے تھے دائیں جانب دیوار کے ساتھ لوہے کی عام سی میز جس پر چند برتن رکھے ہوئے تھے اور سامنے دیوار میں نصب چھوٹی سی دو طاقوں کی الماری اسے ایک دم اپنے کمرے میں موجود تین پاٹوں والی بڑی سی الماری یاد آ گئی۔

ماضی اور حال کتنا فرق تھا ایک خوشحال اور شہری سہولتوں سے مزین زندگی بسر کرنے والی ذائریہ آج دربدر بے سکون اور بہترین سہولتوں سے نابلد زندگی گزارنے پر مجبور تھی محض چند ایکڑ زمین کی وجہ سے لیکن یہ تو اس کے لئے محض چند ایکڑ زمین تھی ان خونی رشتے داروں کے لئے جن پر خون سوار تھا شاید یہی زمین کے ٹکڑے سب کچھ تھے انسان اور انسانی زندگی سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا اس کی رگوں میں خون ایک بار پھر بے چین ہونے لگا تھا کاش وہ ایک بار اپنے ماں باپ کی موت کا بدلہ ان سے لے سکتی ایس ایچ او نواز بابا کا بہت اچھا دوست تھا وہ سب کچھ انہیں بتا کر قانون کی مدد لے سکتی تھی اور وہ یقیناً اس کی بھرپور مدد کرتا مگر ان سب سے بڑھ کر اسے اپنی عزت اس درندے سے بچانی تھی وہ بہادر بن سکتی تھی اور اب بھی تو وہ نامساعد حالات کا سامنا بہادری سے ہی کر رہی تھی مگر احسن عالم کی آنکھوں میں اپنے لئے پسندیدگی سے زیادہ ہوس اور غلاظت کو اس کے اندر کی عورت باخوبی پڑھ چکی تھی اسے اپنی عزت اپنی جان سے بھی عزیز تھی اور اگر وہ تمام عمر احسن کی پہنچ سے خود کو محفوظ کر لیتی اور اس کی ناپاک ارادوں اور خیالات کو تڑپتا چھوڑ دیتی تو یہ بھی تو ایک طرح سے بدلا ہی تھا حالات نے اسے بہت اچھی طرح سے سمجھا دیا تھا کہ زندگی جوش اور جذباتی پن سے نہیں بلکہ ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانے سے ہی سہل کی جا سکتی ہے۔

''آہ، ڈریم گارڈن میں موجود جربراز کی کیاری نے مجھے اپنا گھر یاد دلا دیا تھا تو واقعی ڈریم گارڈن لیکن اسے بنانے میں جس کی سوچ پیچھے کارفرما تھی وہ کسی نائٹ میئر (ڈراؤنے خواب) سے کم نہیں کیا Combination ہے ڈریم گارڈن اور Nightmare کا۔''

چارپائی پر لیٹتے ہوئے اور اپنی سوچوں کو جھٹکتے ہوئے ذائریہ نے زیرلب کہا اور سونے کی کوشش کرنے لگی آنکھیں بند کیے کبھی اسے تین جل پریاں سیپیوں سے پانی گراتیں نظر آتیں، کبھی آنٹی زلیخا اور انکل رب نواز کی باتیں یاد آنے لگتی کبھی کڑے تیوروں کے ساتھ کھڑا سکندر ہاتھ میں دوپٹہ لئے نظر آتا اور کبھی سہمی ڈری شانی الجھی لٹوں اور کبھی مور کے پنجرے کے پاس منت کرتی ہاتھ جوڑتی شانی نظر آتی نہ جانے آج کی رات وہ وہاں پر خود کو کیسے محفوظ رکھے گی۔

اس کے حبس زدہ کمرے میں گھر گھر کی آواز دیتا چھت کا پنکھا جو آواز زیادہ اور ہوا کم دیتا تھا کے ساتھ ذائریہ کو اپنی الجھی سوچوں، بے ربط یادوں کے ساتھ سونا دشوار لگ رہا تھا لیکن کروٹ بدل کر اور ہر قسم کی سوچوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش میں وہ خود کو پھر سے آنکھیں موندیں سونے پر آمادہ کرنے لگی آخر کار نیند کی مہربان دیوی کو اس پر رحم آ گیا اور اس کا ہاتھ تھامے وہ اسے نیند کی نیلگوں وادی کی سیر کرانے لے ہی گئی۔

☆☆☆

''پیپو باجی نہیں آئی ابھی تک؟'' ذائریہ نے تھکن کے باعث کرسی پر اپنی گردن ٹکاتے پاس ایک بوڑھے مریض کو دوائی دیتے فضلو سے یونہی پوچھا صبح سے آج مریضوں کا کافی ہجوم رہا تھا

بلکہ ایک بالکل ساتھ والے گاؤں سے ایک دو مریض آئے تھے بے چاری عورت کے پیٹ میں کافی درد تھا مگر وہ باتونی بھی بہت تھی باتوں کے دوران ڈائریہ سے اس کا نام پوچھ لیا اور نام بتانے پر بے ساختہ بولی۔

''ہائے دھیاں تیراناں بڑا اوکھا ہے کوئی سوکھا سا نام بتا۔'' ڈائریہ کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی تھی اور پھر معصوم لہجے سے اس کے والد کا نام دریافت کیا تو معلوم ہونے پر پھر منہ بنانے لگی۔

''یہ بھی اتنا سوکھا نہیں۔'' عورت کے چہرے پر سادگی اس طرح سے پھیلی ہوئی تھی کہ ڈائریہ بے ساختہ اس کے سوالوں کا جواب دیتی چلی گئی۔

''وہ جی چچا رحمیاں کی سوانی (بیوی) نے بلایا ہے جب دو سوانیاں ایک جگہ اکٹھی ہو تو گھنٹے دو تو اپنے مردوں کی برائیوں میں لگاتی ہیں اگلے دو گھنٹے ارد گرد کی عورتوں کی چغلیوں میں پھر کہیں جا کر پانچ منٹ کی اصل بات کرتی ہوتی ہے۔'' فضلو کی جانب سے حسب معمول تفصیلاً جواب موصول ہوا تھا، ڈائریہ اپنے خیال سے نکل کر فضلو کی بات پر محض مسکرا کر رہ گئی۔

چوہدری رب نواز کا بھی فون دس بجے ڈائریہ کو آیا تھا خیر خیریت کے ساتھ ساتھ کسی چیز کی طلب کے بارے میں دریافت کر رہے تھے بلکہ کہہ رہے تھے کہ ایک چھوٹا جنریٹر مگر ڈائریہ نے سختی سے منع کر دیا تھا وہ کسی کی نوازشوں اور عنایتوں کا بار اٹھا کر خود کو زیر بار نہیں کرنا چاہتی تھی ڈائریہ کے اصرار پر مجبوراً چوہدری رب نواز کو ہتھیار ڈالنے پڑے تھے صبح ناشتہ بھی آنٹی زلیخا نے بھجوایا تھا اور انہوں نے کہہ دیا تھا کہ تین وقت کا کھانا حویلی سے ہی آئے گا ڈائریہ آنٹی زلیخا کی محبت کے آگے کھل کر اور سختی سے انہیں منع نہ کر

پائی تھی لیکن اس کا ارادہ تھا کہ ایک دو روز بعد وہ سلسلے کو کسی نہ کسی طرح سے ختم کروا دے گی۔

''ہائے تو بہ بڑی گرمی ہے اوے فضلو پانی تو پلا۔'' پپو اپنی اوڑھنی کے پلو سے جھل مارتی کمرے میں داخل ہوئی اور بینچ پر ٹکتے ہوئے ساتھ والے کمرے میں موجود فضلو کو بلند آواز میں پکارا۔

''یس سرکار! حکم کرنا تھا کوئی شاہی سواری بھجوا دیتا جو ملکہ صاحبہ کو لے کر آ جاتی، شرم تو نہیں آتی یوں مجھے آواز دے کر پانی پلانے کا کہہ رہی ہے۔'' فضلو نے پانی کا گلاس پپو کی طرف بڑھاتے ہوئے پہلے نرم لہجے میں اور بعد میں لتاڑتے ہوئے کہا ڈائریہ کو اس کے انداز اور پپو کے تاثرات پر ہنسی آ گئی دونوں نمونے ہی تھے۔

''ناں کیوں شرم آئے تجھے شرم آتی ہے جب تو پانی مانگتا ہے؟''

''اوہ میں..... میں تو.....''

''ناں کیا تو؟''

''اوہ میں تو تیرا مجاجی خدا ہوں بھول کیوں جاتی ہے۔'' فضلو کے مسکیت سے ادا کیے گئے جملے پہ ڈائریہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''مسکھرا (مسخرا)۔'' پپو نے دھیرے سے کہا۔

''ڈاکٹرنی صاحبہ کو ہنسانا تھا سو وہ ہو گیا پر تو مجھے بتا ناں اتنی دیر لگا کر کیوں آئی ہے ڈاکٹرنی صاحبہ بھی تیرا پوچھ رہی تھی۔''

''اڑیا بس! شام کو شانی دھی کی ساتھ والے پینڈ کے کرموں جولاہے کے منڈے کے ساتھ منگنی کی رسم ہے شام کو وہ لوگ آ رہے ہیں شانی کی ماں کے ساتھ تیاریوں میں مدد کروا کر آئی ہوں بے چاری اچانک یوں منگنی ہونے پر گھبرا پڑی تھی اور شانی وہ چارپائی پر چادر تانے سوئی تھی میں ہی اس کے ساتھ صفائی ستھرائی کروا آئی ہوں کھانے کا بتا آئی تھی اب جاؤں گی دیر بعد۔'' پپو نے تفصیل سے آگاہی دی اور فضلو کے بھی کان کھڑے ہوئے۔

''یوں اچانک کل تک تو شانی حویلی میں ہی تھی مجھے اس نے تو کوئی ذکر نہیں کیا منگنی وغیرہ کا۔'' ڈائریہ نے اچنبھے سے پوچھا۔

''وہ جی وڈے چوہدری نے رشتے کروایا شام کو چاچا رحمیاں کو حویلی بلا کر بتایا اور شانی کے ساتھ بھجوا دیا شانی کی ماں بتا رہی تھی کہ وڈے چوہدری کہہ رہے تھے کہ دھی رانی بڑی ہو گئی ہے نظر میں ہے بلاوجہ کی دیر کیوں کرنی بس کل منگنی کی رسم اور دو تین دن بعد ویاہ سارا خرچا انہوں نے ہی اٹھانا ہے آج بھی دیگیں مہمانوں کے لئے حویلی سے پک کر آئے گیں شانی چھوٹی سے حویلی میں ہے بڑی خدمت کی ہے جی نے اور چوہدری صاحب اپنے ملازموں کا بڑا خیال کرتے ہیں ویاہ شادی جہیز کھانے وغیرہ کا سارا اپنے سر لیا ہے۔'' پپو نے کہا اور ڈائریہ کے ذہن میں پس پردہ اصل بات سمجھ آ گئی یقیناً شانی اور سکندر کی پہنچ سے محفوظ رکھنے کے لئے انکل نے سارا انتظام کیا ہو گا نہ جانے جلدی میں کس بدنصیب شخص کے پلے باندھی جا رہی ہے تقریباً سارے جیسے حالات سے دوچار ہے بے چاری قریب مزارع مالک کے حکم کے آگے کچھ نہیں کر پاتے اور حویلی کی پرانی ملازمہ کی پاداش میں یوں بیٹی کو کسی نکمے نکھٹو سے بیاہنے کو تیار ہو گئے ہیں یہ سکندر اور احسن جیسے لوگ آخر معصوم لوگوں کا جینا کیوں حرام کیے رکھتے ہیں۔'' ڈائریہ نے افسردہ دل کے ساتھ سوچا اور سکندر پھر اسے ایک بار پھر غصہ آنے لگا اسی کی وجہ سے یوں شانی کی زندگی کا فیصلہ کر دیا گیا تھا۔

''بے چاری شانی۔''

دو عورتیں ایک تین سالہ بچے کو اٹھائے کمرے میں داخل ہوئیں اور اسٹول پر بیٹھ کر ایک نوجوان عورت نے اپنے بیٹے کو ڈائریہ سے چیک اپ کروانے کے لئے آگے کیا۔

''ہاں جی کیا پرابلم میرا مطلب کیا مسئلہ ہے اسے؟'' ڈائریہ بچے کی جانب متوجہ ہوتے ہوئی بولی۔

''پتہ نہیں جی کیا مسئلہ ہے۔'' عورت گویا ہوئی، ڈائریہ آہ بھر کر رہ گئی۔

''کیا بیماری ہے اسے؟'' ڈائریہ نے دوسرے انداز میں اپنا سوال دہرایا۔

''پتہ نہیں جی نشئی شوہر کی مار کھاؤ، ساس کی گالی گلوچ سنوں سارا دن جانوروں کی طرح گھر بار کا کام کروں دوسرے بالوں کو سنبھالو اور پھر اس کی ریل ریل سن کر اسے بھی سنبھالو۔'' عورت نے نہایت بیزاری سے جواب دیا اور ڈائریہ اس کے انداز پر بس حیران سی ہو کر رہ گئی۔

''افوہ نذیراں تو پھر شروع ہو گئی ڈاکٹرنی صاحبہ جو پوچھ رہی ہیں اس کا جواب دے۔'' ساتھ آئی عورت نے گھورتے ہوئے کہا۔

''چاچی مجھے نہیں پتہ اسے کیا سیاپا ہے بس ہر وقت روتا رہتا ہے تعویذ گنڈا دم درود سب کیا ہے پر ڈھیٹ کو اثر ہی نہیں۔'' اب کی بار بھی اکتائے ہوئے انداز میں جواب موصول ہوا۔

''بیٹا پیٹ میں درد ہوتی ہے؟'' میلے ادھورے لباس میں موجود بچے سے ڈائریہ نے پوچھا اور ساتھ ہی اس کے پیٹ پر ہاتھ رکھا بچے نے اثبات میں سر ہلا دیا، کچھ دیر مزید چیک اپ کے بعد پرچی پر دوائی لکھ کر ڈائریہ نے فضلو کے حوالے کر دی۔

''کتنے بچے ہیں تمہارے؟''

''ساتواں نمبر ہے جی اس کا تین پیدا ہونے سے پہلے ہی مر گئے مرن جوگے نے مارا تھا اور دھکا دیا نشے میں تھا جی۔'' عورت کی دکھ بھری اور بیزار داستان پھر شروع ہوئی تھی۔

''اچھا تم اسے پانی ابال کر پلایا کرو اور صفائی کا بھی خاص خیال رکھو اور سنو اگر اتنے ہی برے حالات ہیں تو بچے کیوں پیدا کیے جا رہی ہو محض ان میں اپنے حالات کی مجبوری اور بیزاری بھرنے کے لئے۔'' ذائریہ نے ٹوکتے اور قدرے سخت لہجے میں اس عورت سے کہا۔

''ہاں تو میں اور کیا کر سکی ہوں جی اور ویسے بھی یہ اپنا رزق خود لے کر آتے ہیں۔'' عورت نے اپنی جاہلانہ سوچ کا فلسفہ بگھارنا چاہا پر فضلو نے آ کر اسے پڑیوں کے بارے میں ہدایت کی اور دوسرے مریض کو اندر آنے کے لئے کہا اور وہ دونوں عورتیں سلام کرتی باہر چلی گئیں اس کے بعد ایک کے بعد ایک مریض آتے گئے جن کے ملتے انہی کی طرح عجیب وغریب سے تھے چھوٹی سی بیماری بتانے سے پہلے لمبی ساری تمہید میں ہی کافی وقت لے جاتے تھے اور پھر بھی ان کی تشفی نہیں ہوتی تھی اور جاتے جاتے اس بات کی بھی تصدیق کرنا بھی نہیں بھولتے تھے کہ ذائریہ یہی پر ہے یا بس واپس چلی جائے گی وغیرہ وغیرہ۔

پنو، ذائریہ کی اجازت سے بچا رحمیاں کے گھر چلی گئی تھی اس نے آج رات وہی رہنا تھا وہ کچھ تامل کا شکار تو تھی پر ذائریہ نے خود ہی اجازت دے دی تھی یہ کہہ کر کہ فضلو یہی پر موجود ہے ذائریہ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی وہ آرام سے منگنی کی تقریب میں شامل ہو اور صبح آرام سے آ جائے پنو نے تو اسے بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی، مگر ذائریہ کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا اور فضلو بھی ذائریہ کی وجہ سے رک گیا تھا فضلو کو شام سے ہی برآمدے وغیرہ کی لائٹس آن کرنے اور گیٹ کو تالا لگانے کی ہدایت دے کر ذائریہ کمرے میں چلی آئی تھی اپنے کمرے کی کنڈی لگانا وہ نہیں بھولی تھی ویسے بھی فضلو نے تسلی دی کہ آج رات وہ برآمدہ میں ہی سوئے گا فکر کوئی بات نہیں اور اتنے دنوں سے ذائریہ خاموش عمارت میں رہ رہی تھی مانوس ہو گئی ابھی کچھ دیر لائٹ جلائے وہ میڈیکل کی ایک پڑھ کر خود کو آتی جاتی سوچوں سے بچانے کوشش میں مصروف ہو گئی جس میں کافی حد کامیاب بھی رہی اور نہ جانے کس پل اس آنکھ لگ گئی۔

☆☆☆

''ٹھاہ! ٹھاہ!''

عجیب سے شور سے اس کے حواس بیدار ہوئے تھے گہری رات کے سناٹے میں درختوں بیٹھے پرندوں نے اڑ کر درختوں کے گرد چکر عجیب سا شور برپا کر ڈالا تھا ساتھ ہی ذائریہ دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی ذائریہ متوحش سی ہو کر چارپائی سے اٹھی اس کی چھٹی کسی خطرہ کا احساس دلا رہی تھی اسے۔

''ڈاکٹرنی جی! ذائریہ بی بی جی دروازہ کھولے جی میں فضلو ہوں۔'' فضلو کے لہجے دستک کے انداز پر ذائریہ پریشان اور گھبرائی دروازے کی جانب بڑھی۔

''آہ! دروازہ کھولے جی جلدی۔'' فضلو آواز میں کراہ بھی شامل ہوئی تھی اور ذائریہ جلدی سے کنڈی گرا کر دروازہ کھولا اور برآمد کی پیلی ملگجی روشنی میں فضلو کے بائیں بازو واضح خون نکلتا دیکھ کر ذائریہ تو گھبرا ہی اٹھی تھی

''یہ..... یہ کیا؟ کیا ہوا ہے؟''

''گولی لگی ہے جی! پر اس کو چھوڑ

میں نے آپ کو اس لئے جگایا ہے کہ میرا ...چو ساتھ لے گئی ہے وڈے چوہدری کا نمبر ...کے پاس ہے ناں جی ان کو جلدی سے فون ...ے اور انہیں کے بندے بھجوا دیں اور جلدی ...آپ فکر نہ کریں جی میں کھڑا ہوا یہاں پر ...جان سے گزر کر ہی وہ اس دروازے تک ...گے بس جی آپ جلدی سے فون کر دیں ...روازے کو اندر سے کنڈی لگا لیں جلدی ...ے جی۔'' فضلو نے تیز تیز بولتے اور اِدھر دیکھتے ذائریہ سے کہا۔

''مگر تمہیں تو گولی لگی ہے اور..... اور کیا ہوا ...ہے؟ گولی کیسے لگی؟'' ذائریہ نے گھبرائے ...ربط انداز میں پوچھا۔

''زندگی رہی تو بتا دوں گا بس وڈے ...ی کو فون کرئے جلدی اور دروازہ بند کر ...فضلو نے خود طاق بند کرتے ہوئے تیزی ...ذائریہ نے کپکپاتے ہاتھوں کے ساتھ ...ے کو کنڈی لگائی اور گھبرائی ہوئی سی تکیے ...سے سیل فون نکال کر انکل رب نواز کا ...ل کر فون کرنے لگی اس کا حلق بالکل خشک ...تھا بیل جا رہی تھی مگر رات ڈیڑھ دو بجے ...ئے ہوں گے نہ جانے کوئی فون اٹھاتا بھی مسلسل جاتی بیل کی آواز ذائریہ کے عجیب بوجھ بن کر سنائی دے رہی تھی اور ...واسوں میں عجیب سا تناؤ آتا جا رہا تھا۔

...یلو!'' بھاری گمبھیر سوئی اور سماعت سے ...ی۔

..... ہیلو انکل میں ذائریہ!'' ذائریہ ...لگتے خود کو بولنے پر اکساتے ہوئے

...ائریہ! آپ اس وقت؟ فون بند کریں ...ہوں۔'' ساتھ ہی رابطہ منقطع ہو گیا تھا

ذائریہ نے آواز کو پہچان لیا تھا یہ سکندر کی آواز تھی مگر نمبر تو انکل کا تھا ذائریہ نے میز اور کرسی کو دروازے کے ساتھ لگا کر خود کمرے کے ایک کونے میں دبک کر بیٹھ گئی اسے لگ رہا تھا کہ کوئی خوفناک احساس اس عمارت میں سے چاروں طرف سے دھیرے دھیرے اس کو گھیرنے کے لئے اس کے قریب کھسکتا آ رہا ہے چور یا پھر احسن تو بوسونگھتا یہاں تک نہیں پہنچ گیا اس خیال نے اس کے رہے سہے حواس بھی اچک لئے تھے اپنی بے بسی اور خوف پر اسے بے تحاشہ رونا آنے لگا تھا اور ایک انجان اور شہر سے دور ایک عمارت میں پھنس کر رہ گئی تھی ناں تو پولیس کو فون کر سکتی تھی اور نہ ہی پندرہ کو ایک ہی نمبر سے آگاہی تھی اور نا معلوم وہ آتا بھی ہے کہ نہیں اس نے تو اس کی بات بھی نہیں سنی تھی اور فضلو بے چارہ اسے گولی لگی تھی اب تک زندہ بھی ہے یا اس کی وجہ سے جان..... اس خیال سے وہ مزید خوفزدہ ہو گئی تھی اور گھٹنوں میں سر دے سکڑی سمٹی بے ساختہ اپنے رب کو روتے ہوئے یاد کرنے لگی تھی۔

گیٹ پر عجیب سی آواز پیدا ہوئی ذائریہ بری طرح سے ڈر گئی تھی شاید فائر بھی ہوا تھا وہ..... وہ لوگ مجھ تک پہنچ گئے کیا ایسی حالت میں خودکشی مجھے پر حلال ہے ڈوبتے دل کے ساتھ اس نے سوچا تبھی اس کے دروازے پر زور دار دستک ہوئی تھی ذائریہ خوف سے دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔

''دروازہ کھولے! ذائریہ دروازہ کھولیں۔''

آواز کو پہچان کر بھی وہ اٹھنے کی ہمت نہیں پا رہی تھی ساتھ ہی اس نے اتنی مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا کہ ہاتھ کی انگلیاں سفید پڑ گئی تھیں اسے بالکل سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا کرے وہ بے حد خوفزدہ ہو چکی تھی۔

"پلیز جلدی کریں دروازہ کھولیں۔" ایک بار پھر تیز دستک ہوئی تھی اور ذائریہ نے اپنے حواسوں کو یکجا کرتے ہوئے تیزی سے اٹھی اور کرسی میز کو دروازے سے کھسکا کر دروازے کی کنڈی کی جانب ہاتھ بڑھایا دستک مستقل ہو رہی تھی۔

"ذائریہ آر یو او کے گھبرائیں نہیں دروازہ کھولیں۔" کنڈی گرا کر ذائریہ نے دروازہ کھولا تو سامنے ہی پریشان سا سکندر کھڑا نظر آیا نہ جانے اسے کیا ہوا کہ روتے ہوئے وہ اس کے سینے سے جا لگی وہ بے حد خوفزدہ تھی ایسی صورت حال کا سامنا کرنے کا اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا ایک پل کو وہ یکسر فراموش کر گئی کہ وہ کہاں پر ہے اور سکندر کون ہے نہ جانے کیوں اسے اس شخص کی پناہ میں آنا خود کو محفوظ ہو جانے کی مانند لگا وہ شخص جسے وہ بے تحاشہ ناپسند کرتی تھی سب کچھ بھول گئی اور لاشعوری طور پر وہ کر بیٹھی جس کا شعوری طور پر وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی ساتھ ہی اس نے ہچکیوں کے ساتھ بلند آواز میں رونا شروع کر دیا۔

"ٹیک اٹ ایزی سب ٹھیک ہے ہمیں یہاں سے نکلنا ہے فضلو کی حالت ٹھیک نہیں۔" کچھ ہی دیر بعد اس نے تمام حسیں بیدار ہوئیں تھیں وہ کس کے سینے پر سر رکھے رو رہی تھی اور کس کی بانہوں نے اس کے وجود کو تھام رکھا تھا ایک جھٹکے سے اس نے سکندر سے خود کو جدا کیا تھا اور سکندر بھی عجیب سے احساس سے جاگا تھا۔

"میڈیکل باکس لے لیں ہمیں یہاں سے جانا ہے۔" کمرے میں موجود میڈیکل باکس خود سکندر نے آگے بڑھ کر اٹھایا اور اس کا ہاتھ پکڑے باہر کی جانب بڑھا ہر طرف سناٹا اور اندھیرا تھا ذائریہ کو ارد گرد کچھ لوگوں کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا باہر اندھیرے میں بڑ گاڑی کھڑی اس کے پیچھے بھی کوئی گاڑی جس ہیڈ لائٹس آن تھیں۔

"تم لوگ یہیں پر رہو مختار تم اور فضلو کے ساتھ پیچھے بیٹھو۔" سکندر نے ڈرائیو سیٹ سنبھالتے ہوئے کسی کو ہدایت جاری کی اور گاڑی سٹارٹ کر کے تیزی سے آگے کی جا بڑھا دی تھی۔

☆☆☆

قد آدم آئینے میں یونہی بھٹکتی نظر ایک پل کو ٹھہری تھی اور وہ جو کمرے کے وسط چپ چاپ کھڑی تھی ایسے ہی دو قدم اٹھا کر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی یہ سیاہ فریم کا آٹھ کا بڑا سا آئینہ تھا جو دیوار میں فرش تک فٹ تھا آئینے کے دائیں بائیں جانب لوہے فریم کے اسٹینڈ دیوار میں نصب کیے گئے تھے پر پرفیومز، ہیر برش وغیرہ رکھے ہوئے تھے طرح کا سنگھار میز اس نے پہلی دفعہ دیکھا لیکن وہ وقت ایسی چیزوں پر حیرت ہونے یا سراہنے کا نہیں تھا۔

اس نے بوجھل اداس سی پلکیں اٹھا وجود کو آئینے میں دیکھا تھا فریش گرین بو شلوار جس پر ہلکا گولڈن کام اس کے رنگ نکھار دے رہا تھا نہ جانے کس وقت اس زیب تن کیا تھا وہ اپنے حواس میں تھی ہی نہ جانے کس ملازمہ نے اسے تیار کیا تھا روبوٹ کی مانند جو کہتے گئے وہ کرتی چلی شفاف آنکھوں میں کاجل کی گہری سیاہ روئی روئی آنکھوں کے گلابی ڈورے چمکتی گلابی رنگ کی لپ اسٹ، کانو گولڈن بندے، ہاتھوں میں سبز اور چوڑیاں بالوں کی چوٹی بنا کر اس پر نکاب

دوپٹہ، شرارتی سی لٹیں لٹیں دیکھا جاتا تو وہ بے حد حسین لگ رہی تھی وہ جو خود کو پھیکے رنگوں کے ڈھیلے ڈھالے لباس میں ہمیشہ ہر قسم کے میک اپ سے عاری رکھتی تھی تاکہ کوئی بھی ایک بار نظر ڈال کر وہ بارہ نہ ڈالے آج یوں قدرے سج سنور کر بے حد حسین نظر آ رہی تھی اوپر سے چہرے پر چھائی اداسی، سنجیدہ سی چپ اسے اسپرا بنائے دے رہی تھی۔

روئی روئی سوجی سوجی آنکھوں سے اس نے کمرے میں یونہی پھر نظر دوڑائی اور وہ جیسے کسی ٹرانس، کسی خواب آگیں حالت سے بیدار ہوئی تھی اس کا فشار خون بڑھنے لگا تھا ایک بار پھر اس کا دل چاہا تھا کہ وہ دھاڑیں مار مار کر روئے، زمین آسمان ایک کر ڈالے، قرینے سے سجے پھولوں سے آراستہ کمرے کی ہر چیز کو تہس نہس کر ڈالے اور اس شخص کو بھی، لبوں کو دانتوں سے کچلتے اور مٹھیاں کھولتے بند کرتے وہ بے حد اذیت سے گزر رہی تھی۔

وہ ہار گئی تھی کتنا فرار چاہا تھا اس نے مگر زندگی کا ہر راستے اس ایک منزل پر ہی آ کر رکا تھا بے حد بھاگ دوڑ کے باوجود بے بس کر دی گئی تھی تقدیر کے ہاتھوں یا پھر اپنوں کے ہاتھوں وہ اپنے جو پرایوں سے بھی بدتر تھے۔

دروازے پر آہٹ ابھری تھی اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا تھا ایک پل کو اسے لگا کہ وہ ایک سہمی سی فاختہ ہے جو شکرے سے بچنے کے لئے اڑ اڑ کر تھک گئی ہے اور شکرے نے اس کا تعاقب نہیں چھوڑا اس کی ہمت جواب دے رہی تھی۔

"نہیں ذائریہ شہروز نہیں! مجھے یوں ہمت نہیں ہارنی مجھے اپنی بقاء اپنی عزت نفس کی جنگ لڑنی ہو گی میں اس اجڈ جاہل گنوار انسان کو بتا دوں گی کہ مجھے حاصل کرنا اس کی زندگی کی سب سے بڑی بھول ہوتی، بہت بڑی بھول جواب وہ بھگتے گا۔"

دروازہ کھول کر وہ اندر آیا تھا اور پھر پلٹ کر اس نے دروازہ لاک کر ڈالا آنے والے وقت کا سوچ کر ذائریہ کی سانسیں ناہموار اور ہمت جواب دینے لگی تھی۔

"نہیں ذائریہ نہیں مجھے اس کے آگے ہارنا نہیں جھکنا نہیں ہرگز نہیں ہمت کرو تمہیں ابھی اور اسی وقت بات کرنی ہے اس کے غرور کا ابھی منہ توڑ جواب نہ دیا تو یہ تمہیں روند ڈالے گا۔" ذائریہ نے دل ہی دل میں اپنی ہمت بندھائی اور اپنی جانب جیت کے نشے میں چور بڑھتے شخص پر نفرت اور غصے کی نظر ڈالی۔

ذائریہ کے منہ سے نکلے جملوں پر وہ ایک پل کو ٹھٹکا چہرے پر حیرت واضح نمودار ہوئی اور پھر اس وقت اس موقع پر اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے اس کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہونے لگے وہ اس کی باتوں پر مشتعل ہو چکا تھا وہ کمزور تھی، بے بس تھی مگر منہ میں زبان رکھتی تھی اور اسی صلاحیت کا اسے استعمال کرنا تھا ورنہ تمام عمر اس کی قدر خریدے ہوئے بے زبان جانور سے بڑھ کر نہ ہوتی۔

احساس توہین اور غصے کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ وہ ایک ہی جست میں اس کے مقابل آن کھڑا ہوا تھا اس کے مردانہ وجود اور دراز قد کے سامنے وہ بالکل نازک اور کمزور لڑکی تھی جسے وہ چاہتا تو ہاتھ بڑھا کر من مانی کرتے ہوئے وہ سب حقوق اس سے حاصل کر لیتا تو جو چند لمحے پیشتر بے حد مجبوری کے عالم میں ذائریہ شہروز نے خود نکاح نامے پر دستخط کر کے اسے سونپے تھے مگر اب وہ اس کے مقابل اپنے منتشر

ہوتے حواسوں کو بمشکل سنبھالے اپنے وجود کو اس عیاش پسند انسان سے بچانے کی آخری سعی کرنے کے لئے کھڑی تھی اپنی جان سے بڑھ کر اپنی عزت بچانے کی خاطر اس نے یہ انتہائی مجبور قدم اٹھایا تھا نکاح نامے پر دستخط کرتے بس اسی چیز کا احساس تھا اور اب اپنی عزت نفس کا سودا اسے منظور نہیں تھا اس شخص نے اسے آخر کار جیت لیا تھا پر اب وہ اسے ہرانا چاہتی تھی جبھی تو اتنی بڑی بات بلا خوف و خطر اس نے کہہ ڈالی تھی۔

☆☆☆

اس رات اس کی چھٹی حس نے جس خطرے کی بو سونگھی تھی وہ اگلے روز ایک تلخ حقیقت بن کر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

حویلی پہنچتے ہی سکندر نے ذائریہ کو فوراً فضلو کو طبعی امداد فراہم کرنے کا کہا تھا ذائریہ کو چیک اپ کرنے پر معلوم ہوا کہ گولی بازو میں پیوست ہوگئی ہے اور آپریشن کے سوا کوئی چارہ نہیں خون بھی بہت بہہ رہا تھا فضلو کا رنگ پیلا پڑتا جا رہا تھا خود ذائریہ اس صورت حال سے خاصی گھبرا گئی تھی سکندر کے کہنے پر وہ جتنی میڈیکل ٹریٹمنٹ فضلو کو دے سکتی تھی دی اور اور اسی وقت سکندر، فضلو کو گاڑی میں بٹھا کر فوراً اپنے دو بندوں سمیت شہر کی جانب روانہ ہوگیا تھا اور ذائریہ آنٹی زلیخا کی بانہوں میں آکر بری طرح سے رو پڑی تھی۔

آنٹی زلیخا نے ہی اسے سنبھالا تھا تسلیاں دی تھیں حوصلہ دیا تھا انکل رب نواز شام سے ہی کسی ضروری کام کے سلسلے میں شہر گئے ہوئے تھے اور اپنا سیل فون سکندر کے کمرے میں بھول گئے تھے جبھی ذائریہ کی کال سکندر نے خود اٹینڈ کی تھی ذائریہ کو فضلو کے ساتھ ساتھ پنو کا خیال آرہا تھا وہ دونوں میاں بیوی کی نوک جھونک میں موجود محبت سے خوب واقف ہو چکی تھی اور اب اس کی وجہ سے اگر فضلو کو کچھ ہوگیا تو وہ پنو کا کیسے سامنا کرے گی یہ رات اس کے اعصاب پر بے حد بھاری تھی آنٹی زلیخا پیار سے اسے اپنے کمرے میں لے کر آگئی تھیں اور بیڈ پر لٹا کر اسے سونے کی ہدایت دی تھی خود وہ اس کے قریب تکیے کے پاس بیٹھ کر نرمی سے ذائریہ کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی تھیں ساتھ ہی وہ دھیمی آواز میں درود ابراہیمی پڑھ رہی تھیں ذائریہ کو ان کا یوں سہلانے پر اپنی مما کی بے تحاشا یاد آگئی اور وہ پلٹ کر ان کی گود میں منہ رکھ کر بلک اٹھی تھی اسے یوں سسکتا دیکھ کر خود آنٹی زلیخا کی آنکھوں میں بھی نمی اتر آئی تھی اس نے روتے ہوئے اپنی زندگی کی تمام داستان سنا ڈالی تھی وہ درد بھی بیان کر ڈالے تھے جو اس نے آج تک خود سے بھی نہ کہے تھے اور آنٹی زلیخا جو اس کے حالات سے چوہدری رب نواز کی زبانی پہلے سے واقف تھیں اس کی زبانی سن کر مزید افسردہ ہوگئی تھیں اور اس کی بے چینی کو بھانپتے ہوئے انہوں نے اسے اٹھ کر وضو کر کے نماز پڑھنے کی تلقین کی تھی اس روز ذائریہ اور آنٹی زلیخا کے درمیاں ایک ماں بیٹی، ایک غمگسار دوست کا رشتہ استوار ہوگیا تھا۔

☆☆☆

جائے نماز پر بیٹھتے نہ جانے کتنا وقت بیت گیا تھا صبح کے آثار نمودار ہونے لگے تھے جبھی باہر چوہدری رب نواز کی آواز پر ذائریہ متوجہ ہوئی تھی اور کب سے اپنے رب کے آگے ہاتھ پھلائے ہاتھوں کو آمین کہہ کر سمیٹتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور جلدی سے باہر کی جانب بڑھی تھی۔

چوہدری رب نواز نے اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور خیر خیریت دریافت کی تھی اس وقت وہ سب لوگ کھلے روشن ہوا دار لاؤنج میں موجود تھے چوہدری سکندر بھی وہیں پر تھا وہ دونوں باپ بیٹا شاید اکٹھے ہی آئے تھے انہی کی زبانی معلوم ہوا کہ فضلو کی حالت ابھی تشویش ناک ہے خون بہت بہہ چکا ہے آپریشن کر کے گولی تو نکال دی گئی ہے ابھی فضلو کی جان کا خطرہ ہے، آئی سی یو میں اسے شفٹ کر دیا گیا ہے انہیں ذائریہ کی بے حد فکر ہو رہی تھی اس لئے وہ گاؤں آگئے اور پھر سکندر نے آکر رات کے واقعہ کا بھی کھوج لگانا وہ بھی ساتھ آگیا تھا اس نے شہر ہی انکل کو اطلاع کر کے ہسپتال بلا لیا تھا انکل نواز نے مزید بتایا کہ صبح جب فضلو کو کچھ دیر ہوش آیا تو اس کا پولیس بیان لیا جا چکا تھا فضلو نے بمشکل بتایا تھا کہ آدھی رات کو اس نے کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سنی تھی گو گاڑی کسی حد تک فاصلے پر کھڑی کی گئی تھی مگر فضلو ایوٹی دینے کے لئے جاگ رہا تھا پھر اس نے دو سائے گیٹ کے قریب دیوار پر نمودار ہوتے دیکھے اس نے فوراً ایک کا نشانہ لے کر اپنی بندوق سے فائر کیا وہ دونوں چوکس تھے ایک کو تو فائر لگا اور وہ دیوار سے باہر جا گرا دوسرے نے فضلو پر فائر کیا اور گولی اس کے بازو میں لگی لیکن فضلو نے اٹ میں ہو کر اس پر فائر کیا تب تک وہ دیوار سے باہر کود گیا اور شاید اپنے زخمی ساتھی کو لے کر وہاں سے فرار ہوگیا ذائریہ کے اکیلے وہاں ہونے کی وجہ سے فضلو ان کا پیچھا نہیں کر سکا اور نہ ہی وہ جانتا تھا کہ بس وہ دو لوگ تھے یا کوئی اور بھی ہے اس کے بعد کی تفصیل ذائریہ نے انکل رب نواز کو بتا کر دی جو شاید وہ سکندر سے پہلے ہی سن چکے تھے اس دوران آنٹی زلیخا ناشتے بنوانے لگیں اور ذائریہ نے جب سکندر کی آمد کا ذکر کیا تو ساتھ ہی رات اپنے جذباتی پن اور خوف کی وجہ سے سکندر کے گلے لگنا بھی یاد آگیا جس کا ذکر تو اس نے نہیں کیا مگر اسکی گالوں پر شفق اور چہرے پر یکدم خفت کے آثار نمودار ہوئے جسے صرف سکندر ہی سمجھ پایا اور اپنے چہرے کی سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے اس نے اپنی مسکراہٹ دبالی۔

سکندر نے بتایا کہ آدھی رات کو یوں ذائریہ کا فون آنا آواز کی گھبراہٹ وہ سمجھ گیا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے جبھی مزید سوالوں میں وقت ضائع کیے بغیر وہ مسلح گارڈ لے کر دیہی مرکز صحت جا پہنچا تھا جہاں پر برآمدے میں فضلو چچا تقریباً بے ہوش ہو چکے تھے۔

واقعات سے واضح نہیں ہو پا رہا تھا کہ یہ کوئی چور ڈاکو تھے یا کوئی اور مگر سکندر کا کہنا تھا کہ یہ کوئی چور ڈاکو نہیں تھے کیونکہ دیہی مرکز صحت میں ایسی کوئی قیمتی چیز نہیں جسے چرایا جائے ماسوائے ذائریہ کے اور ذائریہ سکندر کے تبصرے پر جز بز ہو کر رہ گئی تھی۔

''یہ شخص بدتمیز ہی نہیں منہ پھٹ بھی حد سے زیادہ ہے۔'' سب کی موجودگی میں سکندر کا اسے یوں کہنا برہم سا کر گیا تھا مگر وہ خاموش ہی رہی تھی اور وہ کتنی قیمتی چیز ہے اس کا اندازہ کسی عام چور ڈاکو کو تو ہرگز نہیں ہو سکتا اور پھر سکندر نے ذائریہ کو اس روز آنے والے تمام مریضوں کی تفصیل پوچھی تھی اور کرید کرید کر ان کے متعلق سوال کیے تھے اور جب ذائریہ نے ایک ایک بات کو یاد کرتے ہوئے ساتھ والے گاؤں سے آنی والی بے حد باتونی مریضہ کا ذکر کیا جس نے باتوں باتوں میں اس کا اور اس کے پپا کا نام جان لیا تھا تو سکندر قدرے چونک گیا۔

''ساتھ والا گاؤں تو ملک دلاور کا ہے، میرا خیال ہے میرا شک صحیح سمت جا رہا ہے۔'' وہ بڑبڑایا تھا ذائریہ نے ناسمجھی والے انداز میں دیکھا تھا اس وقت سب کے چہروں پر عجیب سی سنجیدگی

درآئی تھی۔

''ملک دلاور ہمارا سب سے بڑا مخالف، سب سے بڑا دشمن، پچھلے دنوں اسی کے بندے نے مجھ پر گولی چلائی تھی معاملہ گڑبڑ ہے لگتا ہے مجھے ملک دلاور سے دو دو ہاتھ آج ہی کرنے پڑے گے ابھی جا کر اس کا دماغ ٹھکانے لگاتا ہوں چوہا اپنے آپ کو شیر سمجھنے لگا ہے۔'' سکندر نے غصے میں آتے ہوئے کہا مگر چوہدری رب نواز نے اسے پھر سے بٹھا دیا اور کہا کہ ابھی فی الحال یہ محض ایک شک ہے اور وہ صرف اور صرف کھوجی اور ٹریند کتے لے کر دیہی مرکز صحت جائے اور وہاں سے گاڑی اور چوروں کا سراغ لگائے سکندر اسی وقت روانہ ہو گیا وہ شاید ڈائریہ سے معلومات حاصل کرنے کے لئے ہی حویلی آیا تھا اس وقت اسے فضلو چچا کی بڑی فکر تھی فون پر بار بار وہاں پر موجود بندوں سے فضلو کی حالت معلوم کر رہا تھا۔

''میں اپنے آپ پر چلائی گئی گولی تو اسے معاف کر سکتا ہوں لیکن اگر فضلو چچا کو کچھ ہوا تو ملک دلاور کو میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' سکندر اتنا کہہ کر حویلی سے نکلتا چلا گیا تھا، ڈائریہ اپنی جگہ چورسی بن گئی تھی اگر اس کی وجہ سے فضلو کو کچھ ہوا تو چنو باجی.....؟ ایک بار پھر اسی خیال سے وہ بے چین ہوا تھی اور اس سے آگے کچھ سوچا ہی نہ گیا تھا، انکل نواز نے دوٹوک انداز میں کہہ دیا تھا کہ ڈائریہ اب حویلی میں ہی رہے گی وہ اپنے جگری دوست کی نشانی کو کھونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے بے حد اصرار کے بعد دو تین لقمے ناشتے میں زہر مار کرنے کے بعد انکل نواز اپنی گاڑی میں اسے خود دیہی مرکز صحت لے کر گئے تھے تاکہ وہ اپنا تمام سامان پیک کر کے حویلی میں شفٹ ہو جائے۔

جس وقت وہ لوگ مرکز صحت کی عمارت میں داخل ہوئے دھوپ میں تیزی آ چکی تھی سکندر بھی وہیں پر موجود تھا کھوجی اور کتے عمارت کے پچھلے حصے کی تفتیش کر رہے تھے ابھی کوئی سراغ واضح نہیں ہوا تھا ڈائریہ اپنے کمرے میں جا کر خاموشی سے پیکنگ کرنے لگی کچھ ہی دیر بعد اپنا ہینڈ بیگ کندھے پر لٹکائے وہ باہر چلی آئی دوسرا بیگ سکندر کے اشارے پر ایک ملازم لینے کے لئے بڑھا وہ باپ بیٹا کھوج کے متعلق ہی باتیں کر رہے تھے جب بیرونی گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھول کر دو تین لوگ اندر داخل ہوئے تھے پہلے شخص کو اندر آتا دیکھ کر ڈائریہ کے قدم برآمدے کی اترتی سیڑھیوں پر یکدم تھم گئے تھے خوف سے اس کے ہاتھ سے ہینڈ بیگ چھوٹ گیا تھا ایسی صورت حال کا تو اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا کچھ فاصلے پر کھڑے انکل رب نواز کے پاس جانے کی بھی ہمت نہ رہی تھی سکندر نے ڈائریہ کی بدلتی کیفیت کو بھانپ لیا تھا اور اس کے لبوں سے نکلا نام تک بھی اس کی رسائی ہو گئی تھی جسے سن کر اس کی کنپٹی کی رگیں تن گئی تھیں شہر سے گاؤں واپسی پر وہ اپنے بابا سے ڈائریہ کے متعلق پوری تفصیل سے اس کے بارے میں جان چکا تھا۔

ملک دلاور کے ساتھ آئے ملک احسن نے بڑا کروفرانہ اور دوٹوک انداز اختیار کیا تھا ڈائریہ پر ایک عقیلی نظر ڈالتا وہ چوہدری رب نواز کی جانب بڑھ گیا تھا اور بلند آواز میں اس نے بہت کچھ بتایا تھا کہ ملک دلاور جو بہت دو پرے رشتے دار ہے کے پاس آشکار کرنے کی نیت سے آیا ملک احسن تب چونک گیا تھا جب باتوں باتوں میں ملک دلاور نے ساتھ والے گاؤں میں کسی ڈاکٹرنی کے آنے کا ذکر کیا اور جس کی وجہ سے چوہدری سکندر بچ نکلا تھا اور اسی نے کل ایک عورت کو مریضہ بنا کر یہاں بھیجا تھا جس نے ڈاکٹرنی کا نام ڈائریہ اور اس کے باپ کا نام ملک شہروز بتایا تھا شک کی گنجائش نہیں رہی تھی پچھلے دو ڈھائی ماہ سے جسے وہ پاگلوں کی طرح ڈھونڈ رہے تھے شہر اور ارد گرد کی جگہوں پر ابھی تک اپنے بندے چھوڑے ہوئے تھے قدرت اتنی آسانی سے اس کا کھوج ملک احسن کو دے گی اس کی اسے امید نہ تھی لہٰذا رات کو ملک دلاور کے بندے آئے تھے انہوں نے اپنی ''چیز'' لے جانے کے لئے کہ ان کے وفادار چوکیدار نے کام خراب کر دیا اور اس کے فائر سے زخمی ہونے والا بندہ صبح دم توڑ گیا۔

ملک احسن طاقت اور غرور کے نشے میں چور ہر بات کا اقرار اور انکشاف کر رہا تھا اسے کسی بات کا ڈر یا خطرہ نہیں تھا نہ جانے کیوں شاید ملک دلاور کی شہ پر سکندر کو چوہدری رب نواز نے اشارا کر کے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ڈائریہ تو یہ سب سن کر سکتے میں آ گئی تھی کیا اس کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں تھی جو وہ ان ظالموں سے چھپنے کے لئے استعمال کر سکتی قدرت اسے اس ظالم کے حوالے کرنے پر نہ جانے کیوں تلی ہوئی تھی جو اس طرح کے اتفاقات رونما ہو رہے تھے اور اب آگے بڑھ کر ملک دلاور نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ ان کی دشمنی اور مخالفت اپنی جگہ لیکن اس بار جیت ان کا مقدر تھی کیونکہ ان کا ارادہ پنچایت بلانے کا تھا جس میں ملک احسن ثابت کر دے گا کہ ڈائریہ اس کی منگ ہے اور ملک دلاور سے دشمنی نبھانے کے لئے اب کی بار چوہدری سکندر اور چوہدری رب نواز نے ملک احسن کی منگ کو ورغلا کر نکالنی چاہی ہے اور پنچایت ان کے حق میں ہی فیصلہ دے گی اس کا باخوبی اندازہ چوہدری رب نواز کی بھی ہو چکا تھا اس لئے وہ لوگ اتنا اچھل اچھل کر باتیں کر رہے تھے۔

بقول ملک دلاور کے سبھی لوگ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ دیہاتوں میں موجود پنچایت یا جرگے کے اپنے اصول اپنے قانون ہوتے ہیں اور یہ سسٹم برسوں کے فرسودہ رسموں میں جکڑا سسٹم ہے جس میں ظالم کو مزید طاقت اور کمزور کو مزید کمزور ہی کیا جاتا ہے اور جو فیصلہ پنچایت سنا دے اس کی پاسداری ہر حال میں کرنا پڑتی ہے قانون بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور پنچایت سے ٹکر لینا گویا اپنے علاقے کی سرداری سے ہاتھ دھونا تھا اور یقیناً چوہدری رب نواز ایک عام سی لڑکی کے لئے اتنا بڑا قدم تو اٹھائے گے نہیں کہ اپنے ہی علاقے سے بے دخل کر دیئے جائے۔

وہ لوگ پکا انتظام کر کے آئے تھے تبھی اتنے نڈر ہو رہے تھے اور اکثر میں تھے ملک احسن کے

ابن انشاء کی کتابیں

طنز و مزاح سفرنامے

- اردو کی آخری کتاب،
- آوارہ گرد کی ڈائری،
- دنیا گول ہے،
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں،
- چلتے ہو تو چین کو چلئے،
- نگری نگری پھرا مسافر،

لاہور اکیڈمی ۲۰۵ سرکلر روڈ لاہور۔

چہرے پر مسلسل مسکراہٹ جمی ہوئی تھی وہ کن انکھیوں سے ذائریہ کو دیکھتے ہوئے اس کی حالت سے بھی اندر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

ملک دلاور احسن اور ذائریہ کے معاملے میں احسن کی حد سے زیادہ حمایت کر کے چوہدریوں کے خلاف در پردہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا تھا زچ کر کے رکھا ہوا تھا چوہدری سکندر نے اسے اور آج موقع خوب ہاتھ آیا تھا تمام باتوں کا بدلے لینے کا اس سے بڑی بات اور کاری وار کیا ہو گا کہ چوہدریوں کی پناہ میں آئی لڑکی پنچائیت کے فیصلے سے ملکوں کے حوالے کر دی جائے دو کوڑی کی عزت رہ جائے گی چوہدریوں کی یہ سوچ سوچ کر ہی دلاور کے دل میں ٹھنڈک اتر رہی تھی بھی تو ملک احسن کا براہ راست ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تھا اس نے۔

شام کو پنچائیت بٹھانے کی بات ملک دلاور پنچائیت سے کر کے آیا تھا پنچائیت کے کچھ سرداروں کو وہ پہلے سے ہی اپنا حامی بنا کر آیا تھا فیصلہ انہی کے حق میں ہونا تھا اس کا یقین اور اس کا بندوبست وہ کر کے آئے تھے اب تو وہ محض ذائریہ کو اپنی تحویل میں لینے آئے تھے اور شام کو سب نے پنچائیت میں اکٹھا ہونا ہے یہ بتانے آئے تھے۔

بے بس اور خاموش کھڑے چوہدری رب نواز اور سکندر کی صورتیں دیکھ کر ملک دلاور کا اونچے اونچے قہقہے لگانے کو دل چاہ رہا تھا ایسی ہی کیفیت ملک احسن کے ذائریہ کو دیکھ کر ہو رہی تھی۔

پنچائیت کا ایک آدمی بھی ان کے ہمراہ تھا کارروائی پوری کروانے کے لئے ملک دلاور کے اشارے پر ملک احسن ذائریہ کی جانب بڑھا اس کا ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ لے جانے کے لئے وہ اس کے چچا کی بیٹی تھی اس سے وہ انکار نہیں کر سکتی تھی اور یہی بات اسے پنچائیت میں ملک احسن کی منگ بھی ثابت کر دیتی احسن نے خوب سوچ سمجھ کر پنچائیت والی چال چلی تھی ایک بار پنچائیت کا فیصلہ ہو جاتا تو کوئی بھی قانون ذائریہ کی مدد نہیں کر سکتا تھا اور نہ کوئی انسان ملک احسن کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا تھا وہ پورے استحقاق سے ذائریہ کو اپنے ساتھ لے کر جا سکتا تھا اور ذائریہ نے جس طرح دھوکے دے کر دوبارہ فرار ہونے کی جرأت کی تھی اس کی سزا بھی وہ سوچ چکا تھا۔

اپنی حویلی سے جا کر اس کا ارادہ ذائریہ سے نکاح کر کے اس کی تمام جائیداد اپنے نام لگوانے ایک رات کی بیوی بنانے کے بعد طلاق دینے کا تھا اور طلاق کے بعد تمام عمر اپنی باندی بنا کر رکھنے کا تھا اتنا گھناؤنا ارادہ اور انتہا رزیل خیال تھا اس کے دماغ میں ذائریہ کے بھرپور شباب نے اس کی نفس پرست فطرت کو پاگل کر رکھا تھا وہ بھول چکا تھا کہ ذائریہ اس کے چچا کی بیٹی ہے اس کا خون سفید نہیں بلکہ سیاہ ہو چکا تھا اور ذائریہ نے ملک احسن کی نظروں میں اس کے غلیظ ارادے پڑھ لئے تھے اسے زمین آسمان گھومتے نظر آ رہے تھے کوئی جائے اماں نہ تھی انکل رب نواز اور باقی لوگوں کا یوں بے بس خاموش کھڑا دیکھ کر اس کی رہی سہی امید بھی ختم ہو چکی تھی اپنی طرف بڑھتے احسن کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کے گرد اندھیرا چھا رہا تھا وہ کس کو پکارے کوئی بھی یہاں اس کا مددگار نہ تھا ملک احسن نے سختی سے اس کا ہاتھ تھاما اور تقریباً بے جان وجود کا گھسیٹتا ہوا بیرونی گیٹ کی جانب بڑھا۔

(باقی آئندہ ماہ)



تیسری اور آخری قسط

احساس وفا

قراۃالعین

"ٹھہرو، تمہیں جرأت کیسے ہوئی میری بہو کا ہاتھ پکڑ کر یوں لے جانے کی۔" چوہدری رب نواز کے منہ سے نکلے الفاظ نے گویا ہر کسی کو اپنی جگہ پر ساکت کر دیا تھا احسن ذائریہ کا ہاتھ پکڑے بے یقینی سے اپنی جگہ تھم گیا تھا سسکیاں لیتی ذائریہ رونا بھول گئی، بے بسی اور غصے کے آثر لئے سکندر کے چہرے پر باپ کے منہ سے ادا کیے گئے جملے پر بے پناہ حیران کن تاثرات ابھرے تھے اور جاتا ہوا چوہدری دلاور بھی پلٹ کر بے یقین سا کھڑا رہ گیا تھا چوہدری رب نواز کے الفاظ گویا ایسی گونج تھے جس کے بعد ہر طرف سناٹا چھا گیا تھا۔

"میں نے تمہاری بکواس اتنی دیر سے اس لئے برداشت کی تاکہ میں تمہارے کرتوتوں کو تمہارے ہی منہ سے سن سکوں، یہ تمہاری بھی منگ تھی حالانکہ جانتے تھے تم یہ بھی جھوٹ بول رہے ہو پر اب یہ میری بہو ہے اور یہی سچ ہے۔" چوہدری رب نواز نے تیزی سے آگے بڑھ کر ایک جھٹکے سے احسن کے ہاتھ سے ذائریہ کا ہاتھ چھڑاتے ہوئے نہایت سخت لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"سکندر اپنی بیوی کو گاڑی میں لے کر بیٹھو۔" چوہدری رب نواز نے حیرت سے ساکت کھڑے سکندر کو متوجہ کیا اور ذائریہ کو سکندر کی جانب بڑھایا، سکندر تیزی سے آگے بڑھا ذائریہ کے تو گویا حواس ہی کام کرنا چھوڑ گئے تھے۔

مکمل ناول



''جھوٹ بول رہے ہو تم، اکلوتے بیٹے کی شادی اور اتنی چاپ چاپ کسی کو کانوں کان خبر نہیں اور یہ یہاں کیا کر رہی ہے اس مرکز میں

تمہاری بہو کو تو حویلی ہونا چاہیے ناں یا پھر چوہدریوں کی غیرت.....'' احسن نے تلملاتے ہوئے آگے بڑھ کر ذائریہ اور سکندر کے راستے میں کھڑے ہوتے چوہدری رب نواز سے کہا اس کا لہجہ اور انداز نہایت گستاخانہ تھے چوہدری دلاور جو ابھی تک خاموش کھڑا تھا صورت حال کے بگڑ جانے کے خیال سے تیزی سے آگے آیا احسن کو سمجھانے سکندر عقاب کی مانند احسن پر جھپٹا تھا ور اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے غرایا۔

''تمہیں جرأت کیسے ہوئی؟ میرے بابا سے اس لہجے میں بات کرنے کی، میں تو تمہارا حشر.....''

''چھوڑ دو، سکندر میں نے کہا چھوڑو اسے۔'' چوہدری رب نواز نے تحکمانہ لہجے میں بپھرے سکندر سے کہا۔

''تم ذائریہ بیٹی کو لے کر گاڑی میں بیٹھو میں آرہا ہوں ان کی ایک بھی غلط حرکت انہیں یہیں پر گولیوں سے چھلنی کر دے گی اتنے بے وقوف تو نہیں یہ کہ میرے اردگرد پھیلے مسلح گارڈ کی موجودگی میں کوئی حماقت کریں میں ان سے دو ٹوک بات کر کے آرہا ہوں۔'' چوہدری رب نواز نے سکندر کے غصے کی بناء پر اسے منظر سے غائب کرنا چاہا، باپ کے انداز پر مجبوراً سکندر نے آگے بڑھ کر بے جان ذائریہ کا ہاتھ تھاما اور باہر کی جانب کھڑی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔

''ان گیدڑ بھگتیوں سے کسی اور کو ڈرانا، میں اپنی عزت، اپنی غیرت ایسے تم لوگوں کے حوالے نہیں کر سکتا نکاح نامہ کہاں ہے ان دونوں کا پہلے وہ دکھاؤ۔'' احسن جو جیت کے نشے میں چور تھا یوں پانسہ پلٹ جانے پر ششدر رہ گیا تھا ذائریہ اور ذائریہ سے وابستہ جائیداد کے متعلق جو رنگین خواب اس نے دیکھے تھے یکدم چکنا چور ہو گئے تھے فتح مندی کا احساس منہ کے بل زمین پر گرا تھا اتنی آسانی سے وہ ہاتھ آیا شکار کیسے چوہدریوں کے حوالے کر دیتا اس احساس نے اسے ہر احساس سے عاری کر ڈالا تھا غصے نے اس کو سوچنے سمجھنے کی گویا صلاحیت ہی چھین لی تھی

''ہوش کر ملک احسن، صورت حال کی نزاکت کو سمجھ شام پنچائیت میں ہر چیز کا فیصلہ ہو جائے گا تو چل ابھی یہاں سے۔'' ملک دلاور نے احسن کے کندھے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے اسے اصل صورت حال کا ادراک کرانا چاہا۔

''اوہ ایسے کیسے چلا جاؤں، اگر اس دوران انہوں نے ذائریہ کو غائب کرا دیا یا کچھ اور کر ڈالا پھر یا پھر نکاح نامہ ہی جعلی ہوا تو فیصلہ ہو گا ابھی ہو گا، نکاح نامہ دکھائے مجھے اس کا اور ذائریہ کو بھی بلائے وہ میرے سامنے اقرار کرے کہ اس کا نکاح تیرے بیٹے سے ہوا ہے۔''

''ملک دلاور لے جا اسے اب شام پنچائیت میں ہی ہر بات ہو گی اور تو اچھی طرح سے جانتا ہے چوہدری رب نواز زبان کا کتنا پکا ہے نکاح نامہ اصلی ہے، ذائریہ بھی پنچائیت میں آ کر اقرار کرے گی میں ہر کام قانون اور اپنے اصولوں کے دائرے میں رہ کر کرنے کا عادی ہوں اس سے پہلے کہ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور مجھے اپنے دوست کو چار کندھوں پر لے کر جانا پڑے دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' چوہدری رب نواز نے دلاور کی جانب رخ پھیرتے سخت

لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے چوہدری دیکھ لیں گے پنچائیت میں احسن ان کا جھوٹ وہیں کھلے گا، چل یار چل۔'' دلاور نے زبردستی احسن کو باہر کی جانب دھکیلتے ہوئے کہا، ملک دلاور ایک شاطر زمین کا مالک عیار انسان تھا اور عیار انسان کبھی بھی نڈر نہیں ہوتا جان کو خطرہ ہو تو وہ دشمن کے قدموں میں گر کر بھی اپنی جان بچانے کو ہتک نہیں گردانتا اس لئے اس نے ابھی کی صورت حال سے نکل کر صورت حال کا ازسرنو سے جائزہ لینے کا سوچا اور احسن کو زبردستی اپنے ساتھ باہر لے کر آیا باہر پراڈو میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے سکندر اور ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ذائریہ کو دیکھ کر احسن کے تن بدن میں آگ لگ گئی سکندر اور احسن نے کھا جانے والی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا روتی ہوئی ذائریہ احسن کو دیکھ کر پھر سے خوفزدہ ہو گئی اور اپنی جگہ مزید سکڑ گئی دلاور احسن کو پیچھے کھڑی جیپ میں بیٹھا کر جیپ کو اپنے گاؤں کے راستے کی جانب موڑ دیا۔

''چلو بیٹا جلدی حویلی پہنچو ہمارے پاس وقت بہت کم ہے ساری باتیں وہیں پر جا کر ہوں گی۔'' چوہدری رب نواز نے پیچھے بیٹھتے ہوئے جلدی سے سکندر کو مخاطب کیا اور ساتھ ہی اسے ہر سوال پوچھنے سے خاموش رہنے کا اشارہ بھی۔

پراڈو غرا کر شارٹ ہوئی اور حویلی کی جانب جاتی سڑک پر تیزی سے گامزن ہو گئی اس کے پیچھے بس دھول اڑتی رہ گئی۔

☆☆☆

ذائریہ کے پاس ماسوائے نکاح نامے پر دستخط کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا رو رو کر اس کی حالت غیر ہو چکی تھی اعصاب شل ہو چکے تھے وہ بالکل بے حس اور بے جان سی ہو رہی تھی تقدیر آخر اسے ہی اتنا بے بس اور کمزور کرنے پر کیوں تلی ہوئی تھی آخر کیوں؟

چوہدری رب نواز نے حویلی آتے ہی عجیب سی افراتفری مچا دی تھی اپنے کمرے کی جانب بڑھتے انہوں نے زلیخا، سکندر اور ذائریہ کو بھی اسے کمرے میں میں بلایا تھا اور ساری صورت حال ان کے سامنے رکھ دی تھی ذائریہ کی عزت اور جان بچانے کے لئے یہ بے حد ضروری تھا کہ ان کا ذائریہ سے کوئی قانونی تعلق ہو مضبوط اور ٹھوس تعلق جسے نہ پنچائیت جھٹلا سکے اور نہ کوئی عدالت، بصورت دیگر احسن ذائریہ کا کرن اور منگیتر ثابت ہونے کی بناء پر ذائریہ کو اپنے ساتھ لے جانے پر حق بجانب ثابت ہوتا اور چوہدری رب نواز کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا اور اس کی توڑ یہی تھا کہ فوری طور پر ذائریہ کا نکاح سکندر سے کر دیا جائے ساری صورت حال واضح کر کے انہوں نے حیران، بے یقین کھڑے کمرے میں موجود ان تین لوگوں کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا بیگم زلیخا آگے بڑھی اور انہوں نے چوہدری رب نواز کے فیصلے کی تائید کی گو اکلوتے بیٹے کی شادی کے کئی ارمان ان کے دل میں تھے لیکن یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں تھا چوہدری رب نواز نے اس اور امید بھری نظروں سے بیٹے کی جانب دیکھا جو صوفے پر خاموش بیٹھا ان کی گفتگو سن رہا تھا۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن ذائریہ سے اس کی مرضی پوچھ لیں۔'' اتنا کہہ کر چوہدری سکندر کمرے سے نکل گیا تھا۔

''اوہ جی اوئے شیر، زلیخا تم ذائریہ سے پوچھ کر ہمیں باہر بتاؤ تا کہ مولوی اور نکاح کا انتظام جلد از جلد ہو سکے ہمارے پاس وقت ہرگز نہیں لیکن دھیان رہے ذائریہ پر کسی قسم کا کوئی دباؤ نہیں جو وہ چاہ گی ہو گا وہی۔'' چوہدری رب

نواز نے اپنی بیوی کو ہدایت دیتے ہوئے کہا اور جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئے۔

ذائریہ کی مرضی نا مرضی کی کیا ہونا تھا وہ تو تقدیر کے ہاتھوں بے بس ہو چکی تھی تو چلو تقدیر کا یہ وار بھی چپ چاپ سہہ جاتی ہوں کم از کم اس درندے صفت انسان سے تو نجات حاصل ہو گی چاہے سکندر نام کا پھندا ہی گلے میں کیوں نہ ڈالنا پڑے اتنا سوچ کر ذائریہ نے رضامندی میں سر جھکا دیا اور زلیخا جلدی سے کمرے سے باہر نکل کر چوہدری رب نواز کو ذائریہ کی ہاں کے بارے میں بتایا چوہدری رب نواز نے اپنے منشی کو نکاح خواں کی جانب دوڑایا اور سبھی انتظام آناً فاناً کر لئے گئے۔

نکاح کی تقریب میں چوہدری رب نواز کے نہایت وفادار ملازموں کے علاوہ کوئی نہ تھا جو گواہان کی صورت میں موجود تھے نکاح کی تقریب کو بے حد راز میں رکھا گیا تھا گھر کی عام ملازموں کو بھی اس کی خبر نہیں ہونے دی گئی چھٹی کرا دی گئی تھی ذائریہ نے سن ہوتے دماغ کے ساتھ نکاح نامے پر دستخط کر دیئے اس کے علاوہ ہر چہرے پر خوشی چھائی ہوئی تھی نکاح ہونے کے فوراً بعد چوہدری رب نواز اور سکندر کسی اہم کام کے لئے حویلی سے نکلتے گئے تھے زلیخا آنٹی ذائریہ کو اپنے کمرے میں لٹا کر آرام کی تلقین کر گئی تھیں کچھ دیر بعد ڈاکٹر ابراہیم کا بھی فون آ گیا چوہدری رب نواز نے انہیں فون پر تفصیل سمجھا دی تھی وہ ذائریہ کا سکندر سے نکاح پر کافی خوش اور مطمئن محسوس ہو رہے تھے انہوں نے ذائریہ کو بھی ڈھیر ساری تسلیاں دیں اور حوصلہ دلایا کہ پنچائیت میں اسے کمزور نہیں پڑنا، ان کا کہنا تھا کہ اس سے اچھا اور بہترین رشتہ ذائریہ کے لئے ہو ہی نہیں سکتا اب اس دشمن اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے،

تھوڑی دیر میں ہی انکل رب نواز کمرے میں دستک دے کر داخل ہوئے زلیخا آنٹی بھی ان کے پیچھے آئی تھیں انہوں نے بتایا کہ ابھی وہ پنچائیت کے ایک دو ممبرز سے مل کر آ رہے ہیں اور ان کے کہنے پر ملک دلاور کے گھر چند بندے پنچائیت کی جانب سے پہرے کے لئے بھجوا دیئے گئے ہیں تا کہ ملک احسن فرار نہ ہو سکے وہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس فساد کو ختم کر دینا چاہتے تھے پنچائیت کے وہ خود بھی ممبر تھے مگر اس وقت وہ ایک مدعی کے طور پر خود کو پنچائیت میں پیش کر رہے تھے ذائریہ سے انہوں نے کہا تھا کہ وہ تمام واقعات کھول کر پنچائیت کے سامنے بلا جھجک بیان کر دے دادا کی وصیت اور جائیداد کے کاغذات بھی ان کے سامنے رکھ دے اور جب پنچائیت میں یہ سوال اٹھایا جائے کہ یوں اچانک خفیہ نکاح کی کیا ضرورت پیش آئی تو وہ کہہ دے کہ تین دن قبل اس نے چوہدری رب نواز کی حویلی جاتے ہوئے راستے میں ملک احسن کو گاڑی میں دیکھا تھا وہ بے حد خوفزدہ ہو گئی تھی اور جب ساری بات چوہدری رب نواز کو بتائی تو انہوں نے اسی وقت نکاح خواں بلا کر اپنے بیٹے سے نکاح پڑھوا دیا تا کہ قانونی طور پر وہ اس کے وارث قرار پائے اور ان درندوں سے بچا سکے نکاح نامے پر تین دن قبل کی تاریخ ڈلوائی گئی تھی مولوی صاحب کو تمام صورت حال بتا کر آج کے بارے میں خاموش رہنے اور تین دن قبل نکاح پڑھوانے کا سمجھا دیا گیا تھا کسی کی جان بچانے کے لئے بولے جانے والا جھوٹ واجب اور جائز ہوتا ہے مولوی صاحب کو اس کا بخوبی ادراک تھا انہوں نے گواہی میں تین دن قبل نکاح پڑھانے کے بارے میں بتانے کا یقین دلایا تھا اس کے علاوہ چوہدری رب نواز نے اپنا ایک خاص بندہ ذائریہ

کے گاؤں یعنی تایا عالم کو بلوانے کے لئے بھی بھجوا دیا تھا گو سفر زیادہ تھا مگر شام تک وہ پنچائیت میں پہنچ ہی جاتے ساتھ ہی انہوں نے اپنے دور پرے کے رشتے میں بھانجے ڈی ایس پی کو بھی بلا بھیجا تھا تا کہ قانونی کارروائی پوری طرح سے مکمل ہو سکے اتنے قلیل عرصے میں چوہدری رب نواز نے مکمل بندوبست کر لیا تھا ان کی پھرتی اور منصوبہ قابل رشک اور قابل قدر تھا پھر وہ وقت بھی آ گیا جب ذائریہ کو پراڈو میں بیٹھا کر پنچائیت کے سامنے لے جایا گیا وہ اندر سے بے حد نروس ہو رہی تھی آنٹی زلیخا نے گھر سے نکلتے وقت بہت سی آیات پڑھ کر پھونکیں تھی اس پر اور بے حد حوصلہ دلایا تھا جتنی بہادری سے وہ اب تک نامساعد حالات کا سامنا کرتی آئی ہے اب وہ وقت آ گیا ہے جب اپنے حوصلے اور مضبوط رویے سے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ملک احسن سے نجات حاصل کر سکتی تھی بس اسی احساس نے اس کو اپنے قدموں پر کھڑا کر رکھا تھا چوہدری رب نواز پہلے سے ہی پنچائیت میں موجود تھے تمام واقعات کی تفصیل بیان کی جا چکی تھی گواہوں کی گواہی بھی ہو چکی تھی چوہدری سکندر خود ذائریہ کو لینے آیا تھا سارا راستہ خاموشی اور بے ربط سوچوں سے الجھتے گزرا تھا پنچائیت میں آ کر اس نے وہ سب کچھ کہہ ڈالا تھا جو چوہدری رب نواز نے اسے سمجھایا تھا بڑی سی چادر میں اپنے وجود کو چھپائے جس کا سرا قدرے چہرے پر بھی سرکایا گیا تھا وہ من وعن وہ سب کچھ بولتی چلی گئی جو اس کے ساتھ پرسوں رات سے بیتا تھا چوہدری صاحب کے سمجھانے پر اپنی زندگی کے پہلے دلخراش واقعات قصداً اس نے چھپا لئے تھے کیونکہ بہت زیادہ تفصیل بات کو الجھا دے گی اور احسن اس موقع کا فائدہ اٹھا کر کیس کمزور کرنے کی کوشش کرے گا چونکہ ملک احسن نے دیہی مرکز صحت میں آ کر بذات خود غرور اور طاقت کے زعم میں اقرار کیا تھا کہ رات کو ذائریہ کو اٹھانے کے لئے انہوں نے ہی بندے بھجوائے تھے اس بات کی گواہی کے طور پر چوہدری رب نواز اور سکندر موجود تھے ملک احسن کا بے جا غرور اسے لے ڈوبا تھا اس کا خیال تھا کہ بازی وہ جیت چکا ہے اور اب اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا تایا عالم اسے کہیں نظر نہیں آئے تھے شاید ان میں اپنی شکست کا سامنے کرنے کا حوصلہ نہیں تھا انہوں نے یہاں آنے سے انکار کر دیا ہو گا۔

ملک دلاور اور ملک احسن مجرموں کی طرح پنچائیت میں سر جھکائے موجود تھے یقیناً اندر سے وہ بے حد تلملا رہے ہوں گے مگر اب بے بس بیٹھے تھے ذائریہ کی گواہی کے بعد پنچائیت کے ممبرز نے آپس میں صلاح مشورہ قدرے فاصلے پر جا کر کیا اور پھر ایک ممبر نے آ کر فیصلہ ذائریہ کے حق میں آ کر سنا دیا چونکہ اب ذائریہ سکندر کی بیوی تھی لہٰذا ملک احسن کا اس پر کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں تھا اور اس کا ذائریہ کو اپنی منگ بتانا بھی ثابت نہیں ہوا تھا یہ ساری پلاننگ ہی ذائریہ کی جائیداد کے لئے کی گئی تھی یہ بات واضح ہو گئی تھی اور اب ذائریہ اس زمین کا کیا کرتی ہے یہ اس کی مرضی اور رات کو ذائریہ کو اغواء کرانے کا منصوبہ اور فضلو پر گولی کا مقدمہ ڈی ایس پی کے حوالے کر دیا گیا تھا ڈی ایس پی نے اکڑتے ملک احسن اور ملک دلاور کو جیپ میں بٹھایا اور پولیس گارڈ کے ساتھ شہر روانہ ہو گیا تھا، تھانے میں ان کے خلاف پرچہ کٹوا دیا گیا تھا چوہدری رب نواز کی طرف سے کرسی پر سر جھکائے بیٹھی ذائریہ کو آگے بڑھ کر چوہدری سکندر نے باپ کے اشارے پر ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور ہاتھ پکڑے ہی گاڑی میں جا

بٹھایا تھا شام گہری ہو چکی چوہدری رب نواز سب سے مل کر خود بھی گاڑی میں آ بیٹھے اور گاڑی حویلی کی جانب بڑھ گئی۔

حویلی پہنچتے ہی زلیخا آنٹی، ذائریہ کو جلدی سے اپنے کمرے میں لے آئیں اور نیم گرم دودھ پینے کو دیا تاکہ وہ کچھ تو توانائی محسوس کر سکے کیسے لٹھے کی مانند چہرے کی رنگت ہو رہی تھی سارا خون نچڑ کر رہ گیا تھا بچی کا انہوں نے ہمدردی سے سوچا اور بے حد اصرار پر ذائریہ بمشکل دودھ کا گلاس پی سکی آنٹی زلیخا نے دودھ میں نیند کی گولی ملائی ہوئی تھیں کہ ذائریہ ایک بھرپور پرسکون نیند لے سکے تاکہ سب کے تناؤ کا شکار اس کے اعصاب پر سکون ہو جائے ورنہ دل و دماغ کا بوجھ اسے بیمار ہی نہ کر ڈالے اور واقعی کچھ دیر بعد ذائریہ گہری نیند میں ڈوب گئی تھی آنٹی زلیخا اس کے ماتھے پر نرمی سے بوسہ دے کر کمرے کی لائٹس وغیرہ بجھا کر اس پر چادر اوڑا کر خاموشی سے باہر نکل آئی تھیں جہاں لاؤنج میں دیہاتی حصے میں چوہدری رب نواز چارپائی پر حقہ پینے میں مشغول تھے، ساتھ پاس ہی کرسی پر سکندر بھی چپ چاپ بیٹھا تھا آنٹی زلیخا نے ذائریہ کے سونے کا بتایا اور ان دونوں کے چہروں پر اطمینان کے آثار نمودار ہوئے سکندر بھی اپنے کمرے میں آرام کرنے کی نیت سے اٹھ کھڑا ہوا کل سے مسلسل وہ بھاگ دوڑ میں تھا ہسپتال سے دوپہر کو فون آیا تھا کہ فضلو اب خطرے سے باہر ہے یاد آنے پر وہ واپس پلٹا اور ماں باپ کو یہ خبر پہنچائی جس پر انہوں نے رب کا شکر ادا کیا۔

''تو جا پتر آرام کر تیرے زخم ابھی کچے ہیں تجھے آرام کی ضرورت ہے اللہ سب اچھا ہی کرے گا۔'' زلیخا نے آگے بڑھ کر سکندر کے کندھے پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور چہرہ موڑ کر آنکھوں میں آئی نمی کو چھپانے کی کوشش کی کتنے ارمان تھے ان کے اپنے گھبرو جوان بیٹے کی شادی کے پر حالات نے کوئی بھی ارمان پورا ہونے کا موقع نہ دیا۔

سکندر ابھی چال کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا اور نیچے کھڑی زلیخا اور بیٹھے چوہدری رب نواز کے ذہن میں آنے والا وقت نہ جانے کس کروٹ بیٹھے کی سوچ در آئی تھی اور وہ دونوں بس خاموش سی نظریں ایک دوسرے سے چار کر کے رہ گئے۔

☆☆☆

اور وقت یہ کروٹ لے گا یہ تو ان دونوں نے سوچا ہی نہ تھا اگلی رات کو جب چوہدری سکندر ذائریہ کا ہاتھ تھامے غصے سے ان کے کمرے میں آیا اور جو کچھ دلہن بنی ذائریہ نے کچھ لمحے پیشتر اس سے کہا تھا من و عن سنایا تو جہاں زلیخا اور چوہدری رب نواز اپنے اپنے جگہ چپ بیٹھے رہ گئے وہاں ذائریہ بھی اپنی جگہ شرمندہ کھڑی رہ گئی اسے سکندر پر بے تحاشہ غصہ آیا جس نے اسے یوں انکل آنٹی کے سامنے شرمسار کر ڈالا تھا احساس توہین سے اس کے گال دہک اٹھے اور اپنی بے بسی پر اسے پھر سے رونا آنے لگا۔

''تو ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے وہ یہ تو اس کی سعادت مندی ہے جو اس نے میری خواہش کا احترام کیا اور تو بغیر سوچے سمجھے غصہ نہ کرنے لگا کر گھر باور والا ہو گیا ہے اپنے غصے پر قابو پا۔'' آنٹی زلیخا نے ذائریہ کو پیار سے کندھوں سے تھام کر اپنے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے بات کا آغاز کیا اور مڑ کر پھر سے سکندر کو بھی لتاڑا۔

''کل آپ نے مرضی نہیں تھی پوچھی ان سے ان کی بات کا مطلب تو یہی ہے ناں کہ یہ ایک مجبوری کا رشتہ ہے اور سکندر نے بھی کسی کی

مجبوری کا فائدہ اٹھایا ہے اور نہ مجبور رشتہ قائم کیا ہے۔'' سکندر نے تلخ روئی اختیار کی۔

ذائریہ کا سر مزید اس کی بات سن کر جھک گیا، ''اور وہ جو شائی کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا جا رہا تھا ابھی تمہارے ماں باپ کے سامنے تمہارے کرتوت کھول دوں تو ساری اکڑ نکل جائے پر بیٹے کے سامنے مجھ بے بس کو کون مانے گا یہی سمجھے گے کہ خود کو بچانے کے لئے ان کے بیٹے پر الزام لگا رہی ہوں۔'' غصے اور بے بسی کے ملے جلے احساسات نے خاموش بیٹھی ذائریہ کو گھیر رکھا تھا۔

''بس بیٹا بس، حوصلہ، میرے خیال میں تو ذائریہ نے کوئی غلط یا انہونی بات نہیں کی وہ جن حالات میں تمہاری بیوی بنائی گئی ہے اس سے تم اچھی طرح واقف ہو اگر نئے رشتے کو قبول کرنے اور سمجھنے میں اسے مشکل پیش آ رہی ہے تو کیا تمہارا یوں غصہ کرنا اس کی مشکل میں اضافہ نہیں کر رہا مجھے اپنے ذہین، سمجھدار بیٹے سے ایسی بے وقوفی کی امید تو نہیں تھی۔'' چوہدری رب نواز نے سکندر کو سمجھاتے اور اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''تو پھر آپ دونوں ہی سنبھالئے اپنی بہو صاحبہ کو اور جب ان کا دل و دماغ اس نئے رشتے کو قبول کرے جس کو استوار کرنے کے لئے انہوں نے بقائمی ہوش و حواس نکاح نامے پر دستخط کیے ہیں تو مجھ الو کے کاٹھ کو اطلاع دے دیجئے گا۔'' اتنا کہہ کر سکندر غصے سے کمرہ سے نکل گیا دونوں اپنی جگہ پر چور سے بن گئے تھے وہ سکندر کے ماں باپ تھے اس کے احساسات کو سمجھ رہے تھے پہلی ہی سہاگ رات مرد کو ٹھکرایا جانا اس کی انا پر کاری ضرب تھی وہ چنداں ردعمل دیتا کم تھا پر شاید ذائریہ کو یہ بات نظر آئی تھی اور نہ سمجھ بیوی بن کر وہ اس کے حقوق ادا کرنے سے انکاری تھی لیکن وہ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ اس وقت ذائریہ کو سمجھانا گویا اپنی طرف سے بدگمان کرنا ہے وہ خود کو اس جگہ پر ہمیشہ اجنبی اور تنہا سمجھے گی اس لئے دونوں میاں بیوی نے اس مسئلے پر خاموش رہنے کا نظروں ہی نظروں میں اشارہ کیا اس کا ساتھ دینا ہی اس کا یقین جیتنا تھا۔

''میں دیکھتا ہوں اس گدھے کو۔'' چوہدری رب نواز اتنا کہہ کر اپنے کمرے سے نکل گئے اور انکل نواز کے سامنے ایسی بات کے عیاں ہونے کے خیال سے ذائریہ بے حد شرمسار ہو گئی اور بے بسی سے رو پڑی۔

''آنٹی وہ..... وہ یوں انکل کے سامنے یہ بات کرے گا میں نے سوچا بھی نہ تھا انکل کیا سوچیں گے، میں تو ان کا سامنا ہی نہیں کر پاؤں گی اور آپ کیا سوچیں گیں میرے بارے میں، اسے..... اسے یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا، میں کبھی معاف نہیں کروں گی، سب کے سامنے ذلیل کے رکھ دیا۔'' روتی ہوئی ذائریہ کے بسور کے کہنے پر زلیخا کو بے تحاشہ اس پر پیار آیا تھا سادہ سی بنی دلہن کے روپ میں اس کا سوگوار حسن بے حد نمایاں ہو رہا تھا۔

''کوئی کچھ نہیں سوچے گا بلکہ ہم دونوں تمہارے ساتھ ہیں، میں تمہارے احساسات کو سمجھ سکتی ہوں ہاں اگر تم یہ بات مجھے دلہن بننے سے پہلے کہہ دیتی تو یوں اسے ہنگامے مچانے کا موقع نہ ملتا میں آرام سے اسے تمہارے تمام جذبات سمجھا دیتی، بس بیٹا یہ رات ہر مرد کی زندگی کی اہم اور خاص رات ہوتی ہے اور بیوی اسے یوں ٹھکرائے تو غم و غصے سے وہ پاگل ہو اٹھتا ہے ہر بات فراموش کر جاتا ہے بس اپنی مردانہ انا پر پڑنے والی ضرب کی شدت سے غصے سے بلبلا

اٹھتا ہے۔ اور یہی حال سکندر کا ہے دھیرے دھیرے اس کا غصہ اتر جائے گا، ساری رات اس کی سمجھ میں آجائے گی، تم فکر مت کرو، کوئی بھی بات تمہاری مرضی یا مزاج کے خلاف نہیں ہوگی، ابھی تم آرام سے ادھر ہی سو جاؤ، میں ذرا اسے دیکھ لوں، باقی باتیں صبح ہوگیں انشا اللہ ہر فکر ہر سوچ کو جھٹک کر بس آرام سے سو جاؤں تم میری بیٹی کی طرح نہیں بلکہ بیٹی ہو، بہو بعد میں ٹھیک ہے، شاباش میری دھی، آرام سے سونے کی کوشش کرو، اللہ سب ٹھیک کرے گا انشا اللہ۔'' بے حد سجاؤ سے بات سمجھا کر اور پیار کر کے آنٹی زلیخا کمرے کی لائٹ آف کر کے زیرو پاور کا بلب جگا کر کمرے کا دروازہ آرام سے بند کر کے باہر چلی گئیں۔

''یقیناً ان کا رخ سکندر کے کمرے کی طرف ہی ہوگا نہ جانے وہ لوگ آپس میں میرے متعلق کیا باتیں کریں گے وہ جاہل گوار انسان اتنی سی بات چھپا نہیں سکتا تھا الٹا مجھے انکل آنٹی کے سامنے سرمندہ کر ڈالا اور میں نے اسے کہا ہی کیا تھا۔'' بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے ذائریہ نے سوچا اور پھر چند لمحے قبل اسی کمرے کا منظر اس کی بند آنکھوں کے پیچھے جاگا جہاں پر اس کے منہ سے نکلی بات سن کر سکندر آتش فشاں بن بیٹھا تھا۔

☆☆☆

وہ تو بس ہر احساس سے عاری ہو کر رہ گئی اگلی شام کب کس نے اسے سجایا اور سکندر کے پھولوں سے آراستہ کمرے لا بٹھایا اسے جیسے کچھ ہوش ہی نہ تھا وہ تو بے جان کٹھ پتلی بن کر رہ گئی تھی جو کوئی جدھر دوڑی ہلا رہا تھا ادھر سے ہل رہی تھی۔

ہوش تو اسے سکندر کے کمرے میں لگے قد آدم آئینے میں اپنا سجا سنورا روپ دیکھ کر آیا تھا فریش گرین بوٹل کے اوپر گولڈن دبکے کے کام والا سوٹ زیب تن کیے اور قدرے سنورا سا روپ اسے یکدم ہوش کی دنیا میں لے آیا تھا یکدم اس کے اندر ابال اٹھنے لگا تھا اسے لگا جیسے چوہدری سکندر کے روپ میں ملک احسن نے اسے فتح کر لیا اور اب اپنی فتح کا جشن منانے کے لئے وہ کمرے میں آنے ہی والا ہے وہ اسے کبھی فتح کا جشن نہیں منانے دے گی اپنے منتشر ہوتے خیالات کو بدقت سنبھالتے اس نے مصمم ارادہ کیا تبھی سکندر کمرے میں داخل ہوا تو ہر قسم کے ڈر اور شرم کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دو ٹوک انداز میں اپنا ارادہ ظاہر کر دیا اور سکندر اتنا سن کر بپھرا ہوا سا اس کے سر پر آن پہنچا تھا۔

''کیا کہا تم نے؟'' اس کے لہجے سے غصہ اور حیرت دونوں ہی نمایاں تھیں۔

''میں نے کہا چوہدری سکندر، مجھے یہ تعلق قبول نہیں، حالات سے مجبور ہو کر میں نے نکاح نامے پر دستخط تو کر دیئے مگر تمہیں اپنا شوہر ہرگز قبول نہیں کیا، دنیا کی نظر میں ہم میاں بیوی رہیں گے مگر اس کمرے میں دو اجنبی اور بس..... اور اگر تم نے زبردستی اپنا حق مجھ سے لینا چاہا تو میرے جسم تک تو رسائی حاصل کر لو گے مگر دل تک کبھی نہیں..... اور ویسے بھی میں تمہیں اپنا شوہر ہی تسلیم نہیں کرتی تو میاں بیوی کے رشتے کا کیا سوال اور اگر پھر بھی تم نے میرے ساتھ زبردستی کی تو میں سمجھوں گی کہ میں ایک ہوس پرست انسان کے ہاتھ اپنی عزت.....''

''باس.....!'' سکندر دھاڑا تھا۔

''ذائریہ بی بی میں منافقانہ زندگی گزارنے کا عادی نہیں اور جن خیالات کا اظہار تم میرے سامنے کر چکی ہو اس کے بعد تمہیں چھونا تو درکنا اس حوالے سے نظر ڈالنا بھی میں اپنی توہین سمجھتا

ہوں اب جب تک تم اس رشتے کو دل و جان سے قبول نہیں کرتی تب تک میرے کمرے میں مت آنا۔'' اتنا کہہ کر سکندر نے ذائریہ کا بازو دبوچا اور اسے غصے میں اپنے ساتھ لئے اپنے والدین کے کمرے میں لا کھڑا کیا اور ذائریہ کے خیالات ان تک پہنچا دیئے اور پھر اسی غصے میں تن فن کرتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

ذائریہ نیند سے بیدار ہو چکی تھی، سر بے حد بوجھل اور طبیعت پر کسلمندی چھائی ہوئی تھی کام والے ریشمی سوٹ نے الگ اسے بیزار کیا ہوا تھا عجیب سی وحشت ہو رہی تھی اسے ہر چیز سے، اول روز کی بیزاریت اور اکتاہٹ پھر اس کی طبیعت پر حاوی ہونے لگی تھی جبھی آنٹی زلیخا چھوٹی سی ٹرے تھامے کمرے میں داخل ہوئیں، ٹرے میں جیم لگے دو عدد توس اور فریش پائین ایپل جوس تھا۔

''اٹھ گئی میری دھی رانی! لو پہلے اٹھ کر منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ باقی باتیں بعد میں، یہ ساتھ ہی اٹیچڈ باتھ ہے تمہاری طبیعت کے بوجھل پن کی وجہ سے میں بالکل ہلکا پھلکا ناشتہ لائی ہوں، یہ ناشتہ کر کے تم بہتر محسوس کرو گی۔'' زلیخا آنٹی نے مستقل بولتے ہوئے ٹرے کو سائیڈ ٹیبل پر دھرتے ہوئے ذائریہ سے کہا اور ذائریہ ان کی محبت پر شرمندہ ہو کر رہ گئی۔

''آنٹی آپ نے کیوں تکلیف کی میں.....''

''اوں ہوں جاؤ پہلے منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کرو پھر باقی باتیں۔'' آنٹی زلیخا نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے نرمی سے ٹوکتے ہوئے کہا اور ذائریہ چار و ناچار ان کے کہے پر عمل کرنے پر مجبور ہو گئی۔

''اب پہلے تو تم اپنا کمرہ اوپر پسند کر تو پھر میں ملازمہ سے کہہ کر اسے سیٹ کروا دوں کافی وقت لگ جائے گا اس میں اس دوران تم یہاں پر آرام کرنا چاہتی ہو تو کر لو یا پھر باہر لان میں چلی جاؤ جیسے تمہارا جی چاہے۔'' چھوٹے چھوٹے جوس کے سپ بھرتی ذائریہ کو پیار سے دیکھتے آنٹی زلیخا نے کہا۔

''آنٹی آپ بالکل میری ماما جیسی ہیں انہوں کو بھی معلوم ہو جاتا تھا کہ رات میں ٹسٹ کی تیاری میں بہت مصروف اور ٹینس رہی ہوں اس روز وہ ہمیشہ میرے لئے پائن ایپل جوس، بریڈ وغیرہ کا ناشتہ لائی تھیں تاکہ میری بوجھل طبیعت ایک دم فریش ہو جائے اور میں ناشتہ نہ کرنے کا کوئی بہانہ بھی تلاش نہ کر سکوں اور پھر اسی پیار کے ساتھ میرے سامنے بیٹھ کر مجھے ناشتہ کروایا کرتی تھیں۔'' اتنا کہہ کر ذائریہ کی آواز بھرا گئی اور آنسو اس کی پلکوں کی باڑ توڑ کر باہر نکل آئے۔

''میں صدقے میری بچی میں بھی تو تمہاری ماں ہی کی طرح ہوں اور سب مائیں ایک ہی جذبے بے تخلیق پاتی ہیں ممتا کے بھرپور جذبے سے اس لئے سبھی مائیں ایک ہی طرح کی ہوتی ہیں، میں تمہارے دکھ کو سمجھ سکتی ہوں مگر اس طرح رو کر تم ان کی روحوں کو بے چین مت کرو جب بھی دل ان کی یاد سے بے تاب ہو پہلا کلمہ اور درود ابراہیمی پڑھا کرو اللہ دل کو ڈھارس اور صبر دے گا تمہیں بس اب رونا بند مجھے تم سے ضروری باتیں کرنی ہیں چلو شاباش رونا نہیں اب۔'' آنٹی زلیخا نے ذائریہ کو گلے لگاتے، اس کی ڈھارس بندھاتے اس کے آنسو اپنے ہاتھ سے پونچھے اور توجہ بٹانے کے لئے بات کرنے کی ٹھانی ورنہ وہ اس موضوع کو ابھی چھیڑنا نہیں چاہتی تھیں۔

''آنٹی میں بے حد امت محسوس کر رہی ہوں اتنے مشکل وقت میں آپ لوگوں نے میرا ساتھ دیا، آپ نے اتنی بڑی قربانی دی میری خاطر، اس ایک دو دن کی ملاقات میں ہی میرے

دل میں آپ اور انکل کے لئے بے حد عقیدت اور محبت کے جذبات پیدا ہو گئے ہیں، میں احسان فراموش بھی نہیں ہوں، آپ کے حکم پر میں اپنی جان بھی دے سکتی ہوں، مما بابا کے بعد آپ وہ ہستیاں ہیں جن کی موجودگی میں مجھے تحفظ کا احساس ہوتا ہے لیکن آنٹی میرا دل و دماغ اس نئے تعلق کو قبول نہیں کر پایا میں اس معاملے میں خود کو بے بس محسوس کر رہی ہوں، آپ لوگوں نے میرے لئے اتنا کچھ کیا ان ظالموں سے نجات کا بہترین حل تلاش کیا اور اب یہی حل مجھے الجھا رہا ہے، میں..... میں کیسے آپ کو بتاؤں کہ.....''

''تمہیں کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں، تمہاری اچھی تربیت تمہاری خراج روشن پیشانی پر واضح نظر آتی ہے، تمہیں تو پہلی نظر میں ہی میرے دل نے بہو کے طور پر پسند کر لیا تھا اور تمہارا سکندر کا رشتہ یوں تقدیر میں ہونا لکھا تھا سو ہو گیا اور یہ صرف تمہاری تقدیر میں تو ہی نہیں لکھتا یہ تو سکندر کی بھی تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا، اس میں تم اپنی تقدیر کو دوش نہیں ٹھہرا سکتی یہ تو وہ تقدیروں کا ملاپ ہے۔'' آنٹی زلیخا نے ذائریہ کی بات کاٹتے ہوئے اسے سمجھانے کا آغاز کیا اور ذائریہ ان کے فلسفے پر چونک کر حیران ہو کر ان کی جانب دیکھنے لگیں۔

''ایسا کیا میری طرف دیکھ رہی ہو؟'' آنٹی زلیخا نے اس کی حیرت کو پڑھتے ہوئے دھیمے سے ہنستے ہوئے کہا۔

''آنٹی آپ تو گاؤں کی، میرا مطلب ہے ایک دیہاتی ماحول.....'' ذائریہ اپنی بات کے لئے مناسب الفاظ نہ ملنے پر چپ ہو گئی اور پہلی ملاقات سے لے کر اب تک جو کچھ ان کے بارے میں حیرت کا اظہار کرنا چاہتی تھی جھجک کر نہ کر پائی۔

''میں سمجھ گئی تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں ایک ان پڑھ، دیہاتی سی عورت اتنی گہری باتیں کیسے کر لیتی ہوں ہے ناں۔'' زلیخا نے مسکراتے ہوئے ذائریہ سے تصدیق چاہی۔

''جی وہ..... اور آپ کا لہجہ بھی دیہاتی نہیں آئی مین کافی صاف اردو ہے آپ کی۔'' ذائریہ کو ان سے پہلے دن کی ملاقات سے جو حیرت ہوئی تھی اس کا جھجکتے ہوئے اظہار کیا۔

''اس کی وجہ یہ ہے بیٹا جی کہ میں گاؤں کی پروردہ نہیں ہوں اصل میں..... میں چوہدری صاحب کے چچا کی اکلوتی بیٹی ہوں اور ابا شروع سے ہی شہر میں رہتے تھے ایک حکومتی ادارے میں بڑے اچھے عہدے پر فائز تھے، میری اماں اور میری خالہ جو بعد میں میری ساس بھی بنیں اسی گاؤں کی تھیں میرے ابا جی کی پھپھو کی بیٹیاں تھیں تب ذاب برادری میں ہی رشتے طے ہو جاتے تھے، میری اماں اور ساس ان پڑھ ضرور تھیں مگر جاہل ہرگز نہیں، میں نے بی اے تک تعلیم حاصل کی اپنے زمانے میں میرے تایا جی کو تعلیم سے بہت لگاؤ تھا پھر انہی کے بیٹے سے میری شادی ہو گئی یہ اپنے ماں باپ کے ایک ہی بیٹے ہیں اور ایک ان سے چھوٹی بہن جو بیاہ کر دوبئی چلی گئیں ان کا بہت بھرا پرا سسرال کافی عرصے سے وہی سیٹل ہے سویرا بھی انہی کی بہو ہے، میری ساس نے مجھے یہاں کے ماحول میں رچنے بسنے میں بہت مدد اور رہنمائی کی۔'' آنٹی زلیخا نے ذائریہ کی حیرت دور کرتے ہوئے اپنے خاندان کے بارے میں بتایا۔

''اوہ اچھی، لیکن آنٹی پلی بڑھی تو شہر میں ہی ناں، شہری آرام دہ زندگی چھوڑ کر یہاں گاؤں کے بالکل مختلف ماحول ان پڑھ، جاہل لوگوں کے درمیاں مشکل زندگی گزارنا بہت کٹھن نہیں تھا اور

پھر یہ لوگ تو دوسروں کی تعلیم کے بھی خلاف ہوتے ہیں۔'' ذائریہ نے پوچھا۔

''ارے نہیں میں تو بچپن سے ہی یہاں پر آتی جاتی تھی شہر کی افراتفری والی زندگی کی نسبت شروع سے میرا دل گاؤں کے پرسکون اور سادہ مزاج لوگوں کے درمیان لگتا تھا، ہمارا دادا اپنے زمانے کے پڑھے لکھے انسان تھے انہوں نے اپنے بچوں کو بھی تعلیم حاصل کرنے کا شوق منتقل کیا انہوں نے انگلش میں ماسٹر کیا ہمارے بچوں نے بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کی سویرا نے سوشیالوجی میں ڈگری لی اور سکندر نے ولایت سے جا کر زراعت میں اعلیٰ ڈگری حاصل کی زمین داری اس کی رگوں میں دوڑتی ہے اور اپنے شعبے میں ترقی کرنے کے لئے اس نے یہ ڈگری حاصل کی آج وہ اپنی زمینوں پر کاشت کاری کو اپنی تعلیم کو استعمال کر کے کر رہا ہے اور فروغ دے رہا ہے۔'' ذائریہ آنٹی زلیخا کے انکشاف پر چونکی۔

''خیر یہ باتیں تو ہوتی ہی رہے گیں اصل بات جو مجھے تم سے کرنی ہے وہ یہ ہے کہ تم جن حالات سے دوچار ہوئی ہو ہم ان سے بخوبی واقف ہیں اور ایسے حالات میں اپنے اور سکندر کے رشتے کو قبول نہ کر پانا تمہارا ایک فطری درعمل ہے تمہیں اس پر شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں آج سے تم اس گھر میں صرف سکندر کی منکوحہ بن کر ہی نہیں بلکہ ہماری بیٹی بن کر رہو گی اور مجھے امید ہے کہ بہت جلد اس ماحول سے مانوس ہو کر تمہارا دل اس نئے اور خوبصورت رشتے کو قبول کرے گا مجبوری کا بندھن زیادہ عرصہ چلتا نہیں ہمیں تمہاری صاف گوئی بے حد پسند آئی اور تمہارے دانشمندانہ عمل پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں ہاں جب تم اس نئے رشتے کو دل و جان سے قبول کر لو گی تو تب ہی ولیمے کی تقریب منعقد کی جائے گی۔'' آنٹی زلیخا نے اتنا کہہ کر کچھ لمحے تامل کیا اور پھر بے حد سنجیدہ لہجے میں اپنی بات بڑھائی۔

''اور اگر تم اس بندھن سے ناخوش ہو تو تم پر کوئی جبر نہیں تم مجھے بلا جھجک بتا دو اگر اس تعلق کو ختم کرنا ہے تو بھی میں اسے سکندر کے نصیب کی بدنصیبی ہی سمجھوں گی مگر اس سلسلے میں تم پر کوئی جبر نہیں تمہارے انکل کا بھی یہی خیال ہے۔''

''نہیں آنٹی میں اتنی بھی احسان فراموش نہیں، کیا میں نہیں جانتی ایسا کرنے سے آپ کو کس مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور پھر اس گھر میں میری مضبوط حیثیت کا تعین تو یہ تعلق ہی کرتا ہے ناں میں بس ابھی ذہنی طور پر خود کو اس قابل نہیں سمجھتی اور پھر آپ لوگوں کو چھوڑ کر میں جاؤں گی بھی کہاں اب بس کاغذی طور پر نام کے آگے ان کا نام لگا رہنے دے میرے لئے اتنا کافی ہے اور وہ چاہے تو دوسری شادی کرے مجھے کوئی اعتراض نہیں میں شاید ہی خود کو ان کی بیوی کے طور پر راضی کر پاؤں، آپ ان کی دھوم دھام سے دوسری شادی کر دیں مجھے کوئی اعتراض نہیں بے شک مجھ سے راضی نامے پر سائن کروا لے۔'' ذائریہ نے جلدی سے بات کو ایک انجام پر پہنچاتے ہوئے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''لگی یہ کیا بات کی تم نے اللہ خیر رکھے تم ہی اس حویلی کی اکلوتی بہو بنو گی بلکہ ہو بس وقت تم سے خود ہی اچھا فیصلہ کروا لے گا ہمیں اس کا یقین ہے اور آگے کی آگے دیکھی جائے گی تم یہ سب فکریں چھوڑو اور آرام سے اور حق سمجھ کر اس حویلی میں رہو سمجھی۔'' آنٹی زلیخا نے اس کی بات پر سرزنش کرتے ہوئے کہا۔

''ہونہہ ایسا تو کبھی ہو گا کہ میں اس جاہل گنوار کی بیوی بننا قبول کر لوں جس میں مجھے ملک

احسن کی جھلک نظر آتی ہے۔'' ذائریہ نے دل میں نفرت سے سوچا اور چپ رہی۔

''چوہدرانی جی منشی صاحب آئے ہیں ولیمے کے انتظامات کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔'' ملازمہ نے اندر آ کر اطلاع دی۔

''وڈے چوہدری کیتھے نیں (بڑے چوہدری کہاں ہیں؟)۔'' آنٹی زلیخا نے خالص پنجابی لہجے میں نوکرانی سے استفسار کیا اور ذائریہ کو ذرا بھی نہ لگا کہ ابھی چند لمحے پیشتر آنٹی اتنی صاف اردو بول رہی تھیں اب ان کا لہجہ صاف پنجابی لہجہ تھا ذائریہ ان کے انداز پر مسکرا کر رہ گئی۔

''وہ تو جی پیچھے حویلی یا ڈیرے پر گئے ہیں اسی لئے منشی جی آپ کو بلا رہے ہیں۔''

''ابھی ولیمہ تمہیں کرنا سویرا دوبئی سے آ جائے تو پھر دیکھتے ہیں کہہ دے ان سے۔'' زلیخا نے ملازمہ سے کہا۔

''اچھا سن میں خود ہی انہیں جا کر بتاتی اور سمجھاتی ہوں تو جا کر اوپر کے کمروں کی صفائی کر اور بہو رانی جس کمرے کو سیٹ کرنے کا کہیں اس کی اچھی سی صفائی کروا باقی کا کام میں خود آ کر دیکھتی ہوں، بیٹا اوپر جا کر کمرہ پسند کر کے اسے بتا دینا۔'' آنٹی زلیخا نے ملازمہ کو روکتے اور دوسری ہدایت جاری کرتے ہوئے بیڈ سے اٹھتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی ذائریہ کو بھی تلقین کی اور اس کے ساتھ ہی وہ کمرے سے نکل گئیں۔

ذائریہ سینے سے لمبا سانس خارج کر کے رہ گئی اور پھر کچھ دیر بعد کمرہ اور اپنا سامان چیک کرنے باہر کی جانب بڑھ گئی وہ اس سوٹ سے جلد از جلد نجات حاصل کرنا چاہتی تھی سامان میں اپنا کوئی دوسرا سوٹ نکال کر ایک اچھا سا شاور لے کر وہ پرسکون ہونا چاہتی تھی لیکن سکون تو اب اس کے نصیب میں تھا ہی نہیں سکندر نامی تلوار تو اب تمام عمر اس کے سر پر جو لٹکی رہتی تھی وہ تلخی سے سوچ کر رہ گئی۔

☆☆☆

اوپری منزل پر اسے سکندر کے کمرے کے مقابل بالکل دوسرے کونے کا کمرہ پسند آیا تھا بڑا ہوادار اکشادہ بالکل اس کے اپنے گھر کے کمرے جیسا کمرہ کی ایک کھڑکی باہر ڈریم گارڈن میں کھلتی تھی جس کے آگے چھوٹی سی بالکونی بھی تھی، تو دوسری اندرونی پرانی حویلی میں جسے دیوار کر کے بیرونی حویلی یا کوٹھی سے الگ کر لیا گیا تھا اور رابطے کے لئے ایک دروازہ موجود تھا بیرونی حویلی پکے فرش کی بنی ہوئی تھی خالص دیہاتی انداز کے دو کمرے اور پھر ذرا آگے جا کر جانوروں کا باڑہ پورا ڈیری فارم ہی تھا جس پر کشادہ صحن میں بیٹھے آرام سے نظر رکھی جا سکتی تھی بالکل دیہاتی کلچر کی عکاسی ہوتی تھی یہاں پر ہینڈ پمپ، ٹیوب ویل، چارہ کاٹنے والا ٹوکا اور پھر بڑا سا گیٹ باہر کی جانب کھلتا تھا جہاں سے دور تک پھیلے کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا ٹریکٹر ٹرالی کا گیراج بھی یہیں موجود تھا جیسے ہی دروازہ عبور کر کے اندر داخل ہوتے ایک صاف ستھرا پکا فرش جس کی ایک سائیڈ پر دو کمرے تھے جو شاید گودام وغیرہ کے لئے استعمال ہوتے ہوں گے آگے ان کے برآمدہ تھا جن میں بڑے بڑے پڑولے رکھے گئے تھے گندم کے دانے محفوظ رکھنے کے لئے پھر ایک چبوترہ تھا جس کے اردگرد سیمنٹ کی جالی نما چھوٹی سی دیوار تھی اس کے اندر سیمنٹ اور مٹی کے بنے دیہاتی طرز کے چولہے نصب کیے گئے تھے جن میں اپلے اور لکڑی وغیرہ جلا کر ہانڈی روٹی کی جاتی تھی، ذائریہ کمرے کا انتخاب کر کے چھمو ملازمہ کے ساتھ ہی پوری حویلی دیکھنے آئی

تھی بیرونی حویلی کو تو دیکھ ہی چکی تھی بالکل جدید طرز کی تعمیر شدہ کوٹھی تھی جس کے پورچ میں دو پراڈو کھڑی ہوئی تھیں اور بائیں جانب وسیع ڈریم گارڈن نظر آتا تھا اصل اشتیاق تو اسے اندرونی اور پرانی حویلی دیکھنے کا تھا جس کے بارے میں ابھی چھمو نے بتایا تھا آنٹی زلیخا دیہاتی طرز کے کھلے کچن میں ہی ایک پیڑھی پر بیٹھیں چولہے پر کچھ پکا رہی تھیں دھوپ نے حویلی کا ہر طرف سے گھیراؤ کر لیا تھا چبوترے پر بھی اچھی خاصی دھوپ اور گرمی پھیل چکی تھی آنٹی زلیخا اسے یوں اس جگہ پر آتا دیکھ کر خوش آمدید انداز میں اٹھیں تھیں اور بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

''آنٹی آپ یہاں کیا بنا رہی ہیں اور وہ بھی اتنی گرمی اور دھوپ میں؟'' ذائریہ جو ابھی ابھی نہا کر نکلی تھی عام سے سادہ سوٹ اور نکھرے حسن کے ساتھ بھی آنکھوں میں کھب رہی تھی قدرے بڑھے ہوئے گیلے بالوں کو سلیقے سے دوپٹے میں چھپائے وہ شفاف کلی کی مانند نظر آ رہی تھی، ذائریہ نے یونہی برسبیل تذکرہ پوچھا۔

''ارے بیٹا زیادہ تر میں اس وقت یہی پر ہوتی ہوں گاؤں کے سارے کام یہی پر ہوتے ہیں دودھ، لسی، دہی وغیرہ بنانا اور آج تو میں کھیر پکا رہی ہوں سکندر پتر کو اس آگ پر پکی کھیر بڑی پسند ہے وہ کہتا ہے جلتی ہوئی لکڑی کے دھویں کی مہک جو کھانوں میں آ کر لذت بڑھاتی ہے وہ گیس پر پکے کھانوں میں نہیں آئی اس لئے زیادہ تر میں اسی چولہے پر ہانڈی روٹی کرتی ہوں اس کچن کے لئے تو خانساماں رکھا ہوا ہے، عوتوں میں وہی زیادہ تر پکاتا ہے۔'' آنٹی زلیخا نے تفصیل سے ذائریہ کو جواب دیا۔

''تم گھومو پھرو میں ذرا کھیر کو دیکھ لوں چھمو جادھی رانی کو آگے حویلی کی سیر کرا ڈیری فارم دکھا۔''

''نہیں نہیں آنٹی مجھے بھینسوں سے بڑا ڈر لگتا ہے۔'' ذائریہ بدکی۔

''اوہ نئیں پتر وہ تو بندھی ہوئی ہیں بڑی نمانی اور معصوم ہوتی ہیں، وہاں پر گھوڑے وغیرہ بھی ہے سکندر کی ایک گھوڑی نے بڑا پیارا سا بیٹا پیدا کیا ہے اور ایک بکری کے دو میمنے بھی ہیں۔'' آنٹی زلیخا نے اس کی تسلی کرنی چاہی۔

''گھوڑے کا بیٹا مطلب، گھوڑے کا بچہ۔'' ذائریہ نے ہلکے سے شرارتی انداز میں کہا۔

''اللہ تجھے یونہی خوش رکھے دھی رانی یعنی وہ گھوڑی ہم سب کی بڑی پیاری ہے سکندر کی تو جان ہے اس میں اس لئے ہم اس کے بچے کو بیٹا ہی بولتے ہیں جا چھمو لے جا دھی رانی کو سیر کرا اچھی طرح ڈرنا مت سب جانور بندھے ہوئے ہیں۔'' آنٹی زلیخا نے ذائریہ کے یوں کہنے پر نہال ہوتے ہوئے ملازمہ سے کہا اور خود چبوترے کی جانب بڑھ گئیں، ذائریہ قدرے اشتیاق سے چھمو کے ساتھ آگے بڑھی اسے کبھی بڑا شوق تھا گاؤں کا اصل اور دیہاتی کلچر دیکھنے کا تایا عالم کے گھر تو یہ شوق پورا ہو ہی نہ سکا تھا اب وہ ہر فکر بھلائے آگے کی جانب بڑھی اسے واقعی گھوڑے کا بچہ دیکھنے کا شوق ہو رہا تھا صحن اور جانوروں کے باڑے کے درمیان ایک چھوٹی سی دیوار موجود تھی جس میں ایک سائیڈ سے آمدورفت کے لئے کھلی جگہ چھوڑی گئی تھی اور پھر مشرق کی جانب ایک بڑا سا ڈیری فارم موجود تھا۔

یہ ایک جدید طرز کا ڈیری فارم تھا بڑے سے برآمدے میں ایک سائیڈ پر اصطبل اور دوسری جانب آٹھ آٹھ فٹ کی دیواریں کھڑی کر کے بیچ گائے بھینسیں وغیرہ بندھی ہوئی تھی

درمیان میں چلنے کے لئے کشادہ راستہ موجود تھا یہاں پر بھی صفائی کا خیال رکھنے کی کوشش کی گئی تھی، ہر طرف ملازموں کی چہل پہل تھی جو اپنے روزمرہ کا کام سرانجام دے رہے تھے۔

ذائریہ ڈری ڈری اور جھجکی سی ملازمہ کے ہمراہ آگے بڑھ رہی تھی اسے لگ رہا تھا کہ بھینسیں اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اسے ہی گھور رہی تھیں جگالی کرتے ہوئے جب وہ اپنے بڑے بڑے سینگوں والے سر کو گھما کر جسم پر بیٹھی مکھیاں اڑاتیں تو ذائریہ اندر سے ڈر ہی جاتی کہ ان میں سے اگر کوئی کھل گئی تو اسے ہی آکر ٹکر دے مارے گی اجنبی تو وہ تھی ہی اس جگہ پر چھمو بڑے آرام اور بے فکری سے آگے بڑھ رہی تھی۔

''خواہ مخواہ ہی آگئی ادھر۔'' ذائریہ دل میں پچھتائی۔

''اوہ چھمو یہ دودھ والی بالٹی اٹھالے ادھر سے اور مجھے دوسری پکڑا۔'' اس آواز پر ذائریہ نے اپنے دائیں جانب دیکھا جہاں پر سکندر ایک بھینس کے پاس بیٹھا اس کا دودھ دھو رہا تھا اس وقت قمیض کے بازو فولڈ کیے وہ بالکل دیہاتی نوجوان لگ رہا تھا ذائریہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں بھی حیرت نمودار ہوئی لیکن دوسرے ہی پل اسے اگنور کر کے سر جھک کر وہ اپنے سابقہ کام میں پھر مشغول ہو گیا، ذائریہ اسے خود دودھ دھوتا دیکھ کر حیران رہ گئی۔

''بی بی جی میں ذرا یہ دودھ کی بالٹی چوہدرانی جی کو دے آؤں ایک منٹ ٹھہرے جی۔'' چھمو نے دودھ سے بھری بالٹی اٹھائی اور پیچھے کی جانب پلیٹ گئی سکندر کو دوسری خالی بالٹی دینا وہ بھولی نہیں تھی سکندر اپنے کام میں مگن تھا ذائریہ کو بھینس کے تھنوں سے دودھ نکلتا دیکھ کر اپنے ہاتھوں میں عجیب سی گدگدی اور الجھن کا احساس جاگا۔

''نج۔'' منہ میں بدبداتی وہ آگے بڑھی ویسے بھی فضول میں یہاں کھڑے ہونا اسے اچھا نہیں لگا تھا خواہ مخواہ موصوف کسی خوش فہمی کا شکار ہو گئے یہ سوچ کہ وہ تیزی سے آگے بڑھی اور سامنے سے اپنی جانب آتے کھلے ہوئے قدرے بڑے کٹے کو دیکھ کر اس کی روح فنا ہو گئی یقیناً اس کی رسی کھل گئی تھی یا اس نے تڑوالی تھی اور اب وہ سیدھا اسے ٹکر مارنے اس کی جانب تیزی سے بھاگتا آرہا تھا۔

ذائریہ بدحواس ہو کر تیزی سے پلٹ کر دوڑی چھمی اپنے دھیان میں بالٹی اٹھائے سکندر سے بری طرح ٹکرا گئی دھکا لگنے سے بالٹی گر گئی اور سارا دودھ بہہ گیا۔

''اوہ تیری۔'' سکندر بڑبڑایا۔

''ڈاکٹرنی جی آنکھیں کھولے وہ بے چارہ آپ کی غلط فہمی سے بے خبر سیدھا آگے اپنی ماں کی جانب بڑھ گیا ہے۔'' بدحواس سی ذائریہ کی اوٹ میں سختی سے فولڈ کی گئی قمیض سکندر کے بازو کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے آنکھیں میچیں تصور میں اپنی جانب کٹے کو آتا دیکھ کر گھبرائی کھڑی تھی سکندر کی آواز سن کر جھٹ آنکھیں کھولیں اور سامنے کٹے کو اپنی ماں کا دودھ پیتے دیکھ کر بری طرح شرمندہ ہو گئی۔

''ہاں ہائے یہ کیا ہوا؟'' چھمو نے قریب آتے بہے دودھ کو دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

''کچھ نہیں صاف کر دے اسے اور اب اپنی بی بی جی کو کلا (اکیلا) نہ چھوڑنا ورنہ آج فرش دودھ سے ہی دھلے گا۔'' سکندر نے ملازمہ سے کہا اور شرارتی انداز میں ذائریہ کی جانب دیکھا جس کا خفت سے چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔

''ہائے۔'' سکندر نے اپنے بازو پر ہاتھ

دھرتے کراہا۔

''کیا ہوا جی؟'' چھمو نے جھٹ پریشانی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں زخم دکھ گیا ہے۔'' سکندر نے سہلاتے ہوئے کہا اس کے لب شرارت سے مسکرا رہے تھے۔

''آپ کو کہا تھا وڈی چوہدرانی جی نے کہ دودھ نہ دھوئیں زخم کچا ہے ابھی۔'' چھمو نے کہا۔

''اوہ نہیں دودھ دھونے سے کیا ہوتا ہے یہی تو کسی نے بڑی زور سے دبایا ہے سن چھمو اس کٹے کو آج سارا دودھ پینے دینا بڑا کرم ہوا ہے مجھ پر اس کی وجہ سے۔'' سکندر نے شرارتی نظروں سے ذائریہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا اور اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر ذائریہ کے گال تمتما اٹھے غصے اور احساس شرمندگی سے دوچار وہ فوراً واپس جانے کے لئے مڑ گئی۔

''بدتمیز، جاہل گنوار کہیں سے بھی باہر کی یونیورسٹی کا پڑھا نہیں لگتا پینڈو گنوار۔'' ذائریہ نے دل میں بڑبڑاتے سکندر کے انداز پر اسے برے القابات سے نوازا اور اپنے پیچھے سکندر کا قہقہہ سن کر اس کے قدموں میں تیزی اور غصے میں اضافہ ہو گیا اور چھمو ناسمجھی کے عالم میں دونوں کو دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

کمرے کے دروازے پر دستک دے کر انکل رب نواز اندر داخل ہوئے تھے جنہیں دیکھ کر ذائریہ احتراماً اٹھ کھڑی ہوئی تھی ابھی اس کا قیام گیسٹ روم میں عارضی طور پر تھا کہ اس کے کمرے میں نیا فرنیچر ڈلوانے والا تھا۔

''بیٹھو بیٹھو بیٹا جی کیا حال ہے؟ معذرت بھئی وہ گندم کی کٹائی اختیام پر ہے آج کل ہم سب اسی میں مصروف ہیں اس لئے آپ سے باقاعدہ ملاقات نہیں ہو پا رہی آئی ہوپ میرا بیٹا اس کو مائینڈ نہیں کرے گا۔'' انکل نے صوفے پر بیٹھتے اور سامنے سنگل صوفے پر ذائریہ کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے اپنے نرم لہجے میں کہا ان کی گریس فل شخصیت پر دیہاتی لباس کے ساتھ اتنے اچھی انداز گفتگو بہت سجتی اور پر لطف لگتی تھی۔

''نہیں انکل اٹس اوکے۔'' ذائریہ نے نرمی سے کہا۔

''ہوں ذائریہ بیٹا مجھے آپ سے چند بڑی ضروری باتیں کرنی ہیں۔'' انہوں نے گفتگو کا آغاز کیا اور نہ جانے کیوں پرسوں رات سکندر کا اسے ان کے سامنے لا کر غصہ کا اظہار اور اس کی بات کا برملا تذکرہ کرنا یاد آ گیا جس کی بناء پر وہ انکل سے نظریں بھی نہیں ملا پا رہی تھی، ''کیا تھا اگر وہ یہ بات اپنے تک ہی محدود رکھتا۔'' نظریں جھکائے اس نے کتنی بار سوچی بات ایک بار پھر سوچی۔

''نہ جانے اس رات پھر ان تینوں کے درمیان کیا بات ہوئی۔''

''آپ کے تایا جان کے متعلق ایک خبر ملی تھی پنچائیت والے روز میں نے اپنا ایک آدمی انہیں بلوانے کے لئے ان کے گاؤں بھیجا تھا وہیں خبر لے کر آیا تھا سچوئیشن ایسی تھی کہ میں تذکرہ نہیں کر پایا۔'' کچھ توقف کے بعد وہ گویا ہوئے اور پھر رکے ذائریہ نے سوالیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھا۔

''میرے بندے کی خبر کے مطابق آپ کے تایا جان کو کچھ عرصہ قبل فالج کا شدید اٹیک ہوا تھا جس میں ان کا تمام جسم مفلوج ہو گیا ہے حتیٰ کہ وہ اب بول بھی نہیں سکتے سوائے آنکھیں جھپکنے اور سننے کے اب وہ اور کچھ نہیں کر سکتے قدرت

نے ان سے ان کے مظالم کا حساب لیا ہے اور جو کہ بہت عبرت ناک ہے۔'' انکل رب نواز کی اطلاع پر ذائریہ اپنی جگہ پر ساکت بیٹھی رہ گئی تھی خبر ایسی تھی جس پر وہ خوش ہو سکی تھی نہ افسردہ اس وقت اسے خود اپنے احساسات کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

''آہ، خیر اللہ رحم کرے کل حسین، ملک حسین آیا تھا۔'' ذائریہ اس بات پر بری طرح سے چونکی اور گھبرا گئی تھی۔

''نہ بیٹا نہ گھبرانے والی یا ڈرنے والی کوئی بات نہیں تم اب چوہدریوں کی عزت ہو تمہیں نقصان دینے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے ایک خاص کام کے سلسلے میں آیا تھا وہ ایک تجویز لے کر آیا تھا اسی کا مشورہ کرنا ہے تم سے۔'' انکل رب نواز نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''کیسی تجویز؟'' ذائریہ نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کے دادا نے جو پچیس ایکڑ زمین وصیت میں آپ کے نام کی ہے اور نکاح کے بعد وہ قانونی طور پر آپ کے نام منتقل بھی ہو چکی ہے ان کا ارادہ ہے اسے خریدنے کا ہے اگر آپ اسے بیچنے پر تیار ہوں اس طرح سے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس جھگڑے کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔''

''میں سمجھی نہیں انکل؟ خریدنے کا؟ آئی مین.....'' ذائریہ نے الجھتے ہوئے بات ادھوری چھوڑی۔

''بیٹا وہ پچیس ایکٹر زرخیز زمین ہے جو کاشت کے لئے وہی استعمال کر رہے تھے اب ظاہر ہے آپ تو اسے کاشت نہیں کریں گیں وہاں جا کر اور یوں اتنی زرخیز زمین بنجر پڑی رہے گی اور اس کے بجائے کہ آپ اسے کسی اور کے ہاتھوں فروخت کریں وہ اسے خریدنے پر تیار ہیں اس زمین کی مالیت تقریباً ایک کروڑ سے زیادہ بنتی ہے مشترکہ طور پر وہ خاندان بھی اتم بانٹ کر اس کی قیمت ادا کرنے کو تیار ہیں حسین کا کہنا تھا کہ باپ کی حالت دیکھ کر اسے نصیحت حاصل ہوئی ہے اور اس جھگڑ کو طول دینے کی بجائے ختم کرنا چاہتا ہے۔'' انکل رب نواز نے اسے تفصیل سے آگاہ کیا۔

ذائریہ دل میں اس تجویز پر رضامند تھی مگر وہ چپ ہی رہے اور پھر کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

''انکل آپ کیا کہتے ہیں؟''

''بیٹا میں اس سلسلے میں آپ کو کوئی مشورہ نہیں دوں گا اس میں قطعی آپ کی اپنی مرضی ہو گی کیونکہ وہ زمین آپ کی ہے اس کا کیا کرنا آپ کو خود سوچنا ہے، بیٹا شک اور بدگمانی انسانی رشتوں پر زنگ کا کام سرانجام دیتے ہیں ایسا زنگ جس کی وجہ سے مضبوط لوہا بھی آخر کار ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں، سکندر سے نکاح میں نے کسی جائیداد کا مالک بننے کے لئے آپ کا نہیں کروایا اس سے آپ باخوبی واقف ہیں اس لئے میری خواہش ہے کہ اس بات کا فیصلہ آپ خود کریں کہ اس زمین کا آپ کو کیا کرنا ہے۔'' انکل رب نواز نے واضح انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔

''آپ نے نہیں تو آپ کے بیٹے نے تو اسی زمین کے لالچ میں نکاح کیا ہے نا۔'' ذائریہ نے دل میں سوچا۔

''او کے انکل مجھے کچھ سوچنے کا موقع دیں میں سوچ کر آپ کو بتاتی ہوں۔'' ذائریہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''او کے بیٹا لنچ پر ملاقات ہوتی ہے آج آپ کی آنٹی نے بھی مرغی اور کھیر بنانے کا اہتمام کیا خاص سکندر کی فرمائش پر اور وہ بہت لذیز کھانا

پکاتی ہیں۔'' انکل رب نواز نے خوش دلی سے کہا اور اٹھ کر کمرے سے نکل گئے۔

ذائریہ کو کیا فیصلہ کرنا تھا وہ باخوبی سوچ چکی تھی وہ اپنی آئندہ زندگی کا بھی فیصلہ کر چکی تھی ان دونوں فیصلوں سے آگاہ کرنے کا موقع سوچ لیا تھا اس نے جب سکندر بھی وہاں پر موجود ہو گا اسے یقین تھا کہ اس کے فیصلوں پر سکندر کو اعتراض ہو گا اور وہ بھڑک اٹھے گا زمین کا فیصلہ سن کر وہ کسی بھی صورت ہاتھ آئی جائیدادیوں ہاتھ سے گنوانے والا نہیں تھا ایک لالچی زمین دار کی فطرت سے وہ بے خوبی آگاہ ہو چکی تھی اور اس کا ایسے مشتعل ہونا ہی ذائریہ کے لئے سودمند ثابت ہو گا اس کے ردی کو بنیاد بنا کر وہ اپنے دوسرے فیصلے کو آسانی سے منوا سکے گی یہ سوچ کر ذائریہ کے لبوں پر زہرخند سے مسکراہٹ نمودار ہو کر معدوم ہو گئی اور وہ اپنا فیصلہ سنانے اٹھ کر ڈائننگ ٹیبل کی جانب چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی بڑھ گئی۔

☆☆☆

''انکل میں نے سوچ لیا ہے کہ مجھے اس جائیداد کا کیا کرنا ہے جو میرے لئے کسی عذاب سے کم ثابت نہیں ہوئی۔'' کھانا کھاتے سکندر کی موجودگی میں ذائریہ نے بات کا آغاز کیا۔

''انکل آپ ان لوگوں سے اس زمین کو بیچنے کے معاملات طے کر لیں میں وہ زمین ان لوگوں کو بیچنے کو تیار ہوں۔'' انکل رب نواز کی سوالیہ نظروں کا جواب دیتے ہوئے اس نے اپنے تئیں ایک دھماکہ کیا مگر سکندر خاموشی سے کھانے میں مگن رہا اس کی طرف وہ ردعمل بالکل سامنے نہ آیا جس کا ذائریہ نے تصور کر رکھا تھا ذائریہ کو اس کی بیگانگی پر حیرت اور غصہ آیا۔

''میسنا اپنی اصلیت سب کے سامنے تو ظاہر نہیں ہونے دے گا۔''

''اور انکل اس زمین کو بیچ کر جو بھی رقم وصول ہو گی میں اسے بینک میں رکھوانا چاہوں گی اور اسی رقم سے اسپیشلائزیشن کے لئے باہر کے ملک جانا چاہتی ہوں۔'' ذائریہ نے اپنی بات مکمل کی اس کی دوسری بات سن کر ایک پل کو وہ سب اپنی جگہ خاموش بیٹھے رہ گئے مگر کہا کسی نے کچھ نہیں۔

''او کے بیٹا جی ایز یو وش میں ان سے تمام معاملات طے کر لوں گا، رقم بینک میں ہی جمع کروائی جائے گی یو ڈونٹ نیڈ ٹو وری۔'' انکل نے گویا بات ہی ختم کر دی، سکندر اب بھی جلدی جلدی کھانا کھانے میں مصروف تھا۔

''پتر اتنی جلدی کس بات کی ہے آرام سے کھانا کھا۔'' آنٹی زلیخا نے ماحول میں چھائی خاموشی دور کرنے کے لئے ٹوکا جو کھانا جلدی ختم کر کے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''ماں جی شہر جانا ہے ڈاکٹر لانے کے لئے رانی کی طبیعت ٹھیک نہیں بخار تیز ہو گیا ہے اسے اس کا چیک اپ کروانا ہے اور پھر گندم کی کٹائی ہو رہی ہے تھریشر لگا ہوا ہے اس پر بھی چکر لگانا ہے بابا آپ کچھ دیر آرام کریں میں بھی سیدھا تھریشر کی طرف ہی جاؤں گا پھر شہر، کچھ دیر بعد آپ اپنی نگرانی میں جا کر کام دیکھ لیجئے گا۔'' سکندر نے کھڑے کھڑے دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا سفید کاٹن کے کلف زدہ کڑکڑاتے سوٹ میں اس مردانہ وجاہت بہت نمایاں ہو رہی تھی ذائریہ کے دل نے سرگوشی کی ذائریہ نے جلدی سے نظریں جھکائیں اپنے دل کی اچھی خاصی کمرے میں جا کر کلاس لینے کا ارادہ کیا تھا دل کی نہ سننے کی تو اس نے قسم کھا لی تھی زندگی کے بارے میں وہ ایک صاف اور واضح منزل کا انتخاب کر چکی تھی

اس کے لئے اپنے نام کے آگے سکندر کا نام بس خود کو کٹی پتنگ بننے سے محفوظ رکھنے کے لئے کافی تھا اور اسے اس رشتے اس تعلق سے کچھ اور نہیں چاہیے تھا باہر کے ملک جا کر اسپیشلائزیشن مکمل کر کے وہیں پر تمام عمر کسی ہسپتال میں جاب کر کے زندگی گزارنے کا وہ فیصلہ کر چکی تھی سکندر دوسری تو کیا تیسری شادی بھی کرے اسے اس سے کوئی سروکار نہ ہے اور نہ رہے گا وہ اپنی آئندہ زندگی کیسے گزارے گی اس کی وہ پلاننگ کر چکی تھی اٹل پلاننگ۔

''ارے ہاں بابا جی مجھے یاد آیا آج رات منصور کی مہندی ہے میں کام سے فارغ ہو کر ادھر ہی چلا جاؤں گا۔'' سکندر نے جاتے جاتے مڑ کر یاد آنے پر کہا۔

''خیری سلا پتر پر ذرا وقت پر واپس آ جانا ہلہ گلہ تو ساری رات چلے گا زیادہ دیر نہ لگانا۔'' آنٹی زلیخا نے ہاٹ پاٹ میں روٹی نکال کر چوہدری رب نواز کی پلیٹ میں رکھتے جلدی سے سکندر کو ہدایت کی اور ذائریہ کو تایا عالم کے گھر مہندی کا فنکشن یاد آ گیا۔

''یقیناً یہاں پر بھی شباب اور شراب کا اہتمام ہو گا جبھی مہندی کے فنکشن پر جانے کو بے تاب ہیں موصوف نشے میں دھت کمائی دولت کو ناچنے والیوں پر لٹاتے اور ایک دوسرے پر سے شقت لے جاتے جاہل گنوار لوگ۔''

''ڈاکٹرنی جی میں شہر جا رہا ہوں اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے تو بتا دیں۔'' اپنی سوچوں میں غلطاں ذائریہ کو اچانک سکندر نے براہ راست مخاطب کیا تھا جس پر چونک کر وہ سٹپٹا کر رہ گئی تھی ہمیشہ کی طرح ڈاکٹرنی کہنے پر اس کے ماتھے پر ناگوار لکریں ابھریں تھیں اور اس نے نفی میں سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

''او کے اللہ حافظ۔'' اتنا کہہ کر سکندر باہر نکلتا چلا گیا تھا اور آنٹی زلیخا کی کچھ دیر تک دھیمی آواز میں اس کے لئے دعائیں جاری رہی تھیں۔

مرغی کو آسمان پر اڑتی چیل سے خطرہ محسوس ہوا تھا تبھی اپنی ایک مخصوص آواز نکال کر اِدھر اُدھر پھدکتے جیسے چوزوں کو اس نے اکٹھا کر کے اپنے پروں تلے چھپا لیا تھا۔

''ممتا کا احساس کمزور کو بھی طاقتور بنا دیتا ہے یہ مرغی اپنے سے طاقتور اور مضبوط پرندے سے لڑنے کو تیار ہے اپنے بچوں کو اپنے پروں تلے چھپا کر گویا اس نے انہیں ہر قسم کے خطرے سے محفوظ کر لیا ہے اور جن کی ماں نہ ہو ان کے لئے زندگی میں قدم قدم پر درپیش خطرات کا سامنا کتنا دشوار ہوتا ہے۔'' کب سے ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی ذائریہ نے سوچا جو اگلے روز صبح سویرے سے ہی برآمدے میں ایک پیڑھی پر براجمان بوریت سے آنٹی زلیخا اور باقی لوگوں کو کام کرتا دیکھ رہی تھی اس کے کمرے کے لئے فرنیچر وغیرہ خرید کر لایا جا چکا تھا سکندر کل شہر گیا تھا شاید وہی لایا تھا اب پھمو اور ایک دو ملازم مل کر اسے اس کے منتخب کردہ کمرے میں سیٹ کر رہے تھے بور ہو کر وہ گھر کے پچھلے حصے میں چلی آئی جسے سب پرانی حویلی کہتے تھے آنٹی زلیخا کام کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ بھی چھوٹی چھوٹی اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے اسے کمپنی دینے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''چوہدرانی جی مہمان خانے میں کچھ پروفیسر آئے ہیں جی، چوہدری سکندر نے لسی پانی کا انتظام کرنے کو کہا ہے جی۔'' ایک ملازم نے اس دروازے سے داخل ہوتے ہوئے زلیخا کو آگاہ اطلاع دی جو نئے پورشن جسے سب نئی کوٹھی کہتے تھے میں کھلتا تھا۔

''لسی تیار ہے اندر سے شیشے کا جگ گلاس لے کر آ اور ڈال کر دے آ۔'' آنٹی زلیخا نے ملازمہ کو کہا اور خود چارپائی کی جانب بڑھ گئیں سکندر کا نام سن کر ذائریہ کو آدھی رات کا وہ حیرت ناک انکشاف یاد آ گیا جس پر وہ ابھی تک حیران اور اسی وجہ سے چپ چپ سی تھی گیسٹ روم میں سوئے ہوئے اچانک اس کی آنکھ بجتے گٹار کی دھیمی آواز پر کھلی تھی وہ خود بھی میوزک کی دلدادہ تھی بے حد حیران ہوئی کہ اس وقت یہاں کون گٹار بجا رہا ہے ساز اور موسیقی کے بارے میں اس کی معلومات بے حد اچھی تھیں اور کیوں نہ ہوتیں اس کے نانا جان کا تعلق بھی تو موسیقی سے تھا موسیقی سے پیار تو اسے ورثے میں ملا تھا گیسٹ روم بھی اوپری منزل پر تھا ذائریہ دوپٹہ اوڑھ کر تجسس کے ہاتھوں کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی آواز کا تعین ہوتے ہی وہ حیران رہ گئی گٹار پر چھیڑی گئی خوبصورت اور مدھر دھن کی آواز بلاشبہ سکندر کے کمرے سے آ رہی تھی اس کے کمرہ کا دروازہ بند تھا اور اپنے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ اس کے کمرے کی جانب جانے یا اندر جھانکنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی کچھ دیر سناٹے میں گونجتی رسیلی دھن سے محظوظ ہو کر وہ اپنے کمرے میں چلی آئی اور بیڈ پر لیٹ کر الٹی سیدھی سوچوں کو سوچتے آخر کار سو گئی۔

''چہ میں بھی کتنی پاگل ہوں ضروری تو نہیں کہ گٹار سکندر ہی بجا رہا ہو ہو سکتا ہے اس نے گٹار کی دھن کی کوئی کیسٹ لگائی ہو اور مجھے کیا لگے وہ بجائے یا نہ، مجھے اس کے متعلق کچھ بھی جاننے یا سوچنے کی قطعی ضرورت نہیں۔'' ذائریہ نے ایک خیال کے آتے ہی چونک کر سوچا اور ساتھ ہی خود کو دل ہی دل میں سرزنش بھی کی۔

''ہاں بجائے یا سنے مگر ذوق تو بہت اعلیٰ ہے کتنی مدھر اور خوبصورت دھن بج رہی تھی رات کی تنہائی میں۔'' دل کی سرگوشی پر وہ بس اسے گھور کر ہی رہ گئی یہ دل آج کل اس کے ہاتھوں سے نکلنے کے چکر میں تھا جو ذائریہ کو مر کر بھی گوارا نہ تھا، لیکن وہ جانتی نہیں تھی نکاح کا پاکیزہ بندھن دو دلوں میں محبت خود پیدا کر دیتا ہے۔

''ذائریہ پتر ان کاغذات پر دستخط کر دو۔'' اپنی سوچوں میں مستغرق ذائریہ کو آنٹی زلیخا نے کچھ کاغذات اس کی جانب بڑھاتے متوجہ کیا تھا۔

''یہ کیا ہے آنٹی؟'' ذائریہ نے کاغذات کی فائل اور قلم ان کے ہاتھ سے لیتے حیرت سے پوچھا۔

''یہ زمین فروخت کے کاغذات ہیں اندر مہمان خانے میں تمہارے تایا زاد بھائی حسین اور کچھ لوگ آئے بیٹھے ہیں تم دستخط کر دو تو یہ کاغذات لے کر وہ چلے جائیں رقم وہ اپنے ساتھ لے کر آئے ہیں تمہارے انکل نے کہا ہ کہ ان پر سائن کر دو اور ہاں انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جلدی سے تیار ہو جاؤ ابھی شہر بینک میں جا کر اپنا اکاؤنٹ کھلوا کر رقم کو وہاں جمع کروا آؤ۔'' آنٹی زلیخا نے اسے تفصیلاً بتایا اور ذائریہ نے کاغذات پڑھ کر ان پر دستخط کر دیئے اور چیک کرنے کے لئے چپ چاپ گیسٹ روم کی جانب بڑھ گئی چادر اوڑھ کر جب وہ آنٹی زلیخا کی سنگت میں پورچ میں آئی تو ڈرائیونگ سیٹ پر سکندر کو بیٹھا دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

''سکندر پتر! ذائریہ بیٹا کا اے ٹی ایم کارڈ بھی بنوا لینا تاکہ انہیں رقم نکلوانے میں سہولت رہے اور اپنی مرضی سے جب چاہے نکلوا سکیں تمہارے بابا جی نے خاص طور پر یہ ہدایت کی ہے۔'' آنٹی زلیخا نے آگے بڑھ کر سکندر کو بتایا

جس پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''آنٹی! انکل کہاں ہیں وہ ساتھ نہیں جائیں گے؟'' ذائریہ نے پوچھا۔

''نہیں بیٹا وہ اندر مہمان خانے میں ان لوگوں کے پاس ہی بیٹھے ہیں رقم خیر خیریت سے بینک میں جمع ہو جائے اور تم لوگوں کی واپسی تک وہ لوگ یہیں پر موجود رہیں گے احتیاط کا یہی تقاضہ ہے اس لئے۔'' آنٹی زلیخا نے ذائریہ کو سمجھایا۔

''ماں جی جلدی کریں مجھے ان کا ڈرائیور بننے کے علاوہ اور بھی بہت سے کام ہیں۔'' سکندر نے اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھنے سے گریز کرتی کھڑی ذائریہ کی جانب دیکھتے اکھڑ لہجے میں کہا، اسے ذائریہ کا گریز تیا گیا تھا۔

''اچھا اچھا ہر وقت مٹی کا تیل نہ بنا رہا کر تھوڑی سی چنگاری سے ہی بھڑک اٹھتا ہے جا پتر رب راکھا تم لوگوں کے پیچھے گارڈ کی بھی گاڑی رہے گی یہ کام نبٹ جائے تو سکون کا سانس آئے جا شاباش۔'' آنٹی زلیخا نے سکندر کو ڈپٹتے اور ذائریہ کو جانے کے لئے کہا جو سکندر کی بات پر اندر ہی اندر تلملا کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی سکندر نے ایک جھٹکے سے گاڑی سٹارٹ کی اور شہر کی جانب جاتی سڑک پر تیز رفتاری سے گاڑی بڑھا دی ٹوٹی پھوٹی سڑک کے وجہ سے گاڑی اچھے خاصے ہچکولے رہی تھی اور بار بار چھوٹے موٹے گڑھوں سے گزرتی اچھل رہی تھی ذائریہ کو بھی اچھے خاصے ہچکولے آ رہے تھے بھی اس کی نظر ہچکولوں کی وجہ سے پچھلی سیٹ کے اندر رکھی لڑھک کر باہر آنے والی بوتل پر پڑی اور ذائریہ کا غصہ تنفر میں بدل گیا، یقیناً رات مہندی کے فنکشن میں موصوف اس بوتل میں موجود مشروب سے دھت رہے ہوں گے، ایسی کئی بوتلیں وہ تایا عالم کے گھر ایک کمرے میں رکھیں دیکھ چکی تھیں اور مریم نے ہی بتایا تھا کہ یہ انگور کے رس سے بھری بوتلیں ہیں جو رات مہندی کے فنکشن میں باہر مردان خانے میں محفل کا لطف اٹھانے کے لئے پی جائیں گیں۔

''نہ جانے ابھی بھی نشے میں ہرن ہوا ہے کہ نہیں اس حالت میں ڈرائیونگ بھی کتنی ریش کر رہا ہے اپنے ساتھ ساتھ میری جان کے در پر بھی ہوا ہوا ہے اور بھلا کوئی اس کے ظاہری حلیے کو دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ اتنے قرینے سے کی گئی ڈریسنگ والا یہ شخص اندر سے بالکل اجڈ ہے۔'' ذائریہ نے کنکھیوں سے گھنے بالوں جو سلیقے سے سنوارے گئے تھے کہ سر پر نظر ڈالتے اس پر اچھلتی نظر ڈالی سکندر نے آج بلو جینز کے ساتھ وائٹ شرٹ پہن رکھی تھی جو اس کے دراز سراپے پہ بے حد بھلی لگ رہی تھی ڈارک براؤن گلاسز اس کے چہرے پر بے حد سوٹ کر رہے تھے خاموشی اور سنجیدگی سے ڈرائیونگ کرتے شخص سے اس کا کیا رشتہ ہے یہ سوچ کر ذائریہ کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی تھی اور اس نے جلدی سے گاڑی کے شیشے سے باہر تیزی سے گزرتے کھیتوں پر اپنی نگاہیں مرکوز کر لی تھیں بور اور طویل سفر سے اکتا کر وہ بہت جلد نیند کی آغوش میں چلی گئی تھی اور جاگتے اونگھتے باقی کا سفر کٹا تھا بینک کے آگے گاڑی روک کر سکندر نے ذائریہ کے لئے پچھلا دروازہ کھولا جہاں وہ ابھی تک اونگھ رہی تھی وہ ہمیشہ گاڑی میں سو جایا کرتی تھی گاڑی میں لمبا سفر کرتے اسے ہمیشہ بڑی گہری نیند آ جایا کرتی تھی مما بابا اور فرینڈز اس کی اس عادت کا بہت مذاق اڑایا کرتے تھے، بیک سیٹ کے ساتھ ٹیک لگائے ایک جانب ڈھلکے سر اور چہرے پر آئیں لٹوں سے بے خبر نیم وا گلابی ہونٹوں کے ساتھ وہ

سوئی پڑی تھی اس کی چھوٹی سی ناک سوئی ہوئی بھی تنی سکندر ایک پل کو بے خبر سوئے حسن کو دیکھتا محو کھڑا رہ گیا تھا گاڑی کے ہارن پر چونکا۔

یہ بے تحاشہ حسن اس کے نام کیا جا چکا تھا پر اس کی دسترس سے اب بھی بے حد دور تھا سینے سے ہلکی لمبی سانس خارج کرتے اس نے سوچا اور ذائریہ کو آواز دے کر جگایا۔

سکندر کی آواز پر ذائریہ بے ساختہ چونک کر نیند سے بیدار ہوئی تھی گھنی پلکیں نیند سے جڑی مڑیں شفاف آنکھوں میں نیند کے گلابی ڈورے اور بادامی آنکھوں میں نیند کا خمار کیا کسی آنکھیں ایک ہی وقت میں اتنے حسین رنگ اکھٹے لیے ہو سکتیں ہیں کبھی یہ بے حد پاکیزہ اور معلوم نظر آتی ہیں، کبھی ان میں ڈر اور خوف اس طرح سے سماتا ہے کہ خود بخود اپنی پناہوں میں چھپانے کو دل چاہتا ہے، اکثر یہ بے حد غصے اور نفرت سے مجھے گھورتی ہیں اور دل اور زیادہ انہیں غصے دلانا کو چاہتا ہے سکندر نے ذائریہ کے ساتھ بینک کی عمارت میں داخل ہوتے ہوئے سوچا اس کے ساتھ ہاتھ میں رقم سے بھرا بیگ تھا بینک کے کام میں انہیں تقریباً دو گھنٹے سے اوپر کا وقت لگ گیا تھا واپسی پر جب ذائریہ نے پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کے لئے قدم بڑھائے تو سکندر نے فرنٹ سیٹ کا اس کی جانب کا دروازہ کھولتے نہایت سنجیدہ اور شستہ انگریزی زبان میں ذائریہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:۔

''میں آپ کا ڈرائیور نہیں محترمہ اگلی سیٹ پر تشریف رکھیں اور اگر آپ اپنی بے جا ضد پر قائم رہیں تو میں آپ کو اپنی بانہوں میں بھر کر اگلی سیٹ پر رکھ دوں گا۔'' انگریزی لہجے میں دی گئی دھمکی پر ذائریہ اندر سے جز بز ہوتی اگلی سیٹ پر جلدی سے بیٹھ گئی اس جاہل سے کوئی بعید نہیں بھرے ہجوم میں وہ اپنی بات پر عمل کر ڈالے ذائریہ کی پھرتی پر فرنٹ ڈور بند کرتے سکندر کے سنجیدہ چہرے پر مسکراہٹ جاگی جو اس نے سنجیدہ تاثرات میں جلدی سے چھپالی گارڈز کو گاڑی میں وہیں ان کا انتظار کرنے کی ہدایت دے کر سکندر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور گاڑی کو بازار کی جانب موڑا بینک کی عمارت بھی گنجان آباد بازار کے ایک سرے پر واقع تھی ذائریہ نے سکندر کی حرکت پر بے چینی سے پہلو بدلا اور خود کو مزید دروازے کے ساتھ لگا لیا۔

''بے فکر رہیے ڈاکٹرنی جی میں آپ کو اغواء کر کے نہیں لے جا رہا مجھے اس کی ضرورت بھی کیا ہے آپ کے ساتھ کچھ شاپنگ کرنی ہے آخر پہلی دفعہ آپ میرے ساتھ آئی ہیں اور سوتے وئے محو سفر تھیں اگر آپ بغیر حیل و حجت اور بلاوجہ کے غصے اور گریز کی بجائے آرام سے شاپنگ کا مرحلہ نمٹا لے گیں تو زیادہ اچھا آپ کے لئے ہوگا ورنہ تکرار میں تو وقت اور زیادہ ہم دونوں کے بیچ ٹھہرا رہے گا جو آپ کو قطعی منظور نہیں ہوگا لہٰذا آیئے شاپنگ کرتے ہیں۔'' سکندر نے گاڑی چلاتے اور ایک بڑی سی بوتیک کے سامنے گاڑی روکتے ذائریہ سے آخری بات کہی ذائریہ نے کسی بھی قسم کا تماشہ بنانے سے بہتر دل میں بلا چون چرا سکندر کی بات ماننے کی ٹھانی وہ اس وقت اندرونی طور پر ویسے بھی رقم کے اپنے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہونے پر اب سیٹ اور خاموش سی تھی اسی جائیداد کی وجہ سے اس کے ماں باپ اس سے چھین لئے گئے اور اسی جائیداد کو اس نے ہتھیانے کے لئے اسے کیسے کیسے حالات سے دو چار ہونا پڑا بینک میں ایک بار تو اس کا دل چاہا تھا کہ وہ ان پیسوں کو آگ لگا کر ہوا میں اڑا دے مگر زندگی جذباتیت سے کہاں گزرتی ہے اس کا ادراک

ذائریہ کو بہت اچھی طرح سے ہو چکا تھا، شاپنگ اور وہ بھی ایک ناپسندیدہ ہستی کی موجودگی میں سے بھلا اس عمل میں کیا دلچسپی ہو سکتی تھی سکندر نے جو چیزیں اور کپڑے پسند کیے وہ بس اثبات میں سر ہلاتی رہی البتہ بڑی سی تھری ان ون بوتیک میں چلتے ایک نہایت ہی خوبصورت دیدہ زیب سفید کلیوں والے فراک پر اس کی نظر پڑی اور جب اس نے اس پر بیس ہزار کی لگی چٹ پڑی تو بے دلی سے آگے بڑھ گئی یہ جانے بغیر کے سکندر نے سیلز مین کو فوراً ہی سوٹ پیک کرنے کا اشارہ کر دیا ہے شاپنگ کے بعد واپسی کا طویل اور تھکا دینے والا سفر پھر سے شروع ہوا حویلی تک آتے آتے انہیں سہ پہر ہو چکی تھی سکندر نے شاپنگ بیگز جب پچھلی نشست پر رکھنے چاہے تو اس کی نظر بھی اس بوتل پر پڑی تھی جسے ذائریہ دیکھ چکی تھی ہاتھ بڑھا کر خاموشی اور جلدی سے اس نے بوتل پچھلی نشست کے نیچے لڑھکا دی تھی ذائریہ نے بیک ویو مرر میں اس کی حرکت دیکھ لی تھی گاڑی چلاتے ہوئے سکندر نے ٹیپ کا بٹن آن کیا تو نصیبو لال کی آواز میں نہایت ہی ولگر گانا اپنی پوری بے شرمی کے ساتھ گونج اٹھا جسے سکندر نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر بند کیا۔

''رات کی خاموشی میں گٹار پر مدھر دھن سننے والا شخص دن کے اجالے میں اتنا گھٹیا اور واہیات گانا سنتا ہے؟ نہ جانے اس شخص کا اصل روپ کیا ہے۔'' ذائریہ یہ سوچ کر رہ گئی اور کچھ ہی دیر بعد اونگھنے لگی اور اب یہ کوئی سکندر سے پوچھتا کہ سوئے ہوئے معصوم حسن کو اپنی بانہوں میں بھرنے کی خواہش دبائے چھوٹی ٹوٹی پھوٹی سڑک پر ڈرائیونگ کرنا اتنا محال کیوں ہو رہا تھا۔

☆☆☆

گاڑی جیسے ہی حویلی میں آ کر رکی سکندر ڈرائیونگ سیٹ سے اتر کر فوراً باہر آیا اور باہر کی جانب جاتے ایک ملازم کو نہایت غصے سے آواز دے کر اپنی جانب آنے کا اشارہ کیا اس دوران ذائریہ بھی گاڑی سے اتر کر اندر جانے کی نیت سے قدم اٹھایا۔

''اوئے اخترے رات جب میں منصور کی مہندی میں گیا ہوا تھا تو پیچھے تو اس گاڑی میں بیٹھا تھا؟'' سکندر نے سخت لہجے میں پاس آتے ملازم سے استفسار کیا۔

''وہ..... وہ جی..... وہ چوہدری جی.....'' ملازم ہکلا کر رہ گیا۔

''میں نے پوچھا رات میری گاڑی میں تو تھا؟'' سکندر نے مزید سخت لہجے میں پوچھا اس وقت اس پر جلال حاوی ہو چکا تھا یوں اچانک سکندر کے مزاج بدلنے پر ذائریہ حیران سی کھڑی رہ گئی۔

''جی۔'' نوکر نے گویا اپنا جرم قبول اس کا اتنا کہنا کہ سکندر نے آگے بڑھ کر اسے پیٹنا شروع کر دیا۔

''تیری جرأت کیسے ہوئی، بول بول کیسے ہوئی تیری جرأت؟'' سکندر نے نوکر کو مارتے ہوئے نہایت غصے سے کہا۔

''معاف کر دے دی، غلطی ہو گئی جی۔'' مار کھاتا اور ہاتھ جوڑتا نوکر، ذائریہ کو اس کی حالت پر بے تحاشہ ترس آیا اور سکندر کے رویے پر ایک بار پھر بے تحاشہ غصہ اور نفرت محسوس ہوئی، وہ متوحش زدہ سے اندر کی جانب بھاگی باقی ملازم بھی بے چارے نوکر پٹتا دیکھ رہے تھے۔

''آنٹی! آنٹی! انکل!'' ذائریہ نے اندر آتے ہی تیز آواز میں پکارنا شروع کیا، ایک نوکر کا اپنے مالک کی گاڑی میں بیٹھنا اتنا بڑا جرم ہے ذائریہ کو سکندر کی مالکانہ ذہنیت پر شدید تاؤ آ رہا تھا۔

''یا اللہ خیر کیا ہوا پتر؟'' آنٹی زلیخا جلدی سے دائیں جانب سے نمودار ہوئیں اور متوحش زدہ حالت میں یوں ان کو پکارتا سن کر گھبرائی اس کی جانب بڑھیں۔

''وہ..... وہ اسے مار رہا ہے نوکر کو پلیز اسے بچائے ناں۔'' ذائریہ نے بے رابطہ انداز میں کہا اور زلیخا تیزی سے باہر کی جانب بڑھی ذائریہ وہیں ایک صوفے پر ٹک گئی اس صورت حال پر وہ پریشان ہو گئی تھی۔

''اچھا چل دفعہ کر اسے اپنی غلطی کی سزا مل گئی ہے غصہ تھوک دے چل جا اپنے کمرے میں چل جا میرا پتر۔'' آنٹی زلیخا کچھ ہی دیر میں سکندر کو بازو سے پکڑے اندر آئیں اور اسے اپنے کمرے کی جانب بھیج دیا۔

''کتنی بار کہا ہے ایک دم غصے میں آپے سے بار نہ ہو جایا کر نہ جانے یہ غصے میں کس پر چلا گیا ہے۔'' آنٹی زلیخا نے بڑبڑاتے ہوئے جدی کچن کی جانب قدم بڑھایا جبھی ان کی نظر پریشان بیٹھی ذائریہ پر پڑی۔

''ارے پتر تو کیوں پریشان بیٹھی ہے اس نے حرکت ہی ایسی کی تھی کہ سکندر کو اس پر غصہ آنا ہی تھا خیر اتنے لمبے سفر سے آئے ہو تم دونوں جاؤ جا کر آرام کر لو۔'' آنٹی نے گول مول سی بات کرتے اسے تسلی بھرے انداز میں کہا اور ذائریہ خاموشی سی گیسٹ روم کی جانب بڑھ گئی تفصیل جان کر وہ سکندر کے متعلق اپنی کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار آنٹی زلیخا کے سامنے نہیں کرنا چاہتی تھی۔

عجیب ہے یہ شخص بظاہر کتنا پڑھا لکھا، کتنی اچھی صاف زبان میں انگریزی بولنے ولا اور اندر سے ایک ظالم، حاکمانہ طبیعت رکھنے والا زمین دار ذائریہ سکندر کی دہری شخصیت سے الجھ کر رہ گئی تھی، خیر مجھے کیا لگے بہت جلد میں اس شخص اور یہاں کے ماحول سے چھٹکارا حاصل کر لوں گی اور اس جگہ سے ہی نہیں اس ملک سے بھی ہمیشہ کے لئے چلی جاؤں گی اس نے اپنے اندر کیا فیصلہ ایک بار پھر دہرایا اور تھکاوٹ کے باعث جو اسے حجابی اور ذہنی طور پر محسوس ہو رہی تھی بیڈ پر آرام کرنے کی غرض سے لیٹ گئی۔

☆☆☆

کیا واقعی یہ کل والا ہی سکندر ہے جو ایک ملازم کو بری طرح زدوکوب کر رہا تھا محض اس وجہ سے کہ وہ اس کی گاڑی میں بلا اجازت بیٹھ گیا اگلے روز پرانی حویلی میں آنٹی زلیخا کے پاس بیٹھی ذائریہ نے سامنے ٹرالی پر کھڑے سکندر پر ڈالتے حیرانگی سے سوچا اس وقت وہ بالکل ایک دیہاتی نوجوان کی طرح خود سے بے خبر نوکروں کے ساتھ گندم کے دانوں سے بھری بوریاں ٹرالی میں رکھوانے میں مدد کر رہا تھا بلکہ خود ان کے ساتھ مل کر اٹھوا رہا تھا اتنی بھاری بوری اتنے آرام سے اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر رہا تھا کالی قمیض کے بازو حسب حال اس نے فولڈ کر رکھے تھے بوری اٹھاتے اس کے بازوؤں کے مسلز بہت نمایاں ہو رہے تھے۔

''آنٹی آپ تو شہر کی رہنے والی تھیں پھر تمام عمر گاؤں میں رہنے کا فیصلہ آپ کے لئے مشکل نہیں تھا؟ یا پھر آپ کے والدین نے آپ کی مرضی نہیں پوچھی؟'' ذائریہ نے اپنی توجہ بٹانے کے لئے پاس بیٹھی آنٹی زلیخا سے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا وہ انہیں دیہاتی اور مشکل کام اتنی مہارت اور آرام سے کرتے حیران تھی۔

''ارے نہیں بیٹا، شہر میں تو ہم لوگ ضرور رہتے تھے مگر گاؤں آنا جانا لگا رہتا مجھے گاؤں کا صاف پاکیزہ پرسکون ماحول زیادہ پسند تھا شروع

میں یہاں کے کاموں کو کرنے میں مشکل ہوئی پر میری ساس بہت ملنسار اور محبت کرنے والی خاتون تھیں بڑے پیار سے انہوں نے مجھے اپنے گھر کی حکمرانی سونپی اور یہاں کے کام سیکھنے میں بھرپور تعاون کیا تھا میرے سسر بھی مزاج کے اچھے تھے بس غصیلے ذرا زیادہ تھے یہ سکندر غصے میں اپنے دادا پر ہی پڑا ہے اور میری والدہ نے گاؤں کے سارے حالات بتا کر میری مرضی پوچھی تھی مجھے کوئی اعتراض نہیں تھا وہ دونوں یہ جان کر بے حد خوش ہوئے تھے اور ویسے بھی یہاں کے ماحول اور ہمارے گھر کے ماحول میں کوئی نمایاں فرق بھی نہ تھا جو مجھے یہاں ایڈجسٹ ہونے میں دقت ہوتی چوہدری صاحب بھی بڑا خیال رکھتے ہیں شادی کے وقت ان کے خیالات جان کر میں نے ہامی بھری تھی اس شادی پر۔'' آنٹی زلیخا نے آخری بات قدرے شرمائے ہوئے ذائریہ کو جواب دیا۔

''کیسے خیالات؟'' ذائریہ نے دلچسپی سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کزن ہونے کے ناطے ہمارا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا تھا باتوں ہی باتوں میں، میں ان کے خیالات سے کافی متاثر ہوئی تھی یہ اپنے گاؤں کی جہالت سے نکال کر ایک خوشحال گاؤں بنانے کے خواہش مند تھے اپنی تعلیم کا فائدہ یہ اپنے گاؤں کو دینا چاہ رہے تھے اور انہوں نے جو کہا وہ کر دکھایا گاؤں کی سڑکیں پکی کروائیں ڈسپنسری بنوائی ایک پرائمری سکول گرلز اور بوائز کا مڈل سکول بنوایا سب حکومت کی مدد کے ساتھ سکندر بھی اب ان کے کاموں میں آگے بڑھا رہا ہے زراعت میں ڈگری حاصل کرنے کے بعد وہ زرعی کاموں میں جدید اور نت نئے تجربے کرتا رہتا ہے ابھی کچھ دن پہلے اس نے مچھلی فارم بنوایا ہے ایک غیر موسمی سبزیوں کا کھیت بھی آباد ہے یہاں کے غریب لوگوں کو اپنے ہی گاؤں میں انہیں وہ کام زیادہ سے زیادہ مل سکے جنہیں وہ برسوں سے جانتے ہیں یہ ان کے لئے زیادہ بہتر ہے نا کہ شہر جا کر شہر کا بوجھ بڑھا کر مزدوری میں مرکھپ جائیں، ہم یہاں کے نوجوان کی تعلیم کے خلاف نہیں حاصل کرے مگر اپنے پرکھوں کی چھوڑی زمین چاہے تھوڑی ہی سہی اس پر اپنی تعلیم کا استعمال کریں زراعت کی ترقی کے بارے میں پڑھے جانے اور اس پر عمل کرکر اپنے کھیتوں کو آباد کرے نا کہ نوکری کا خواب دیکھتے شہروں میں کہیں رل کھل کر رہ جائیں تمہیں پتہ ہے میں نے کتنے سالوں سے یہاں اپنے گھر سلائی کڑھائی کا ایک طرح سے سکول کھول رکھا ہے گو یہ ایک غیر رسمی ادارہ ہے مگر گاؤں کی لڑکیاں بہت سلیقہ مند اور سگھڑ بنتی ہیں اور پھر سلائی کڑھائی کے ساتھ ساتھ میں نہیں دیتی باتیں زندگی صفائی سے اور اچھے طریقے سے گزارنے کے طریقے بھی بتاتی رہتی ہوں ان سے ان کو بڑا فائدہ ہوتا ہے اگر ان میں سے کوئی اسے سمجھ جائے اور اس پر عمل کرے۔'' آنٹی زلیخا نے ذائریہ کو بتایا جو ان کی باتیں چپ چاپ سنتی رہ گئی تھی کیا واقعی بڑے زمین دار بھی ایسے خیالات کے حامل ہوتے ہیں بابا سے بھی اس نے ہمیشہ زمین داروں کے تنگ نظری اور اپنوں سے کمتر انسانوں کو ہر طرح سے دبا کر اپنا غلام بنائے رکھنے کے لئے ظالمانہ ہتھکنڈے کرتے ہی سنا تھا وہ ہمیشہ بہت بیزارت سے گاؤں والوں کا ذکر کرتے تھے اور اس گھٹے ماحول سے بھی تو نکل کر وہ شہر آن بسے تھے پھر میڈیا اور ٹی وی ڈراموں میں بھی اس نے یہی کچھ دیکھا تھا حقیقت کیا ہے وہ جواب وہ دیکھ رہی تھی یا وہ جس

سے وہ بنا دیکھے واقف تھی۔

''اور اسی وجہ سے تو ہمارے اردگرد مخالفین زیادہ بن گئے خاص طور پر یہ ساتھ والے گاؤں کا ملک دلاور اور اس کے گاؤں کے لوگ یہاں آکر کام کرتے ہیں ان کے بچے ہمارے گاؤں میں آکر پڑھتے ہیں جو اسے گوارا نہیں اسی وجہ سے سکندر کے ساتھ اس کی لگی رہتی ہے پچھلے دنوں اپنی ملازمہ کو جس بے جا میں رکھنے پر سکندر نے پنچائیت بلا کر اچھا خاصا ہنگامہ کھڑا کروا دیا تھا یہی کوڑ مغز بخت نے دل میں رکھی ہوئی تھی بھری پنچائیت اپنے خلاف فیصلہ سن کر کم بخت نے دل ہی دل میں بدلے لینے کی ٹھانی بھی تو اپنے ایک اشتہاری کارندے سے سکندر پر گولی چلوا دی پر شکر ہے میرے بچے کی جان بچ گئی۔'' آنٹی زلیخا نے کچھ توقف سے سوچتی ذائریہ کو مزید معلومات فراہم کیں۔

''بی بی جی آپ کا کمرہ سیٹ ہو گیا ہے چھوٹے چوہدری نے کہا ہے کہ آکر دیکھ لیں وہ کسی چیز کی کمی یا ضرورت محسوس کریں تو بتا دیں وہ شہر جا رہے ہیں لیتے آئیں گے جی ساتھ۔'' چھمو نے ذائریہ کے قریب آکر اطلاع دی۔

''ہاں پتر جا دیکھ لو وہ اصل میں گندم لے کر شہر آڑھت پر جا رہے ہیں اس لئے سکندر نے کہا ہوگا۔'' زلیخا نے ذائریہ سے کہا اور ذائریہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی نئی کوٹھی میں بالائی منزل پر موجود اپنے کمرے کی جانب بڑھ آئی چھمو اس کے ساتھ پیچھے ہی کھڑی تھی جب ذائریہ نے کمرے کا دروازہ بے دلی سے کھولا اور کمرے کو دیکھ کر وہ ایک خوش گوار حیرت میں مبتلا ہو گئی۔

کمرہ جدید انداز میں پنک اور فون کلر کے امتزاج کے ساتھ سجایا گیا تھا پنک کلر کا ڈیکوریٹ کیا فرنیچر جس کے کنارے ہلکے گولڈن کلر میں رنگے گئے تھے بہت اچھا لگ رہا تھا، بلیک کلر کا کمپیوٹر، میوزک سسٹم ایک بک ریک چھوٹا سا گلابی ریشمی کور کا صوفہ گلابی پردے، فون کلر کا قالین اور اسی رنگ کی دیواریں سنگل نرم بیڈ کونے میں بڑے سے فرشی گلدان میں سجے پرپل اور پنک پھول بالکونی میں کھلتی کھڑکی پر ڈبل ریشمی پنک پردے اور حویلی کی جانب کھلتی کھڑکی پر ڈبل پردے تین پاٹوں والی الماری۔

''کمرہ پسند آیا جی؟'' چھمو نے خوش گوار تاثرات کے ساتھ جائزہ لیتی ذائریہ سے پوچھا۔

''ہاں بہت یہ کس نے ڈیکوریٹ میرا مطلب سجایا ہے تم تو بہت اچھا کمرہ سجاتی ہو۔'' ذائریہ نے ستائشیانہ لہجے میں چھمو سے کہا۔

''نہیں جی میں بھلا جاہل گنوار کیا جانوں کمرے کو سجانا یہ تو جی چھوٹے چوہدری نے خود سامان لا کر اپنی موجودگی میں سیٹ کروایا تھا کل شہر جانے سے پہلے باقی جو کام رہ گیا تھا وہ صبح کروایا ہے انہوں نے، کہا کہوں جی انہیں آپ کو ان کا سیٹ کیا کمرہ بہت پسند آیا ہے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔'' چھمو نے جلدی سے ذائریہ کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے کہا۔

''آں..... ہاں بس اتنا کہہ دینا کسی چیز کی ضرورت نہیں۔'' ذائریہ نے جلدی سے چھمو سے کہا۔

''اور سنو میرا گیسٹ روم میں سے سامان وغیرہ لا کر الماری میں سیٹ کر دیا، میں آنٹی کے پاس جا رہی ہوں۔'' ذائریہ اتنا کہہ کر جلدی سے کمرے سے نکل گئی اور اپنے ہی دھیان میں سیڑھیاں اترتی ذائریہ اوپر چڑھتے سکندر سے بمشکل ٹکرانے سے خود کو بچاتی پہلو تہی کر کے اس نے نکل جانا چاہا جب سکندر آگے بڑھ کر اس کے راستے کو مسدود کیا اور ذائریہ کو چھیڑنے والے

انداز میں مخاطب کیا۔

''ویسے ڈاکٹرنی جی شہری لوگ سوری، تھینک یو جیسی باتوں کے دلداہ ہوتے ہیں ایسا نہ کر کے تو آپ خود کو مجھ جیسے پینڈو کے ساتھ ملا رہی ہیں میرا مطلب ہے کمرے کو اتنی محنت سے سیٹ کروانے پر یہ بندہ آپ کے منہ سے ایک عدد شکریے کے ادا ہونے کی امید رکھتا تھا۔''

''تھینک یو!'' ذائریہ لٹھ مار انداز میں کہہ کر جانا چاہا جب سکندر نے پھر روکا۔

''بس!''

''بہت بہت نوازش، شکریہ آپ نے واقعی بہت اچھا کمرہ سیٹ کروایا ہے میں آپ کی بہت مشکور ہوں۔'' ذائریہ نے طنزیہ اور قدرے غصیلے لہجے میں کہا اسے سکندر کا یوں روکنا اب کھلنے لگا تھا۔

''Mention not ویسے میرا کمرہ اس سے بھی زیادہ خوبصورت سیٹ ہوا ہے اگر آپ.....'' ذائریہ تیزی سے جھک کر سکندر کی سائیڈ سے ہو کر سیڑھیاں اترتی چلی گئی اور سکندر ہلکا سا قہقہہ لگا کر رہ گیا۔

☆☆☆

لنچ کے بعد جب ذائریہ یونہی موروں کے پنجرے کے پاس جا کھڑی ہوئی اور دلچسپی سے سفید مورنی کو دیکھ رہی تھی تو آنٹی زلیخا نے برآمدے میں آ کر اسے آواز دی۔

''جی آنٹی!'' وہ تیزی سے لان عبور کر کے ان تک پہنچی۔

''دھی رانی اتنی گرمی میں وہاں کھڑی کیا کر رہی ہو اتنی نازک سی ہو، وہ سکندر پتر کا فون آیا تھا فضلو کو ہسپتال سے فارغ کروا کر یہاں اس کے گھر لے آئے ہیں وہ لوگ سکندر تو واپس شہر آڑھت پر چلا گیا ہے گندم تو لوانی ہے ہم تھوڑی دوپہر ڈھلے تو جائے گے اس کے گھر خیر خیریت معلوم کرنے۔'' آنٹی زلیخا نے اسے اطلاع دی۔

''جی!'' ذائریہ نے مختصر سا جواب دیا۔

''چھمو تمہیں تیار ہونے میں مدد کروائے گی میرا مطلب ہے کپڑے کون سے پہن کر جانے ہیں اس میں تمہاری مدد کروائے گی چوہدریوں کی نو پورے گاؤں کی نو ہے تمہاری اس کے گھر آمد پر کئی عورتیں تمہیں دیکھنے اور ملنے کے لئے آ جائیں گی اس وجہ سے بظاہر بیٹا یہ بہت عام سی باتیں ہیں لیکن بہت خاص ہوتی ہیں۔'' زلیخا آنٹی نے ذائریہ کو سمجھایا اور وہ خاموش سے اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی وہ سکندر کے حوالے سے پہچانی جائے یہ اسے گوارا تو نہیں تھا مگر ان لوگوں کے حسن سلوک پر وہ اول روز سے کہہ چکی تھی کہ جتنے دن یہاں رہنا ان دوہستیوں کی حتی الامکان دل آزاری کرنے سے خود کو روکے رکھنا ہے انہوں نے ذائریہ کی ہر بات مانی تھی یوں علیحدہ کمرے میں رہنے پر ہلکی سی بھی شکن کسی کے ماتھے پر نہ آئی تھی نہ جانے انہوں نے سکندر کو بھی کس طرح سمجھایا تھا کہ اس نے بھی پہلی رات غصے کرنے کے بعد اپنی منکوحہ ہونے اسے دوبارہ جتایا نہیں تھا البتہ سب کے سامنے آتے جاتے وہ بڑے عام طریقے سے اسے مخاطب کر لیتا تھا جیسے ان کے درمیان بہت خوشگوار تعلق قائم ہوا اور آتے جاتے اپنی ذومعنی نظروں اور باتوں سے اسے نروس بھی کر ڈالتا تھا جسے وہ ماحول میں کسی قسم کی بدمزگی جنم نہ لے کی وجہ سے سہہ رہی تھی، لیکن اس پیشتر کہ وہ اس کی قائم کردہ حد سے بڑھتا وہ یہاں سے چلی جانا چاہتی تھی ڈاکٹر ابراہیم سے بھی اس سلسلے میں بات ہو چکی تھی اس کے باہر اسپیشلائزیشن جانے کے سلسلے میں انہوں نے کافی اس کی حوصلہ افزائی کی تھی قطع نظر اندرونی

باتوں سے باخبر ہوئے انکل نواز کو بھی وہ پاسپورٹ وغیرہ بنوانے کا کہہ چکی تھی ایک پل کو تو وہ خاموش رہے تھے جیسے کچھ کہنا چاہتے ہوں مگر پھر انہوں نے رضامندی میں سر ہلا دیا تھا اس لئے اب وہ باقی کا وقت ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بتانے کا فیصلہ کر چکی تھی سکندر اس سلسلے میں خاموش ہی تھا نہ جانے کیوں، یہ سب سوچتے ہوئے ذائریہ نے ہلکا پھلکا میک اپ کیا کانوں میں سونے کے چھوٹے سے ٹاپس اور دو خوبصورت گولڈن چوڑیاں کلائی میں سجائی تھیں سوٹ بھی اس نے بے حد نفیس چائنا سلک کا پنک رنگ کا زیب تن کیا تھا جس پر سفید موتی موتیوں کا ہلکا سا کام کیا گیا تھا اس روز سکندر نے ہی اسے شاپنگ میں یہ خردی کر دیا تھا چھمو اس کی مدد کے لئے کمرے میں ہی موجود رہی تھی۔

''بس بیٹا اب یہاں سے آگے پیدل ہی جانا ہو گا، کافی تنگ گلیاں ہیں آ جاؤ شاباش۔'' گاڑی گاؤں کے کچے پکے بل کھاتے گلیوں سے گزر کر قدرے کشادہ جگہ پر رک گئی تھی آنٹی زلیخا نے گاڑی سے اترتے ہوئے ذائریہ سے کہا اور ان کی سنگت میں وہ بھی گاؤں سے اتر آئی چھمو اور گلو پھل فروٹ کے ٹوکرے، دیسی تین عدد مرغیاں، دودھ وغیرہ جیسی لوازمات پکڑ کر ان کے ساتھ تھے فضلو کا گھر کئی تنگ گلیوں سے ہوتا قدرے فاصلے پر تھا ذائریہ کا تو سر ہی گھوم گیا تھا چلتے چلتے اور اچانک مڑتی تنگ گلیوں کے موڑ مڑتے ایک وقت میں ایک ہی انسان اس گلی میں سے گزر سکتا تھا۔

''توبہ فضلو یہاں تک کیسے آیا ہو گا۔'' ذائریہ نے سوچا اس کا اس گاؤں کو اتنے قریب سے دیکھنے کا یہ پہلا اتفاق تھا کچے پکے گھر، کئی کھلے دروازوں سے جھانکتی زندگیاں مٹی میں اٹے بچے، بھری گندی بہتی نالیاں کچھ میلی کچیلی عورتیں تو حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھیں اور چوہدرانی کو جلدی سے سلام کرنے گھر کے دروازوں میں آ کھڑی ہوئی تھیں اور ذائریہ کو آنکھوں میں حیرت سموئے دیکھ رہی تھیں، آنٹی زلیخا بڑے آرام سے نرمی سے ان کے سلام کا جواب دیتیں فضلو کے گھر جا پہنچی تھیں۔

''یہ اس گاؤں کا سب سے زیادہ پسماندہ ایریا ہے۔'' آنٹی نے دروازے سے داخل ہوتے پیچھے آتی ذائریہ کو معلومات پہنچائی تھی پتو اس گھر میں آتا دیکھ کر استقبال کے لئے آگے بڑھی دو کمروں پر مشتمل یہ ایک نہایت ہی چھوٹا اور عام سا گھر تھا ذائریہ شرمندگی کے باعث پتو سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی اس کی وجہ سے فضلو کی یہ حالت ہوئی تھی لیکن وہ دونوں میاں بیوی تو ان کے یوں آنے پر بے حد خوش اور نہال ہوئے جا رہے تھے ذائریہ نے خود آگے بڑھ کر فضلو کا چیک اپ کیا خوراک اور دوائی کے بارے میں پتو کو اچھی طرح سے سمجھایا کچھ دیر بیٹھ کر واپسی کا پھر دشوار پیدل سفر شروع ہوا ایک جگہ پر تو نالی کے بھر جانے سے سارا پانی باہر بہہ کر اس جگہ کو اچھا خاصا کیچڑ بنا رہا تھا ذائریہ کو وہاں سے گزرنا محال لگا جبکہ دو چھوٹے بچے اسی کیچڑ میں ایک دوسرے پر پانی اچھال کر کھیل رہے تھے۔

''ارے یہ تو بہت گندا پانی ہے اس میں کھیل کر تو بیمار ہو جائیں گے۔'' ذائریہ بے ساختہ بولی۔

''اوہ جی یہ ان کے لئے وہ تالاب ہے جو ہماری حویلی کے باغ میں بنا ہوا ہے کچھ نہیں ہوتا جی ان کو۔'' چھمو نے ساتھ آتے تبصرہ کیا۔

''ان کی ماں کہاں ہے آ کر اٹھا کر لے جائے ان کو۔'' ذائریہ نے چھمو کا ہاتھ پکڑ کر وہ

گنداراستہ عبور کرتے ہوئے کہا۔

''ماں باپ کھیتوں پر کام کرنے گئے ہوں گے، اتنے بچے ہیں ان لوگوں کے جی ان کو فرق نہیں پڑتا ایک آدھ کے بیمار ہو جانے سے۔'' چھمو نے تلخ تجزیہ پیش کیا ذائریہ اردگرد جہالت اور غربت میں جیتی زندگیوں کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی چھوٹے چھوٹے جوہڑ جن پر مچھر، مکھی کی خوب افزائش ہو رہی تھی۔

''بیماریاں بہت آسانی سے ایسے ماحول میں پنپ رہی ہوں گی اور ان لوگوں کو اس کی پرواہ بھی نہیں بس ماحول کو صاف ستھرا رکھ کر یہ کتنی عام بیماریوں سے مگر جان لیوا بیماریوں سے خود کو بچا سکتے ہیں کاش کوئی ان کو یہ سکھائے۔'' ذائریہ نے گاڑی میں بیٹھے سوچا۔

''کون سکھائے گا، تم جیسے ڈاکٹر جو گاؤں آتے ہی نہیں اور اگر آجائیں تو شہر یا باہر کے ملک بھاگ جاتے ہیں۔'' کوئی اس کے اندر تلخ گوئی کرتے اسے آئینہ دکھا گیا تھا اور ذائریہ خاموش بیٹھی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

ذائریہ کسی مدھر آواز پر چونک کر اٹھی تھی کچھ دیر یونہی بیڈ پر لیٹے وہ آواز کو سنتی رہی رات کافی بیت چکی تھی اس کا احساس ہو رہا تھا اسے کوئی گٹار پر دھیما سر میں کوئی گانا بجا رہا تھا اور خود بھی گنگنا رہا تھا ذائریہ یونہی اٹھ کر باہر ڈریم گارڈن میں کھلنے والی بالکونی میں آ کھڑی ہوئی ہر سو رات کا سناٹا اور بڑھتے چاند کی ہلکی ہلکی ٹھنڈی چاندنی پھیلی ہوئی تھی ہوا بند تھی مگر حبس کا احساس شدید نہ تھا۔

تیرا بنا جیا نہیں جائے
تو ہر سانس میں، ہر آہ میں
تو میرے ہر اک احساس میں .....

ذائریہ نے اپنے بائیں جانب دیکھا تو وہ دوسری بالکونی میں گٹار بجاتے گنگنا رہا تھا اس کی آنکھوں کی بینائی کمزور نہ تھی جو وہ چاند کی مدھم روشنی میں سکندر کو پہچان نہ پاتی ویسے بھی اس کے کمرے سے آتی ہلکی سی روشنی میں اس کا سراپا واضح تھا گٹار پر دھن بجاتے وہ ایک ہی مصرعہ کی گردان کر رہا تھا ذائریہ کی جانب اس کی قدرے پشت تھی اور پھر اسے مصرعے کی گردان کرتے، گٹار ہلکے ہلکے بجاتے اس نے اچانک پیچھے مڑ کر ذائریہ کی جانب دیکھا تھا ذائریہ کو قطعی امید نہیں تھی کہ وہ یوں اچانک خاموشی سے گانا سنتی ذائریہ کی چوری پکڑے گا ذائریہ تیزی سے اپنے کمرے میں پلٹ گئی تھی اور بیڈ پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگی تھی اپنے دل و دماغ کو اس نے سکندر کے متعلق سوچنے پر پابندی لگانی چاہی اس میں وہ کتنی کامیاب ہوئی یہ اس سے بہتر کون جانتا تھا گٹار اور گنگنانے کی ہلکی ہلکی آواز اب بھی اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی باوجود اس کے کہ اس نے نرم تکیہ اپنے کانوں پر رکھا ہوا تھا اور پھر دل و دماغ کی لڑائی میں وہ نہ جانے کب سو گئی۔

☆☆☆

صبح وہ تھوڑی دیر سے بیدار ہوئی اور سست قدم اٹھاتی بالکونی میں صبح کی تازگی کو محسوس کرنے آ کھڑی ہوئی جب لائمیں بلیک بنیان اور بلیک ٹراوزر میں ملبوس سکندر کو اس نے ورزش کرتے دیکھا سکندر کی اس کی کھڑکی کی جانب پیٹھ تھی اور وہ ورزش کرنے میں مگن تھا۔

''ہوں تو اس لئے اس کا جسم اتنا فٹ ہے ہر وقت تو خود کو کام میں مصروف رکھتا ہے اور پھر ایکسٹرا ورزش بھی، ویسے یہ شخص بھرپور مردانہ وجاہت کا پیکر ہے اس میں کوئی شک نہیں۔'' دل نے سرگوشی کی تھی رات کی جنگ جیت کر ذائریہ کا

دل شیر ہو گیا تھا۔

''ہونہہ باطن اچھا نہ ہو تو ظاہر کا کیا کرنا اور تمہیں خواہ مخواہ اس قسم کی فضول باتیں سوچنے کی ضرورت نہیں۔'' ذائریہ نے دل کی بات رد کرتے اسے جھڑکا اور تیزی سے کمرے میں چلی آئی اس بات سے انجان کہ اسی وقت مڑتے سکندر نے اس کی بالکونی کے پردے جنبش کرتے دیکھ لئے تھے اور وہ چند پیشتر پہلے کی اس کی موجودگی سے باخبر ہو گیا تھا اس کی گھنی مونچھوں تلے لب مسکائے تھے اور پھر وہ جاگنگ میں مصروف ہو گیا۔

''اندر آ جاؤ، کون؟'' دروازے پر ہلکی سی دستک پر ذائریہ نے کہا یہ دستک چھمو کی تھی اسے اندازہ تھا۔

''بی بی جی! چوہدرانی جی نے کہا ہے کہ آج ناشتہ پرانی حویلی میں ہو گا الو کے پراٹھے بنا رہی ہے نا وہ سب لوگ وہی پر ناشتہ کریں گے آپ بھی منہ ہاتھ دھو کر ادھر ہی آ جائے۔'' چھمو نے کمرے میں آ کر اطلاع دی اور ذائریہ کا اثبات میں ہلاتا سر دیکھ کر واپسی کے لئے مڑ گئی۔

تیرے بنا جیا نہیں جائے .....

پرانی حویلی میں وہ گنگناتا داخل ہوا تھا ابھی تک وہ ورزشی لباس میں تھا فرق اتنا تھا کہ اب اس نے اپنے دونوں چوڑے کندھوں پر سفید تولیہ رکھا ہوا تھا ذائریہ نے اس سے نظریں چرائیں اور پیڑھی کا رخ چولہے کی جانب کر کے بیٹھ گئی۔

''پتر تو ابھی نہایا نہیں؟'' زلیخا آنٹی نے مہارت سے الو کے پراٹھے پکاتے ہوئے مصروف انداز میں سکندر کو ٹوکا۔

''بس ماں جی جا رہا ہوں آج ٹیوب ویل پر تاری لگانے کا ارادہ ہے اس لئے۔'' سکندر نے آگے بڑھتے جواب دیا شرارت آمیز لہجے میں ایک بار پھر گنگنایا۔

''ہوں حبس زیادہ ہو رہا ہے لگتا ہے آندھی اور بارش آئے گی۔'' زلیخا آنٹی نے تبصرہ کیا۔

''آنٹی آپ کو کیسے پتہ؟'' ذائریہ نے پوچھا۔

''پتر زندگی کے تجربے یہ سکھا دیتے ہیں جب حبس اور گھٹن بڑھ جائے تو رب سوہنا اسے دور کرنے کا سبب پیدا کرتا ہے بارش کی صورت میں اور انسان کے اندر کی گھٹن کو آنسوؤں کی صورت میں۔''

''چھوٹے چوہدری جی! چھوٹے چوہدری جی!'' ایک ملازم باڑے کی جانب سے بھاگتا آیا اور نئی کوٹھی کی جانب سکندر کو پکارتا بڑھا۔

''اوے کیا ہویا ایہہ (کیا ہوا ہے؟) سکندر ٹیوب ول، ول گیا ای (سکندر ٹیوب ویل کی طرف گیا ہے)۔'' آنٹی زلیخا نے اس کے گھبرائے انداز پر جلدی سے پوچھا سکندر بھی اس کی آواز سن کر شاید ادھر ہی آ رہا تھا۔

''اوہ کیا ہوا ہے؟'' سکندر آگے بڑھا۔

''وہ جی چوہدری جی.....'' نوکر اٹکا۔

''اوہ بول بھی۔'' سکندر جھلایا۔

''وہ جی رانی کی طبیعت بڑی خراب ہو گئی ہے لمبے لمبے سانس کھینچ رہی ہے۔'' نوکر نے اطلاع دی اور سکندر دوسری جانب بنے اصطبل کی جانب بھاگا۔

''یا اللہ خیر۔'' آنٹی زلیخا بھی گھبرا اٹھی اور جلدی سے توے سے پراٹھا اتار کر تو ابھی چولہے سے اتار دیا۔

''نی چھمو وڈے چوہدری کیہتے نیں۔'' کسی کام سے گزرتی چھمو سے آنٹی زلیخا نے تیزی سے پوچھا۔

''وہ تو جی مردان خانے میں منشی جی کے

ساتھ حساب کتاب دیکھ رہے ہیں۔'' چھمو نے رک کر جواب دیا۔

''جا جلدی سے جا انہیں کہہ کے پنڈ کے ڈنگر ڈاکٹر کو فون کر کے بلائے رانی کی طبیعت خراب ہو گئی ہے جلدی جا۔'' آنٹی زلیخا نے ہدایت جاری کی۔

''آنٹی یہ رانی وہ گھوڑی ہے ناں۔'' رانی کی خراب طبیعت کا سن کر جس طرح سے سب لوگ پریشان گھبرائے ہوئے تھے ذائریہ نے حیران ہوتے تصدیق چاہی۔

''ہاں بیٹا لیکن سکندر کی جان ہے اس میں بڑی پیاری ہے اسے اور بڑا اجذباتی ہے اس کے کے لئے ولایت جانے پر وہ ہم لوگوں سے دور پر اتنا افسردہ نہیں تھا جتنا رانی کے گلے لگ کر رویا تھا، لڑکپن کا ساتھ ہے اس کا اور بڑی وفادار اور سکندر پر جان دیتی ہے ایک دفعہ ایک بڑے زہریلے ناگ نے کچے راستے پر راہ روک لیا تھا رانی نے اپنے سموں سے مار ڈالا تھا اسے کسی بات کی پرواہ کیے بغیر بس جب سے بچہ جنا ہے ٹھیک نہیں ہے اس کی طبیعت۔'' آنٹی زلیخا نے ذائریہ کو جلدی جلدی معلومات فراہم کر کے اس کی حیرت دور کرنی چاہی اسی وقت سکندر ایک سفید خوبصورت گھوڑے کی باگ پکڑ کر بمشکل اسے چلاتا باہر کی جانب آیا۔

''ٹریکٹر ٹرالی نکالو، فضلے ٹریکٹر سٹارٹ کر اور ٹرالی کا رخ موڑ کر ادھر لا، ماں جی میں رانی کو شہر ہسپتال لے کر جا رہا ہوں اس کی حالت ٹھیک نہیں۔'' سکندر نے کسی نوکر کو تیز لہجے میں ہدایت دیتے آنٹی زلیخا کو بھی اطلاع دی جو چبوترے سے اتر کر تھوڑا سا آگے بڑھی تھیں اور ذائریہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی تبھی گھوڑی اچانک گر گئی اور بیرونی بڑے سے گیٹ سے چوہدری رب نواز اور ایک آدمی تیزی سے اندر آئے اور گھوڑی کی جانب بھاگے سکندر اس پر جھکا ہوا تھا۔

''اوئے جلدی کرو اوئے تم سارے بندے ادھر آؤ اسے اٹھا کر ٹرالی میں ڈالنا پڑے گا۔'' سکندر چلایا۔

''نہیں پتر اب اس کی ضرورت نہیں۔'' انکل رب نواز نے سکندر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے کہا اور ایک بندوق لئے نوکر کی جانب بندوق لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا، ذائریہ، آنٹی زلیخا کے ساتھ چھوٹی دیوار کے پاس کھڑی قریب سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔

''نہیں بابا جی نہیں۔'' سکندر نے بندوق چھیننے والے انداز میں تیزی سے کہا۔

''پتر ضروری ہے، وہ تکلیف میں ہے، زہر پھیل گیا ہے اس کے بدن میں، بہت اذیت میں ہے وہ اس کی اذیت دور کرنی ہو گی ورنہ تڑپتی رہے گی۔'' انکل رب نواز نے بھی تیز لہجے میں کہا۔

''تو پھر یہ کام مجھے کرنے دیں۔'' اتنا کہہ کر سکندر نے بندوق گھوڑی کی جانب کی اور فائر کرنے کے لئے آنکھیں بند کیے خود پر جبر کیے بے حد قوت صرف کرتے فائر کرنے کے لئے خود کو تیار کیا ذائریہ نے یہ تمام منظر ہراساں نظروں سے دیکھا۔

''پتر گولی چلا۔'' چوہدری رب نواز نے سخت لہجے میں چلاتے ہوئے کہا۔

''ٹھاہ، ٹھاہ، ٹھاہ۔'' گھوڑی کی گردن کے پاس دو فائر مارنے کے بعد سکندر نے آسمان کی جانب نال کا رخ کرتے پوری بندوق ہوائی فائر کرتے خالی کر ڈالی اور پھر مڑ کر بندوق کو دور پھینکتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ دیوار پر تیزی سے مارنے شروع کر دیے اس وقت وہ بالکل بچوں کی طرح رو رہا تھا، چوہدری اور دو ملازم اور تیزی سے اسے قابو کرنے کے لئے بڑھے وہ اس وقت بالکل آپے سے باہر ہو رہا تھا ذائریہ تو یہ تمام منظر دیکھ کر حیران پریشان کھڑی رہ گئی تھی وہ تقریباً اسے گھسیٹتے ہوئے باہر کی جانب بنے مردان خانے میں لے گئے اور ساتھ ہی رانی کو زمین کھود کر اس میں دفنانے کا بھی کہہ گئے نوکر تیزی سے رانی کے مردے وجود کو اٹھانے بڑھے اس وقت یہ جذباتی منظر دیکھ کر سب کی آنکھیں اشکبار تھیں آنٹی زلیخا روتی ہوئی ذائریہ کو ہمراہ لئے نئی کوٹھی کی جانب بڑھ گئیں، وہ سارا دن بے حد خاموش اور افسردہ سا گزرا ہر کوئی اپنی جگہ چپ چپ سا تھا ذائریہ کا پھر سکندر سے سامنا نہیں ہوا۔

''ایک شخص جو اپنے پالتو، وفادار جانور کے بارے میں اتنا جذباتی ہو وہ ایک ملازم کو محض اس لئے بری طرح سے پیٹ ڈالے کہ اس نے بغیر اجازت اس کی گاڑی میں بیٹھنے کی جرأت کی اور ایک ملازمہ کی عزت لینے کے در پر ہو جائے؟ یہ شخص اصل میں ہے کیا؟'' ذائریہ کے دماغ میں اس طرح کے سوال چکراتے رہے اور سوالوں سے گھبرا کر وہ نیچے گارڈن میں جھولا لینے چلی آئی تبھی ایک دم سے کالی گھن گھور گھٹا اٹھی اور ہر سو جل تھل ہو گیا ذائریہ کو املتاس کے پیڑھ پر ڈالے جھولے پر جھولا لیتے اور بھیگنے کا بہت لطف آ رہا تھا اور وہ چیز سے بے نیاز جل تھل ہوتی بندوں میں خود کو ڈوبتے ہوئے تھی موروں نے بھی بلی سے مشابہ اپنی آواز میں شور مچا دیا تھا راج ہنس کا جوڑا تالاب میں تیرتا اپنے پروں سے بارش کی تیز بوندوں کو جھٹک رہا تھا تبھی خود میں مگن ذائریہ کی چھٹی حس نے اسے کسی انہونی کا احساس دلایا اور سامنے بالکونی میں بارش میں بھیگتا سکندر اسے نظر آیا اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے دیوار سے قدرے ٹیک لگائے بارش کی بوچھاڑ میں بھیگتا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا بجلی کڑکی اور ذائریہ دیوار سے کود کر اتری اور بھاگتی ہوئی کوٹھی میں داخل ہوئی اس وقت اس کا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا وہ جلد از جلد اپنے کمرے میں جا کر اپنی کیفیت سمیت چھپ جانا چاہتی تھی، دماغ میں ہلکی ہلکی سنسناہٹ ہو رہی تھی، تیزی سے زینہ چڑھتے اسے اس بات کا خوف تھا کہ سکندر اپنے کمرے سے نکل کر اس کا راستہ نہ روکے اور ہمیشہ کی طرح اپنی سحر انگیز آنکھوں سے ان باتوں کا اظہار نہ کرنے لگے جو وہ زبان سے نہیں کرتا تھا اس وقت وہ جس لمحاتی جذباتی کیفیت سے دوچار تھی آنے والی صورت حال کا سوچ کر اسے ڈر تھا کہ آج اس کی مزاحمت کمزور نہ پڑ جائے اور وہ خود کو کمزور پڑنے نہیں دینا چاہتی تھی تیز رفتاری سے اس نے تمام راستہ طے کیا اور کمرے میں آ کر دم لیا، دستک کی آواز پر وہ اچھل ہی پڑی۔

''ک..... کون؟'' متوقع صورت حال کا سوچ کر وہ نروس ہو گئی تھی اور آنٹی زلیخا کو کمرے میں آتا دیکھ کر سینے میں رکی سانس اس نے دھیرے سے خارج کی تھی۔

''آج تو صبح کے بعد تم سے ملاقات ہی نہیں ہو سکی، کچھ عورتیں گئیں، ساتھ والی گاؤں کہیں ملنے کے لئے پھر کچھ حویلی کے کام پڑے تھے گندم وغیرہ اٹھوانی تھی بارش کے ڈر سے اور اب شام کو میں ادھر سے فارغ ہو کر آئی تو سوچا اپنی بیٹی کو دیکھ لوں، سویرا کا فون آیا تھا وہ آج تم سے آن لائن بات کرے شاید۔'' آنٹی زلیخا نے ایک ہی سانس میں ساری باتیں بتاتے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا اور ذائریہ جو لباس تبدیل کر کے گم صم بیٹھی تھی ان کی آمد پر مسرور ہو اٹھی وہ خاص

طور پر گھٹنوں میں درد کے باوجود اس کے لئے سیڑھیاں چڑھ کر آئی تھیں ذائریہ کو ان کے پیار پر پیار آیا۔

''جی! سویرا آپی سے میری ابھی تک بات نہیں ہو سکی، آپ مجھے نیچے ہی بلا لیتیں۔'' ذائریہ نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ایک دو بار فون آیا تھا تمہارے لئے مگر اس وقت تم سو رہی تھی میں نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا جس وقت ان کا دن ہوتا ہے ہماری رات، وقت کا کافی فرق ہے۔'' آنٹی زلیخا نے کہا۔

''وہ دوبئی میں رہتی ہیں ناں۔'' ذائریہ نے وقت بات سوچتے ہوئے پوچھا اور اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر آنٹی زلیخا نے اسے تمام تفصیل سے آگاہ کیا۔

''سویرا کی شادی اپنی پھپھو کے گھر ہوئی ہے وہ سب لوگ شروع سے دوبئی میں ہی سیٹل ہیں تمہاری پھپھو کا سسرال وغیرہ بھی کافی بھرا پرا سسرال ہے سویرا کا اور اس کی پھپھو کا سویرا کا یہاں ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں بڑی اچھے عہدے پر ہے اس کی ٹرانسفر امریکہ ہوگئی ہے ابھی کچھ دن پہلے ہی شفٹ ہوئے ہیں پچھلے دنوں معمولی سا کار ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا شکر ہے بچت ہو گئی تمہارے انکل اور میں گئے ہوئے تھے دوبئی اس کے پاس سال دو سال بعد چکر لگ جاتا ہے ہمارا پھر ہم نے کہا کہ اب تو وہ امریکہ چلے جائے گے وہاں جانا آنا مشکل ہو گا تبھی سکندر کو خوامخواستہ گولی لگنے کی اطلاع اور ہمیں جلد واپس آنا پڑا، پانچ سال ہو گئے ہیں شادی کو بہت خوش ہے بہت اچھا ہے اس کا یہاں بیٹا ہے ایک چھوٹا سا اور اب اللہ خیر رکھے دوسری خوشخبری کی بھی امید ہے امریکہ شفٹ ہوتے ہی اس کا ارادہ واپس تم سے ملنے کا تھا مگر ابھی اس کے لئے ناممکن نہیں اتنا سفر اور دن رات شفٹنگ اور سیٹنگ کا کام طبیعت کچھ خراب ہے اس کی ڈاکٹر نے ہر قسم کا سفر بند کر دیا ہے بیڈ ریسٹ پر ہے شکر ہے اس کی ساس اس کے ساتھ گئی ہے وہی سنبھال رہی ہے پہلے تمہاری اور سکندر کی شادی میرا مطلب نکاح کا سن کر اس نے کہا تھا کہ وہ فون پر نہیں خود آ کر تم سے ملے گی اور اب یہ قدرے مشکل ہے ولیمہ وغیرہ بھی اس کے آنے پر ہونا تھا پر اللہ جو بہتر سمجھے۔'' آنٹی زلیخا نے تمام تفصیل سے آگاہ کیا اور باتوں کا رخ اپنے نکاح کی جانب مڑتا دیکھ کر ذائریہ نے جلدی سے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

''آنٹی یہاں لائٹ نہیں جاتی، دیہی مرکز صحت تو آتی ہی نہیں تھی اتنی بارش کے باوجود لائٹ آ رہی ہے۔''

''ارے بیٹا وہ سکندر نے گوبر سے بننے والی گیس کا پلانٹ لگوا رکھا ہے اسی گیس سے لائٹ اور نیچے کچن میں گیس آتی رہتی ہے۔'' آنٹی زلیخا نے اس کی بات کا جواب دیا۔

''سکندر کا بھی تمہیں پتہ ہے صبح کیا حالت تھی بڑی مشکل سے اس نے سنبھالا ہے خود کو میرا بیٹا جتنا جذباتی اور شدت پسند ہے اتنے ہی مضبوط اعصاب کا مالک ہے کچھ ہی دیر بعد اپنی تمام جذباتیت کو اپنے اندر چھپا لیتا ہے اور بظاہر بالکل نارمل اور پرسکون نظر آنے لگتا ہے بس آج تو دل اس کی طرف سے بھی پریشان رہا رانی کا بڑا دکھ ہے اسے بلکہ ہم سب کو۔'' آنٹی نے تبصرہ کیا اور ذائریہ محض جی میں سر ہلا کر رہ گئی۔

''وہ جی چھوٹے چوہدری نے بی بی جی کو اپنے کمرے میں بلایا ہے سویرا بی بی کمپیوٹر سے بات کر رہی ہے جی جلدی سے آ جائیں۔'' چھمو نے کمرے میں آ کر جلدی سے اطلاع کی وہ گویا یہاں کی ملازموں پر ہیڈ تھی چالیس پینتالیس سال کی عمر کی نہایت قابل اعتبار ملازمہ تھی زیادہ تر وہی نئی کوٹھی میں پائی جاتی تھی اور اس کا شوہر باڑے میں کام کرتا تھا۔

''اوہ اچھا اچھا، جاؤ بیٹا تم بات کرا دو سویرا سے۔'' آنٹی زلیخا نے جلدی سے کہا۔

''آپ؟ آپ نہیں چلیں گی؟'' ذائریہ نے انہیں وہیں بیٹھا دیکھ کر جھٹ پوچھا سکندر کے کمرے میں جانے کا تصور ہی محال تھا۔

''ارے نہیں بڑی مشکل سے سیڑھیاں چڑھ کر آتی ہوں گھٹنوں میں درد ہو رہا اب اتنا چل کر دوسرے کونے میں بنے کمرے تک جانا محال ہے۔'' آنٹی زلیخا نے ذائریہ کی حالت سے نظریں چراتے عام سے لہجے میں کہا وہ دل سے چاہتی تھی کہ ذائریہ اپنے اور سکندر کے رشتے کو خوشی سے قبول کرے تو پھر بھلا وہ کباب میں ہڈی کیوں بنتیں اس لئے منہ پکا کر کے وہی بیٹھی رہی اور چھمو کو بھی بلا کر اپنے گھٹنے دبانے پر لگا لیا ذائریہ تو عجیب مشکل میں پھنس گئی آنٹی زلیخا کے اصرار پر اسے اکیلے ہی سکندر کے کمرے کی جانب بڑھنا پڑا نیم وا دروازے پر آ کر وہ کشمکش و پنج کی کیفیت میں مبتلا ہاتھوں کی انگلیاں مروڑتے ہوئی کھڑی تھی جبھی سکندر نے دروازہ پورا کھول دیا۔

''سویرا آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہے آن لائن، کمپیوٹر چیٹنگ سے آ کر چیٹ کر لیں۔'' سکندر نے سنجیدہ صورت بنائے کہا اور ذائریہ مجبوراً جھجکتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی کمرہ کا دروازہ پوری طرح سے کھلا ہوا تھا اس اطمینان کے ساتھ وہ کمپیوٹر ٹیبل کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئی سکندر اپنے واش روم کی جانب بڑھ گیا تھا کمپیوٹر اسکرین پر سویرا کا پراشتیاق چہرہ جگمگا رہا تھا کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں گہری سہیلیوں کی طرح باتوں میں مگن ہو چکی تھیں جس میں یقیناً سویرا کی شخصیت کا کمال تھا وہ بے حد خوش مزاج، پرکشش شخصیت کی حامل تھی اس وقت دوسری جانب بیڈ پر لیپ ٹاپ گود میں رکھے وہ ذائریہ محو گفتگو تھی اور ذائریہ سے مل کر بے حد خوش تھی اور یہ جان کر اور زیادہ خوش اور پرجوش ہو رہی تھی کہ بہت جلد ذائریہ اسپیشلائزیشن کرنے کے لئے ان کے پاس آنے والی ہے ذائریہ کو بھی سویرا کے منہ سے یہ اطلاع سن کر اطمینان اور بے چینی کی ملی جلی کیفیات ہوئی تھیں جنہیں وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی، سکندر اپنی الماری میں منہ دیے نہ جانے اب کیا کھوج رہا تھا جب سویرا نے شرارتی انداز میں قدرے جھک ذائریہ سے پوچھا کہ سکندر نے اسے اتنا عرصہ خود سے دور رہنے کی اجازت کیسے دے دی وہ اتنی پیاری اور خوبصورت ہے کہ سکندر جیسا رومینٹک شوہر ایک پل کو خود سے دور نہ ہونے دے کجا دیار غیر بھجوانا اور پھر یہ کہ وہ جانتی ہے کہ اس کا بھائی کتنا جذباتی اور شدت پسند سا ہے اگر وہ اسے بے جا تنگ کرتا ہے تو وہ اس کی کان کھینچیں گی سویرا یقیناً ان کے رشتے کی اصل صورت حال سے واقف نہ تھی جبھی تو اس کے ساتھ یوں چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی ذائریہ اس کی باتوں پر بلش کر گئی تھی اور دل ہی دل میں بے حد خائف ہو رہی تھی سکندر بھی یقیناً سویرا کی باتیں سن رہا ہو گا تبھی کچھ ہی دیر بعد باتیں نمٹا کر خدا حافظ کہہ کر کمپیوٹر کو شٹ ڈاؤن کر کے ذائریہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور دروازے کی جانب بڑھی جبھی سکندر نے الماری کے قریب کھڑے گمبھیر آواز میں ذائریہ کو پکار کر روکا۔

''ایک منٹ ڈاکٹر بی جی!'' ذائریہ دہلیز کے

یاس کھڑی تھی ایک پل کو تو اس نے ان سنی کر کے نکل جانا پھر اس کے جذباتی پن سے خائف ہو کر رک گئی۔

''یہ آپ کے لئے؟'' ایک خوبصورت سا چھوٹا سا جیولری باکس ذائریہ کے قریب آ کر اس نے ذائریہ کی جانب بڑھاتے سکندر نے کہا۔

''یہ..... یہ کیا ہے؟'' ذائریہ الجھی۔

''وہ ڈاکٹرنی جی (نہ جانے وہ اسے ان بوجھ کر یوں کیوں مخاطب کرتا تھا چڑا کر رکھ دیتا تھا) آپ پہلی دفعہ میرے کمرے میں آئی ہیں یوں خالی ہاتھ جائیں گی تو مجھے اچھا نہیں لگے گا اور اگر آپ نے اسے لینے سے انکار کیا تو میں سمجھوں گا کہ آپ میرے کمرے میں ہی رہنا چاہتی ہیں تبھی یادگار کے طور پر دیے اس گفٹ کو قبول کرنے سے انکاری ہیں۔'' سکندر نے اسے گھیرتے ہوئے کہا اور ذائریہ نے جھٹنے والے انداز میں گفٹ پکڑا اور تیزی سے باہر نکل گئی گویا وہ یہ ثابت کرنا چاہ رہی ہو کہ وہ اس کمرے میں رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا سکندر اپنی چالاکی پر مسکرایا اور ذائریہ کی ادا پر ایک پل کو افسردہ ہو گیا۔

☆☆☆

''میرا خیال ہے کہ مجھے کل سے دیہی مرکز صحت جانا چاہیے اپنے چکروں میں تو اسے بھول ہی گئی ہوں فضلو تو نہ جانے کب ٹھیک ہو گا چھمو کے ساتھ چلی جایا کروں گی کوئی نہ کوئی مریض تو بھگت ہی جایا کرے گا ڈاکٹر ہو کر مجھے اپنے فرائض سے کوتاہی نہیں کرنی چاہیے، سرابراہیم بھی مرکز کا چکر لگانے کا بارہا پوچھ چکے ہیں صبح انکل سے ضرور بات کروں گی۔'' ذائریہ نے رات اپنے کمرے میں چکر لگاتے ہوئے سوچا آج گٹار کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی ذائریہ کو اس کی کمی کا احساس ہوا تھا وہ اپنی بے چینی کو کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی اور پھر بیڈ پر لیٹتے سونے کی کوشش کرنے لگی خواب میں کوئی وجیہہ، مردانہ سراپے کے ساتھ کبھی گھوڑے پر سوار اور کبھی بارش میں بھیگتے اس کے وجود پر پرشوق نظر جمائے اسے نیند میں بھی بے کل کرتا رہا۔

صبح ناشتے پر ذائریہ نے اپنے خیال سے انکل رب نواز کو آگاہ کیا انہیں بھلا کیا اعتراض ہونا تھا البتہ انہوں نے فضلو کے وہاں نہ جانے پر ذائریہ پر اضافی بوجھ کا اظہار ضرور کیا ساتھ ہی اپنا ایک گارڈ بھی ساتھ لے جانے کی تلقین کی سکندر نے خاموشی سے ناشتہ کرتے ان کی بات سن کر اچانک کہا۔

''ویسے بابا ایک اطلاع ہے ملک احسن اور دلاور کے بارے میں؟'' ذائریہ نے تیزی سے سکندر کی جانب ہراساں نظروں سے دیکھا حسن کا نام سن کر وہ گھبرا اٹھی تھی یقیناً وہ مردود ضمانت پر تھانے سے رہا ہو گیا ہو گا اور اپنی بے عزتی کا بدلہ اگر اس نے ذائریہ سے لینے کی ٹھانی تو آنے والے خدشات کا سوچ کر وہ گھبرا اٹھی تھی۔

''ہاں مجھے مل چکی ہے جو ہوا بے حد برا ہوا تم دلاور کے گاؤں جا کر بھی اور ملک حسین سے بھی جا کر مل آنا یہ ضروری ہے گارڈز کے بغیر نہ جانا۔'' انکل نے ناشتے میں مصروف سکندر سے کہا اور ذائریہ سوالیہ تاثرات سے دیکھتی رہ گئی۔

''پریشان نہ ہو کل شام کہیں ملک دلاور اور ملک حسن ضمانت پر رہا ہوئے راستے میں ان کی تو تو میں میں ہو گئی ملک دلاور ملک حسن پر کافی ناراض تھا اس کی وجہ سے پنچائیت میں اس کی بے عزتی ہوئی اور ملک حسن کا بھی یہی کہنا تھا بات بڑھی اور غصہ میں آپے سے باہر ہوتے دونوں نے ایک دوسرے پر فائر کھول دیا جائے وقوعہ پر

ہی دونوں ہلاک ہو گئے، یہ سب ان کے پیچھے گاڑی میں بیٹھے ملازموں کا بیان ہے ایک نوکر کو بھی شاید گولی لگی واللہ علم خیر جو ہوا برا ہوا۔'' سکندر نے ذائریہ کو براہ راست مخاطب کرتے ہوئے اطلاع فراہم کی اور ذائریہ اس خبر پر بھونچکی بیٹھی رہ گئی اسے سمجھ ہی نہ آئی کہ وہ خوش ہو یا افسردہ لیکن بہرحال اس کے سر سے ایک بوجھ ہٹ گیا تھا۔

''بیٹا جی آپ ناشتے سے فارغ ہو کر تیار ہو جائے میرے ساتھ شہر آپ کو پاسپورٹ آفس جانا ہے۔'' انکل نے اس کی توجہ بٹائی اور ذائریہ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور ساتھ ہی دل میں شکر کیا کہ اسے سکندر کے ساتھ کم از کم شہر نہیں جانا، شہر جا کر پاسپورٹ وغیرہ کے کام میں کافی وقت لگ گیا شام تک ان کی واپسی ہوئی ذائریہ اتنے سفر اسے بری طرح تھک چکی تھی تھکن کے باعث اسے اپنا بدن درد سے ٹوٹتا محسوس ہو رہا تھا آتے ہی اپنے بیڈ پر لیٹ کر سو گئی صبح سویرے جلدی اٹھ کر دیہی مرکز جانے کا ارادے سے۔

☆☆☆

پیاس سے حلق میں کانٹے سے چبھ رہے تھے اور اس کیفیت کی بناء پر آدھی رات کو اس کی آنکھ کھل گئی تھی پورا بدن درد سے ٹوٹتا محسوس ہو رہا تھا بخار نے اسے آلیا تھا بدقت بیڈ سے اٹھ کر اس نے فریج سے پانی کی بوتل نکالی اور ایک ہی سانس میں پانی پیتی چلی گئی اسی وقت اس کے کانوں میں ہوا کے دوش پر لہراتی ایک سریلی آواز ٹکرائی بخار کی وجہ سے وہ اس وقت ہلکا ہلکا ڈپریشن بھی محسوس کر رہی تھی تبھی منفی سوچوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے وہ بالکونی میں رکھی کرسی پر آ کر ڈھے گئی چاندنی اپنے جوبن پر تھی آج شاید چودویں کی رات تھی اور اس سحر انگیز ماحول نے اس کی طبیعت کے برعکس کسی کی طبیعت میں بے حد رومان بھر دیا تھا تبھی کچھ دیر ہی بعد گٹار کے تاروں کو دھیمے سروں میں چھیڑتے اس نے بلند آواز میں گانا شروع کیا۔

زندگی کی نیندوں کی صبح عشق ہے
بڑی خوبصورت سی سزا عشق ہے
ہم کو پیار ہوا پوری ہوئی دعا
ہم کو پیار ہوا پوری ہوئی دعا

ذائریہ راکنگ چیئر پر نڈھال بیٹھی آواز میں چھپی سچائی میں جیسے کھو کر رہ گئی تھی ماحول بہت فسوں خیز ہو گیا تھا ایک عجیب سا سحر طاری ہو گیا تھا سکندر دوسری بالکونی میں ذائریہ کے وجود سے باخبر جیسے آج اپنے دل کی سچائی ذائریہ تک پہنچا دینا چاہتا تھا۔

خوابوں میں کبھی میں نے سوچا تھا نہیں
چاہتوں کا خدا مجھ کو اتنا یوں دے گا
بے فکر چلا اپنی یہ ڈگر چلا
کیا پتہ تھا کہ دل تیری خاطر رکے گا
پیار ہوا ہم کو پیار ہوا پوری ہوئی دعا

نیچے گارڈن میں تین جل پریاں سیپیوں سے پانی گرائیں جیسے گانے کی ہمنوا بنیں ذائریہ کو کچھ باور کرا رہی تھیں، سکندر آخری مصرع کی تکرار کرتا گنگناتا گٹار بجا رہا تھا اس وقت وہ شخص اس کے حواسوں پر چھاتا چلا جا رہا تھا اسے اپنے احساسات اور جذبات پر قابو نہ رہا تبھی اس کی سسکیوں کی آواز بلند ہوئی تھی نہ جانے اسے اتنی شدت سے رونا کیوں آ گیا اور اسے وہ چھپا بھی نہ پائی سکندر نے بالکونی میں بیٹھے نازک وجود کو سسکتے دیکھا تو اپنی بے خودی اور جذبات پر قابو نہ رکھ سکا تبھی بے تاب ہو کر گٹار وہیں رکھتا وہ تیزی سے ذائریہ کے کمرے کی جانب بڑھا۔

''ذائریہ! ذائریہ یہ کیا بات ہے؟ رو کیوں

رہی ہو؟'' بے تابی سے کیے گئے سوالات پر ذائریہ بدک کر اپنی کرسی سے اٹھی اور پیچھے کھڑے سکندر کو یوں اپنے کمرے میں آدھی رات کو پا کر عجیب سے احساسات سے دوچار ہوئی۔

''آئی ایم سوری، مجھے اس وقت بلا اجازت تمہارے کمرے میں نہیں آنا چاہیے، مگر تمہاری سسکیاں، ذائریہ اپنے سارے دکھ مجھے دے دو پلیز۔'' سکندر نے دو قدم آگے بڑھتے نہایت نرم اور محبت بھرے لہجے میں کہا۔

''کون سے دکھ، وہ دکھ جو تم نے مجھے دیئے ہیں بھلا مجھ کمزور اور بے بس کی کیا مجال جو میں چوہدری سکندر کے دیئے دکھ اسے ہی لٹا سکوں۔'' ذائریہ نے یکدم غصے میں آتے کہا بخار نے اس کی طبیعت آگے ہی نڈھال کر رکھی تھی عجیب سی چڑچڑاہٹ محسوس ہو رہی تھی سر بھی بری طرح چکرا رہا تھا سکندر کی موجودگی اس کے ارادوں میں دارڑ کا باعث بن رہی تھی اسے اس وقت ایک مضبوط سہارے کی شدت سے طلب محسوس ہو رہی تھی اس کا دل سکندر کی آغوش میں سما جانا چاہتا تھا اس کے مردانہ وجود میں خود کو چھپا دینا چاہتا تھا مگر وقتی لمحے کی کمزوری آگے جا کر ذائریہ کو کس قدر ذلیل و رسوا کرے گی آنے والا وقت سکندر کو فاتح اور اسے شکست زدہ قرار دے دے گا اور فاتح جو کچھ پھر ایک شکست زدہ انسان کے ساتھ کرے گا وہ جانتی تھی لہٰذا اسے ان جذباتی لمحات سے خود کو بچانا تھا اسے اس جاہل زمین دار کے آگے گھٹنے نہیں ٹیکنے، کسی صورت نہیں تبھی اس نے اپنائیت دھرم رویہ ہنوز برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''کیا دکھ دیا ہے میں نے تمہیں؟ آج بتا ہی دو میں اس کا ازالہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا، مجھے ایک بار موقع تو دو، اپنا غصہ اپنی بدگمانی ختم کر لو، پلیز اب بس کر دو، یہ دوری اور سہی نہیں جاتی، آئی لو یو۔'' سکندر نے بے خود ہوئے ذائریہ کے کندھوں پر نرمی سے ہاتھ رکھتے ہوئے اپنے دل کی بات اس تک پہنچا دی۔

''یس آئی لو یو ذائریہ! آئی رئیلی لو یو ہم دونوں جس پاکیزہ بندھن میں بندھ چکے ہیں اس میں یہ خواہ مخواہ کی دوری کیوں، یہ بندھن ان فاصلوں کا تو مجاز نہیں ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ۔'' سکندر نے اپنی جانب پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی ذائریہ سے مزید کہا ذائریہ کو اپنے شانوں پر اس کے مردانہ ہاتھوں کا دباؤ بڑھتا محسوس ہوا، جو کچھ ہونے جا رہا تھا اس کا احساس کر کے اس کی چھٹی حس کسی ہرنی کی طرح چونکی تھی وہ ہرنی جس کے گرد شکاری اسے بے خبر جان کر اپنا جال اس کے گرد تنگ کرتا جاتا تھا۔

''کون سا بندھن؟ ہاں وہ بندھن چوہدری سکندر جسے میں ایک بے جان کاغذی ٹکڑے پر دستخط کے علاوہ کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں وہ میری اس وقت کی مجبوری تھی جو مجھے تم جیسے شخص کا ساتھ قبول کرنا پڑا۔'' ذائریہ نے اپنے کندھوں کو جھٹکتے اور کمرے میں داخل ہوتے تقریباً چلاتے ہوئے کہا اس کی برداشت جواب دے گئی تھی۔

''مجبوری کا بندھن!'' سکندر صدمے سے چور بڑبڑایا۔

''مجھ جیسا شخص؟ کیا ہوں میں ڈاکٹرنی صاحبہ تمہاری نظر میں ذرا آج مجھے بھی تو پتہ چلا۔'' سکندر نے بھی کمرے میں آ کر قدرے بگڑے تیور سے پوچھا اسے ذائریہ کے انکشاف نے دلی صدمہ پہنچایا تھا وہ تو سمجھتا تھا کہ واقعی جن حالات میں ان کا نکاح ہوا ذائریہ کو اس سے سنبھلنے اور نئے رشتے کو سمجھنے میں وقت لگے گا اور پھر کچھ عرصہ بعد اس کی محبت پر یقین کر کے وہ دونوں

ایک اچھی، مثالی ازدواجی زندگی گزاریں گے مگر یہاں اصل بات تو کچھ اور ہی تھی، ذائریہ کی جھجک کا پس منظر محض شرم و حیا نہیں کچھ اور بھی تھا یہ سمجھ کر وہ اسے جاننے کے لئے بے تاب ہو گیا۔

''تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ تم اس وقت میرے کمرے سے چلے جاؤ ورنہ میں آنٹی انکل کو چلا چلا کر بلا لوں گی۔'' ذائریہ نے دروازے کی جانب بڑھ کر نیم وا دروازہ پورا کھول کر سکندر کو باہر کا رستہ دکھاتے دھمکی دی۔

''میں اپنے سوال کا جواب لئے بغیر تو نہیں جاؤں گا اور یہ دھمکی تم کسے دے رہی ہو چلاؤ جتنا مرضی چلاؤ، کیا کہو گی اپنی آنٹی انکل یا کسی اوز سے کہ تمہارا شوہر اس وقت تمہارے کمرے میں موجود وہ لوگ اسے نکال دے بتاؤ ڈاکٹرنی جی کیسا شخص ہوں میں؟'' سکندر نے اس کی دھمکی کی قطعی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنا سوال دوبارہ دہرایا اور ذائریہ کو اس کی بات اور انداز پر شدید قسم کا طیش آ گیا اور دروازے میں کھڑی وہ تقریباً چلا ہی اٹھی۔

''کیسے شخص ہو تم یہ جاننا چاہتے ہو تم ایک جاہل گنوار ظالم احساس برتری اور حاکمانہ طبیعت کے مالک خودسر انسان ہو تم میں اور ملک احسن میں مجھے کوئی فرق نظر نہیں آتا تم اسی طرح کے درندہ صفت انسان ہو اسی کی طرح اپنے کمزور انسانوں کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہوا پنی ملازمہ پر بری نظر ہی نہیں رکھتے اس کی عزت کے درپے رہتے ہو بھول گئے ہو کیا اس حویل میں جب میں پہلی دفعہ آئی تھی تمہاری اور میری ملاقات کن حالات میں ہوئی تھی، شانی کا دوپٹہ جو تم نے کھینچ کر اتارا تھا کس نیت سے کیا یہ بھی بتاؤں کتنی ڈھٹائی سے اپنے ہاتھوں میں پکڑا ہوا تھا تم نے بے چاری نے بعد میں ہاتھ ہاتھ جوڑ جوڑ کر اس واقعہ کو پوشیدہ رکھنے کا وعدہ لیا تھا مجھ سے تاکہ بعد تم اس کا جینا حرام نہ کرو اور تمہاری بری نیت کی وجہ سے ہی انکل اسے فوراً کسی نکمے انسان کے پلے باندھنے پر مجبور ہو گئے تمہارے ہاتھ سے وہ عزت تو بچا گئی کسی طرح مگر اب وہ کیسی مشکل زندگی گزار رہی ہو گی تمہیں اس کا احساس تک نہیں ہو گا اور نہ جانے اس سے قبل کتنی مجبور بے بس حوا کی بیٹیاں تمہاری اس بدفطرت کا شکار ہو چکی ہو گی اور وہ جو تمہاری گاڑی میں شراب کی خالی بوتل میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی اس رات تمہارے دوست کی مہندی کا فنکشن تھا نہ ملک احسن کی طرح خوب نشے میں دھت ہو کر ناچنے والیوں پر پیسے اور خود کو لٹایا ہو گا اتنی ارزاں ذات کا شخص میرا شریک زندگی تو ہرگز نہیں ہو سکتا اور کیا اپنی آنکھوں سے تمہارے ہاتھوں پٹتا نوکر جسے تم نے محض اس لئے اتنی بری طرح سے مارا کہ تمہاری اجازت کے بغیر وہ تمہاری گاڑی میں بیٹھ گیا تھا کا منظر بھی یاد دلاؤں یہ سب میں نے کسی سے تمہارے بارے میں سنا نہیں خود آنکھوں سے دیکھا ہے جھٹلا سکتے ہو اپنے مکروہ کرتوتوں کو مجھ سے اور پھر بھی تمہیں یہ خوش فہمی کہ ذائریہ تمہاری بیوی بن کر تمام عمر اس حویلی اس گاؤں میں گزار دے گی اور..... اور یہ جو تم آدھی رات کو یوں میرے کمرے میں گھس کر مجھے اپنے اور میرے رشتے کی یاد دلا رہے ہو کیا محبت کا جھوٹا اظہار جو نہ جانے تم نے کتنی عورتوں جن میں ملازمائیں اور ناچنے والیاں اور میری طرح مجبور اور بے بس ہو گئیں کیا ہو گا میرے سامنے ڈھٹائی سے کرنے کھڑے ہو گئے نفرت کرتی ہوں میں تم سے شدید نفرت میں اس رشتے کو اپنے نام کے آگے تمہارا نام لگنے سے زیادہ قائم رکھنا چاہتی ہوں اور نہ مجھے اس سے سروکار ہے کہ تم

دوسری یا تیسری شادی کرلو آخر اپنے نفس کی آگ تو تمہیں بجھانی ہی ہے ناں میری طرف سے تمہیں سو شادیوں کی اجازت ہے بس میری جان چھوڑے رکھو اور اگر تم میں تھوڑی سی بھی انسانیت باقی ہے تو مجھے روکنا مت میں نیچے لاؤنج میں جا رہی ہوں خبردار میرے پیچھے مت آنا نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔'' ذائریہ نے طیش اور غصے سے کانپتے جو منہ آیا سکندر کو بول ڈالا بند کمرے میں لگی آگ زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہتی دھواں کہیں نہ کہیں سے راستہ ڈھونڈ ہی لیتا ہے اور جب دھواں کو دیکھتے کمرہ کھولا جاتا ہے تو بھڑکتی آگ کئی قدم پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتی ہے سکندر تو ذائریہ کی شعلہ انگیزی پر ساکت کھڑا جھلس گیا تھا اس کی نوخیز محبت کا گلہ ذائریہ کی شدید ترین نفرت نے گھونٹ ڈالا تھا۔

ذائریہ تیزی سے چلتی ہوئی زینے کی جانب بڑھی اس کا سر بری طرح سے چکرا رہا تھا جبھی زینے پر پہلا قدم رکھتے ہی اسے شدید چکر آیا اور آنکھوں کے گرد اندھیرا چھا گیا جس کے باعث وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکی اور پہلے زینے سے لڑھکتی بری طرح سے نیچے ریلنگ کے سرے آ کر ٹکرائی اور بے ہوش ہو گئی بے ہوش ہونے سے قبل بند ہوتی آنکھوں نے بس مبہم سا سکندر کا ہیولا اپنی سیڑھیاں تیزی سے اترتے دیکھا اس کے بعد درد کی شدت سے اس کے حواسوں پر اندھیرا چھاتا چلا گیا ایسا اندھیرا جو سکندر کے ساتھ بندھے مجبور بندھن سے شاید اسے آزاد کرتا چلا گیا۔

☆☆☆

سیڑھیوں سے گرتے بے ساختہ اس کے منہ سے چیخ بلند ہوئی تھی اور سناٹے میں یہ چیخ صدمے سے ساکت کھڑے سکندر کے وجود میں حرکت بھر گئی تھی وہ ذائریہ کے منہ سے نکلی چیخ سن کر گھبرایا سیڑھیوں کی جانب دوڑا اور آخری سیڑھی پر ٹیڑھے میڑھے انداز میں بے ہوش ہوتی ذائریہ کو دیکھ کر دو دو سیڑھیاں پھلانگتا نیچے اترا تھا نیچے ریلنگ سے بری طرح سر ٹکرانے کے باعث ذائریہ کا ماتھا پھٹ گیا تھا جس میں سے تیزی سے خون نکل رہا تھا اور فرش پر اپنی جگہ تیزی سے بنا رہا تھا سکندر نے بلند آواز میں رب نواز اور زلیخا کو پکارا ساتھ ہی ذائریہ کے وجود کو بیٹھ کر گود میں لے کر ہوش میں لانے کی کوشش کی اسے چھوتے ہی سکندر کو ادراک ہوا کہ وہ تیز بخار میں تپ رہی ہے اوپر سے گر کر شدید زخمی ہو گئی تھی تیزی سے پیلا پڑتا چہرہ اسے آہستہ آہستہ زندگی سے دور جا رہا تھا زلیخا اور رب نواز، سکندر کی پکار پر گھبرائے اپنے کمرے سے نکلے اور آگے کی صورت حال دیکھ کر مزید گھبرا گئے آنٹی زلیخا نے تو رونا شروع کر دیا چوہدری رب نواز فوراً باہر بھاگے گارڈز، ڈرائیور وغیرہ کو فوراً جگا کر دو گاڑیاں تیار کیں کہ رات کہ اس پہر گاؤں سے شہر کا سفر قدرے خطرناک تھا سنسان راستے میں چور ڈاکو کا خطرہ ہوتا تھا اندر آ کر سکندر کو فوراً ذائریہ کو گاڑی میں ڈال کر ہسپتال لے جانے کی ہدایت اور زلیخا کو چھمو کو اپنے پاس بلانے کی ہدایت کرتے وہ لوگ فوراً شہر روانہ ہو گئے پوری حویلی جاگ اٹھی تھی چھمو فوراً چوہدرانی جی کے پاس آ کر بیٹھ گئیں جو روتے ہوئے مصلہ بچھائے اپنی بہو کی زندگی کی بھیک اپنے رب سے مانگ رہی تھیں۔

ماتھے کا خون روکنے کے لئے سکندر نے اپنی قمیض کا آگے کا گھیرا پھاڑ کر اس کے ماتھے پر رکھا ہوا تھا جو آہستہ آہستہ سرخ ہوتا جا رہا تھا سکندر کو اس وقت کسی چیز کا ہوش نہ تھا وہ تو اس کی پیلی

پڑتی رنگت سے بے حد گھبرا گیا تھا ظالم ہوش میں بھی نہیں آ رہی تھی اس وقت اگر وہ سکندر کو یوں اس کے لئے پریشان اور تڑپتا دیکھ لیتی تو شاید اس کی محبت پر ایمان لے آتی، ہسپتال پہنچتے ہی ذائریہ کو ایمرجنسی وارڈ میں لے جایا گیا باہر سکندر اور چوہدری رب نواز پریشان کھڑے اس کی زندگی کی دعائیں مانگ رہے تھے باپ کو اس نے یہ کہہ کر مطمئن کر ڈالا کہ وہ ذائریہ کی چیخ سن کر اپنے کمرے سے آیا اور نیچے اسے بے ہوش پڑا پایا تھا شاید بخار سے گھبرا کر وہ نیچے انہی کے پاس جا رہی تھی۔

''اتنی ضدی، اتنی ہٹ دھرم ہو مجھے صفائی کا موقع دیئے بغیر خود ہی دل کی عدالت میں میرے خلاف مقدمہ چلایا اور پھر خود ہی سزا سنا ڈالی بعض دفعہ آنکھوں دیکھا بھی سچ نہیں ہوتا مجھے ایک بار بتانے تو دیتی جیتے جی مار ڈالا تم نے مجھے۔'' ڈاکٹر کے منہ سے ادا ہوتے جملوں کو سن کر دیوار کے ساتھ لگتے سکندر بس یہی سوچ پایا۔

☆☆☆

دل کی بستی آباد ہونے سے پہلے اجڑ گئی وہ تو کچھ سے بھی ہولا ہو گیا تھا ایک بے نام سا دکھ اس پر چھایا رہتا وہ زندگی میں شامل روزمرہ کے سبھی کام اسی طرح سے سرانجام دیتا جیسے پہلے دیتا تھا مگر اب زندگی بے رنگ اور بے رونق ہو چکی تھی اس کے چہرے کی شادابی کہیں کھو گئی تھی ہلکی ہلکی بڑھی شیو جو اس کی کھلتی رنگت پر بہت بھاتی تھی مگر چہرے پر ہر وقت عجیب سی سنجیدگی اور اداسی چھائی رہتی تھی غصہ کرنا تو وہ بھول ہی گیا تھا، گٹار بجانا اس نے چھوڑ دیا تھا وہ اپنی مری ہوئی محبت پر سراپا ماتم تھا وہ اپنی تکلیف کو، اپنے درد کو دل میں دباتے دل کو درد سے بھر رہا تھا ایسا درد جو صرف اس کی روشن بولتی آنکھوں سے جھانکتا تھا پر لب خاموش رہتے تھے پوری حویلی پر جیسے سوگواریت چھا گئی تھی نہ کوئی ہلچل نہ کوئی خوشی کا احساس، اسے بے حد قلق تھا کہ صفائی کا موقع نہیں دیا اس ضدی لڑکی نے اور اب وہ صفائی پیش کرتا بھی تو کسے وہ تو جا چکی تھی ہمیشہ ہمیشہ کے لے لیکن اب یہ زندگی تمام عمر اس کے بغیر یونہی تنہا گزرنی تھی یہ تو طے تھا کہ سکندر نے صرف اور صرف ذائریہ سے سچی محبت کی تھی اور اس محبت کو وہ کسی اور وجود کے نام کر ہی نہیں سکتا تھا اگر وہ اس کی زندگی میں آ کر بھی نہ آئی اور پھر محبت کے درد سے آشنا کر کے جدائی کا تمام عمر نہ بھرنے والا زخم لگا کر اس کی زندگی سے چلی گئی تھی تو اب یہ زندگی اسی کی یاد میں بتانے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا وہ اور سکندر اپنے فیصلوں پر کتنا اٹل تھا اس کا باخوبی احساس تھا اسے، سکندر نے واپسی کا سفر تنہا گاڑی میں ڈرائیونگ کرتا ہوا سوچا اور اس کے سینے سے افسردہ سے سانس خارج ہوئی آج دل بے حد بوجھل اور اداس تھا ذائریہ کی جدائی نے اسے اندر سے نڈھال کر رکھا تھا وہ اس وقت کسی پر اپنا دکھ جو چہرے پر واضح نظر آ رہا تھا عیاں نہیں کرنا چاہتا تھا جبھی تو گاڑی کو ایک سائیڈ پر روک کر اپنی آنکھوں میں تیزی سے امڈتی نمی کو صاف کرنے لگا تنہا حویلی پہنچ کر اسے اپنا سارا دکھ صرف اپنے دل تک محدود کر لینا تھا اپنے چہرے سے جدائی اور تنہائی کے سایوں کو مٹا کر ماں باپ کے سامنے ایک خوش و خرم چہرہ لے کر جانا تھا جو سکندر کو اس وقت بے حد دشوار نظر آ رہا تھا بے حد دشوار۔

☆☆☆

تیرے بناء جیا نہیں جائے
تو ہر سانس میں ہر آہ میں
تو میرے ہر اک احساس میں

تو میری یاد میں
تجھ سے ہی زندگی کے سائے

لاؤنج سے آتی اس آواز نے اسے پھر بے چین کر ڈالا تھا قدرے بلند آواز میں میوزک سسٹم پر گونجتا یہ نغمہ ایک بار اس کے پورے وجود میں درد بھر دیتا تھا آج کی رات گویا پھر آنکھوں میں کٹنے تھی یادوں نے آج پھر اس کی آنکھوں سے نیند کو چھین لینا تھا دل نے آج پھر خوب احتجاج کرنا تھا، کرلانا تھا، تڑپنا تھا، مچلنا تھا اور مچل مچل کر صبح صادق تک سنبھلنا تھا چہرے پر سنجیدگی سجاتے اپنے غم کو دل میں چھپائے اسے پھر روز مرہ زندگی کے کام سرانجام دیتے تھے یہ گانا اسے بالکونی میں بیٹھے گٹار بجاتے ایک شخص کی شدت سے یاد دلاتا تھا پہلی بار یہ گانا اس نے اسی کی آواز میں اسے گاتے سنا تھا اور اب تو یہ اس کی زندگی کی تعبیر بن گیا تھا اذیت پسندی کے باعث اس نے کبھی اس گانے کو بند کرنے کی فرمائش نہ کی تھی نہ جانے سویرا کو یہی گانا کیوں اتنا پسند تھا وقتاً فوقتاً اس کے گھر میں یہی گانا گونجتا تھا۔

ذائریہ کے دماغ کی سکرین پر ماضی کے منظر آجاگر ہوئے، کچھ گھنٹوں بعد ہسپتال میں اسے ہوش آگیا تھا چوٹیں تو کافی لگی تھیں مگر اتنا شکر ہے کوئی فریکچر نہیں ہوا تھا سکندر کو اپنے اردگرد دوائی وغیرہ لاتے دیکھ کر اسے رات اپنے کمرے میں اس کی موجودگی اور باقی باتیں یاد آتی تھیں اور پھر لیٹے یونہی اس کی نظر اس کی آگے گھیرے سے پھٹی قمیض پر پڑی تھی جس کے ساتھ وہ ہسپتال میں گھومتا پھر رہا تھا اس کی نظروں کا تعاقب انکل رب نواز نے کیا اور سکندر جیسے ہی ڈاکٹر کو بلانے کمرے سے نکلا تو انہوں نے ہنستے ہوئے بتایا کہ خون روکنے کے لئے سکندر نے اپنی قمیض کا دامن پھاڑا تھا نا صرف یہ کہ بلکہ جب ڈاکٹر نے آکر یہ کہا کہ مریضہ کا خون بہت بہہ گیا ہے فوراً خون کا انتظام کرنا ہوگا تو سکندر نے بنا سوچے فوراً اپنا خون دینے کا ارادہ ظاہر کیا اور نرس کے ہاتھ ڈرپ کی سرنج دیکھ کر زور سے آنکھیں بھینچ لیں اور میرا ہاتھ بھی سختی سے پکڑ لیا جب تک خون کی بوتل خون سے بھری نہیں سکندر نے زور سے اپنی آنکھیں بند رکھیں نرس بار بار کہتی رہی کہ آنکھیں کھولیں پر کہاں انکل کا کہنا تھا کہ سکندر اپنے بچپن کے خوف سے نکل آیا جو سرنج کو دیکھتے ہی اسے محسوس ہوتا تھا اور اس کا کریڈٹ ذائریہ کو ہی جاتا ہے انکل کے انکشاف نے ذائریہ کی سوچ کا ایک نیا باب کھولا تھا۔

"کیا اس وجہ سے جو اس نے رات کمرے میں اظہار محبت کیا تھا وہ سچ تھا۔" بدگمانی کے بادل تھوڑے چھٹے تھے تب اس نے سکندر کے سنجیدہ انداز پر غور کرنا شروع کیا تھا باوجود اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہسپتال سے اسے تیسرے دن ڈسچارج کر دیا گیا تھا سکندر اس کا خیال رکھ رہا تھا رات رات بھر کمرے میں کرسی پر بیٹھا وقت گزارتا تھا اس کی درد اس کی تکلیف پر بے چین ہو کر فوراً ڈاکٹر کو بلانے دوڑتا تھا اس کی یہ بے چینی کوئی دھوکہ نہیں تھی کوئی فریب نہیں ہسپتال میں کافی جاننے والے لوگ اس کی عیادت کو آرہے تھے انکل رب نواز ہر روز اصرار پر واپس حویلی جا چکے تھے آنٹی زلیخا بھی ہسپتال ملنے آنا چاہ رہی تھیں مگر فون پر خیریت دریافت کرنے کے بعد اس نے خود ہی منع کیا تھا اسے ان کے گھٹنوں کے درد کا احساس تھا جو اتنے سفر کے بعد شدت اختیار کر جاتا سکندر اسے براہ راست مخاطب نہیں کرتا تھا بلاوجہ چھونے کی کوشش بھی نہیں کرتا تھا لیکن اس کا ہر پل خیال رکھے ہوئے ایک مہرباں دوست کی طرح اس کی تیمارداری کر

رہا تھا ذائریہ اس کے رویے پر الجھ کر رہ گئی تھی۔

تیسرے دن ڈسچارج ہو کر وہیل چیئر پر آ کر بیٹھ کر وہ باہر کھڑی گاڑی کے پاس لائی گئی تھی ابھی وہ چل نہیں پا رہی تھی پاؤں پر چوٹ آئی تھی اور کمزوری بھی شدید تھی جب وہ لوگ ہسپتال سے گاؤں حویلی پہنچے تو سبھی لوگ باہر پورچ میں ہی اس کا استقبال کرنے کھڑے ہوئے تھے آنٹی زلیخا نے آگے بڑھ کر اسے خوب پیار کیا اور پھر اس کا ہاتھ لگوا کر کافی رقم صدقے خیرات کے طور پر بانٹی اندر اسی پرانی حویلی میں سلسلے میں دیگیں بھی پکوائی جا رہی تھیں گاؤں کے سبھی لوگ نورانی کی خیریت دریافت کرنے موجود تھے پرانی حویلی میں ان کے بیٹھنے کا انتظام تھا ذائریہ کو گاڑی سے اتر کر اندر جانا دشوار نظر آرہا تھا پاؤں کا درد اسے زمین پر پاؤں ٹکا کر چلنے کی قطعی اجازت نہیں دے رہا تھا ذائریہ نے مدد بھری نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا تا کہ کسی ملازمہ کا سہارا لے کر وہ گاڑی سے اتر سکے جبھی سکندر نے آگے بڑھ کر بنا کچھ کہے اس کے نازک وجود کو اپنی بانہوں میں بھرا اور بڑے آرام سے اٹھائے اپنے کمرے میں آکر اپنے بیڈ پر لٹا دیا چھمو وغیرہ بھی پیچھے آئیں ذائریہ ہکی بکی سکندر کی حرکت پر شرم سے پانی پانی ہو کر رہ گئی چوٹوں کے باعث وہ صحیح طرح سے احتجاج بھی نہ کر پائی سکندر کی حرکت پر اسے غصہ آیا مگر سپاٹ چہرے کے ساتھ سنجیدہ انداز لئے سکندر کو وہ کچھ کہہ بھی نہ سکی اس کے بعد آنٹی زلیخا کے سنگت میں کچھ گاؤں کی عورتیں جاننے والیاں رشتے دار وغیرہ کی عیادت کرنے چلی آئیں آنٹی زلیخا نے اس کے آرام کے باعث کچھ ہی دیر بعد انہیں اپنے ساتھ لے کر پرانی حویلی چلی گئیں اور جاتے جاتے اسے آرام کرنے کی تلقین کر گئی اس دوران سکندر وہی کمرے میں موجود رہا ذائریہ کو اب اس کی موجودگی الجھا رہی تھی اس وقت اسے مردان خانے میں موجود مہمانوں کے پاس ہونا چاہیے تھا مگر وہ یہاں.....؟ بہت جلد اس کی یہ الجھن بھی رفع ہوگئی۔

"معذرت خواہ ہوں ڈاکٹرنی جی اپنے کمرے میں لانے کے لئے دراصل خواتین وغیرہ آپ کی عیادت کو آرہی ہیں اور ایسی صورت میں میری بیوی جو بظاہر ان کی نظر میں ہے اور اصل میں کاغذی ٹکڑے پر بحالت مجبوری اور مجھے بے وقوف بنائے خاتون سے واقف نہیں دوسرے کمرے میں دیکھ کر باتیں بنائی گئیں آپ بے فکر رہے میں اتنے دن گیسٹ روم میں رہوں گا، اپنے کمزور نفس کو اس وقت مجبوراً اور بے بس خاتون سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں دوں گا اس کا وعدہ رہا۔" سکندر نے آگے بڑھ کر کہا اور پھر اپنے سیل پر کسی کو فون کرنے لگا فون پر یکطرفہ بات سن کر وہ مزید حیرانگی سے سکندر کو دیکھنے لگی۔

"اس دن آپ کے منہ سے اپنے بارے میں اتنے نادر خیالات جان کر مجھ پر کیا بیتی اس کو چھوڑیں مگر میں اپنی ذات پر لگے الزامات کو بڑے آرام سے رد تو سکتا ہوں نہیں ثابت کرنے کے لئے ابھی مستقل آپ کے پاس موجود ہوں تا کہ آپ کو بعد میں یہ شک نہ گزرے کے میں نے آپ کی غیر موجودگی میں ان لوگوں کو ذرا دھمکا کر اصل حقیقت آشکار کی ہے۔" سکندر کی بات ختم ہوتے ہی دروازے پر دستک ہوئی اور سکندر نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور دروازے کے قریب وہی نوکر پشت کر کے کھڑا ہو گیا جیسے چند دن قبل سکندر نے پیٹا تھا اور پھر سکندر کے کہنے پر اپنی حیرت کو چھپائے اس نے ذائریہ کو واضح لفظوں میں بتایا کہ اس رات جب سکندر صاحب تھوڑی دیر کے لئے اپنے دوست کی مہندی پر گئے تھے تو

وہاں پر موجود اپنے دوستوں کے ساتھ اس نے گاڑی میں یہی کہ شراب جیسی بری چیز سے شغل کیا تھا اور کچھ ہی دیر بعد سکندر کو واپس آتا دیکھ کر نصیبو کا بے ہودہ گانا بند کرتے بدحواسی میں خالی بوتل آس نے پچھلی سیٹ کے نیچے چھپادی تھی بعد میں اسے نکالنے کا موقع نہ ملا اور سکندر کی نظر میں وہ بوتل آ گئی تبھی واپسی پر سکندر نے اس کی خوب پٹائی کی تھی، ذائریہ نوکر کے منہ سے اقرار جرم اور اصل حقیقت جان کر چپکی بیٹھی رہ گئی تھی، یہی نہیں بلکہ کچھ دیر بعد شانی حیران پریشان اور قدرے گھبرائی کمرے میں داخل ہوئی تھی سکندر نے اس کے شوہر کو فون کر کے ابھی حویلی لانے کا کہا تھا اس طرح بلائے جانے پر وہ کافی حیران اور پریشان نظر آتی تھی کمرے میں آتے ہی سکندر نے دروازہ بند کر کے ذائریہ کے سامنے اس روز والے واقعہ کی سچائی بتانے کا کہا تو ایک پل کو شانی اپنی جگہ تھم کر رہ گئی مگر پھر سکندر کے جلال سے ڈرتے ہوئے وہ سچ بتانے پر مجبور ہو گئی شاید وہ خود بھی ضمیر کی ملامت سے تنگ آ چکی تھی جبھی اس نے یہ بوجھ اتارنے کا سوچا اور اس کا اعتراف جرم ذائریہ کو خود اپنی نظروں میں چور بنا گیا تھا اس دوران سکندر بالکونی میں جا کھڑا ہوا تھا شانی نے شرمندہ لہجے میں اعتراف کیا کہ شانی کافی عرصے سے سکندر پر جھوٹی محبت کے ڈورے ڈال رہی تھی اسے غربت کی زندگی سے نفرت تھی وہ سکندر کو اپنی محبت کے جال میں پھنسا کر اس حویلی کی مالکن چوہدرانی بننے کے خواب دیکھ رہی تھی مگر سکندر اس کے دام میں آ ہی نہیں رہا تھا اور پھر اس روز بیمار سکندر کے کمرے میں سوپ لے کر شانی آئی تو موقع اور تنہائی کا فائدہ اٹھا کر اس نے اپنی گھٹیا محبت کا اظہار کرتا اپنا آپ سکندر کو سونپ دینا چاہا یا اس نادان کا یہ خیال تھا کہ سکندر سے ایک بار یہ رشتہ قائم ہو گیا تو بہت جلد وہ اس سے شادی بھی کرے گا اور وہ عزت جو شادی سے پہلے رل جائے گی حویلی کی مالکن بن کر خود ہی اسے مل جائے گی سکندر نے بستر سے اٹھ کر اسے غصے میں کمرے سے نکل جانے کو کہا تو اپنی نادانی اور احمق احساسات سے مغلوب ہو کر اس نے اپنا دوپٹہ سکندر کے قدموں میں رکھ دیا کہ وہ اسے یوں نہ ٹھکرائے اور اس کی محبت کو گلے لگا لے تبھی سکندر نے شانی کے منہ پر تھپڑ مارتے کمرے سے نکل جانے کو کہا شانی سکندر سے غصے سے اچھی طرح واقف تھی اسی سے خائف ہو کر جب اس نے دروازہ کھولا تو اسی وقت ذائریہ بھی کمرے میں آنے کے لئے دروازہ کھولنے کو ہاتھ بڑھایا تھا اور پھر سامنے کی صورت حال دیکھ کر وہ اور قسم کی غلط فہمی کا شکار ہو گئی سکندر نے شانی کو دوپٹہ تھمایا چونکہ وہ اس معاملے میں خود کو بے قصور سمجھتا تھا اس لئے بلاوجہ اس وقت ذائریہ کے سامنے صفائی دینے کا اسے خیال نہ آیا اور پھر بعد میں نیچے شانی نے ذائریہ کی نظروں میں خود کو اچھے بنانے اور اپنے اندر کی عورت کے ٹھکرائے جانے کا بدلہ سکندر کے خلاف ذائریہ کے ذہن میں زہر بھر کر لے لیا وہ عورت تھی ذائریہ کو دیکھتے ہی سکندر کے چہرے پر جو شادابی ابھری تھی اسے وہ ٹھکرائی ذلت کے احساس سے دوچار عورت خوب پہچان گئی تھی اسی لئے اس نے سکندر کے خلاف سارا کچھ جھوٹ گھڑ کر ذائریہ کو بدگمان کر ڈالا شام کو سکندر نے چوہدری راب نواز سے شانی کی حرکت کا ذکر کیا اور چوہدری رب نواز اسی وقت چچا رحمیاں کو بلا کر شانی ان کے حوالے کرتے ڈھکے چھپے لفظوں میں بات کرتے ایک رشتے کے بارے میں کہا چچا رحمیاں کو بھلا کیا اعتراض ہوتا وہ تو بیٹی کی حرکت پر شرمسار ہو کر رہ گیا تھا اور

اس کرح آناً فاناً شانی کی شادی کر دی گئی اور اب شانی اپنے شوہر کے ساتھ اچھی یا بری زندگی گزار رہی تھی یہ تو عورت پر ہی منحصر ہوتا ہے کہ وہ اپنی منہ زور خواہشات کو لگام دے کر ایک پرسکون زندگی گزارے یا پھر ان خواہشات کے ہاتھوں کھلونا بن کر ناآسودہ زندگی۔

''چوہدری سکندر بہت نیک اور اچھے ہیں جی بچپن سے یہاں پر ہوں مجھ سے بہتر کون جانتا ہے انہیں، انہی کی وجہ سے مجھ بے وقوف کی عزت جو میرے اپنے ہی ہاتھوں سے برباد ہونے جا رہی تھی بچ گئی میں تو بڑی احسان مند ہوں آج اگر مجھے اپنے غریب شوہر کی سچی محبت ملی ہے جس کے آگے اس دولت کی کوئی وقعت نہیں تو یہ بھی ان کی نیک فطرت کی وجہ سے ہے اور یہ آپ سے بڑا پیار کرتے ہوں گے جی سچا اور ستھرا پیار مجھے اس کا یقین ہے آپ بھی اس سچے پیار کی قدر کیجئے گا۔'' شانی نے نم آنکھوں سے بمشکل یہ جملے کہے اور کمرے سے نکلتی چلی گئی ذائریہ کی تو سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا وہ کیا کرے اور کیا کہے۔

''آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں کہ ہسپتال میں میرا سیل فون آپ کے کمرے میں رہا ہے شاید اب بھی آپ کو مجھ پر شک ہو میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتا اور اس طرح سے اصل حقیقت سے آگاہی دے کر میرا مقصد اس کاغذی رشتے کو مضبوط کرنے اور اپنے جذبات کی تسکین کرنا ہرگز نہیں میں آپ کو اب کبھی مجبور نہیں کروں گا کہ آپ مجھ سے وہ تعلق قائم کریں جو کاغذی رشتے کے باعث ہوا ہے، ذائریہ کبھی کبھی آنکھیں جو دیکھتی ہیں وہ بھی پورا سچ نہیں ہوتا یہ دنیا اور یہ زندگی عجیب و غریب واقعات اور اسرار سے بنی ہوئی ہے اس میں کامیاب وہی ہے جو آنکھوں سے دیکھنے کے ساتھ ساتھ اصل کی پرکھ دل سے کرتا ہے آپ جب کہیں گیں میں بندھن کو توڑ دوں گا چاہے ایسا کرتے مجھے کتنی ہی اذیت سے گزرنا پڑے لیکن شرط یہ ہے کہ میں آپ کے منہ سے اس رشتے کو توڑنے جوڑنے کا اقرار سننا چاہوں گا، ذائریہ گاؤں کے لوگ برے یا محض جاہل گنوار نہیں ہوتے برے انسان ہر جگہ برے ہوتے ہیں شہر یا گاؤں کے ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا پانچوں انگلیاں کہیں پر بھی برابر نہیں ہوتیں ٹھیک ہے آپ کا واسطہ کچھ ایسے لوگوں سے پڑا جو آپ کے لئے بے حد تکلیف کا باعث بنے تو پھر چوہدری رب نواز کا تعلق بھی تو گاؤں سے ہی ہے فضلو، پپو کا تعلق بھی یہی سے ہے جنہوں نے آپ کی خاطر اپنی جان تک داؤ پر لگا دی کیا وہ گاؤں کا باشندہ نہیں آپ نے کسی ایک کے جرم کی سزا باقی کے لوگوں کو بھی سنا ڈالی یہ غلط ہے ذائریہ بے حد غلط بدگمانی کی عینک اتار کر دیکھئے آپ کو گاؤں میں بھی اچھے، سادہ اور مخلص لوگ ملیں گے میرے علاوہ بس مجھے یہ سب کر کے یہی سمجھانا تھا اور آج کے بعد آپ میری طرف سے بے فکر ہو جایئے۔'' سکندر اتنا کہہ کر کمرے سے نکل گیا اور ذائریہ اپنی جگہ چپ کی چپ بیٹھی رہ گئی اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ اس کی انمول یادوں کے خزانے میں مزید اضافہ ہی تھا۔

☆☆☆

چاہے کوئی جرمانہ لے لے، پھر جینے کا بہانہ دے
لے آ پھر سے وہ دن
وہ بے وجہ ہی لڑتے رہنا، اک دوجے پے ہر لمحہ مرنا
لے آ پھر سے وہ دن
تیرے بنا جیا نہیں جائے

اس کے دن بے کیف اور راتیں یادوں کے سنگ آنسو بہاتے گزرتی تھیں، نیو یارک جیسے تیز رفتار، جدید سہولتوں سے آراستہ شہر میں ایک بالکل الگ قسم کی زندگی گزارتے وہ گاؤں اس کی یاد سے کسی بھی پل محو نہیں ہوتا تھا جسے وہ بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک ربورٹ نما زندگی گزارنے اسے گاؤں کے وہ سادہ لوگ ایک ہی جگہ پر رکا وقت یاد آنے لگتا، وہ اپنا دل اس گاؤں میں چھوڑ آئی تھی اس شخص کے اس جسے اس بات کی خبر تک نہ تھی کوئی اس کے بارے میں بات بھی تو نہیں کرتا تھا، سویرا اور اس کے میاں اس کا ہر طرح سے خیال رکھتے تھے اور جس شخص کے حوالے سے اس کا بے حد خیال رکھتے اس کا بھول کر بھی ذکر نہ کرتے آنٹی انکل کا بھی اسے فون آتا رہتا ماسوائے خیر خیریت اور دعاؤں کے کوئی تیسری بات بھول کر بھی نہ کرتے اور وہ جو ہار کر اب انا کے ہاتھوں مجبور اور بے بس تھی اپنی بے بسی پر خود سے ہی خفا سے زندگی بتا رہی تھی، پڑھائی میں اس نے خود کو بری طرح سے مصروف کر رکھا تھا وہ ایک سکنڈ کے لئے بھی فارغ بیٹھنا نہیں چاہتی تھی اور اس کے لئے وہ خود کو بے طرح کاموں میں الجھائے رکھتی وہ تو کسی سٹور پر بھی کام کرنا چاہ رہی تھی حالانکہ پیسے کی اسے کوئی پرابلم نہ تھی بینک میں رکھی اس کی اپنی رقم اس کے کے کام آ رہی تھی لیکن سویرا نے ایسا نہیں کرنا دیا اور ایک شخص کو ناراض کرنے کے بعد وہ اپنے کسی اور پیارے کو ناراض کرنے کی خود میں ہمت نہ پاتی تھی جب بھی سویرا کو گاؤں سے فون آتا وہ اس بھری نظروں سے دیکھتی کہ شاید کوئی اس سے بھی بات کرنا چاہے وہ جس سے وہ پہلے بدگمانی کے ہاتھوں اور پھر اپنی انا کے ہاتھوں کھو آئی تھی شاید اب تو اس کی دوسری شادی کی تیاریاں ہو یا پھر ہو بھی چکی ہو کوئی بھی تو واضح طور پر اس کا ذکر نہ کرتا تھا جدائی کی سزا اس نے اپنے ان جرم پر خود کو دے ڈالی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنے پیارے شخص کو جان نہ پائی اور اس سے ہمیشہ بدگمان رہی اور جب اس نے تمام غلط فہمیاں دور کر دیں تمام بدگمانیاں دور کر دیں تو وہ اپنی نسوانی انا کے ہاتھوں اسے کھو کر یوں دیار غیر آ بسی یہاں کی ایک پاکستانی ڈاکٹرز کی بنائی این جی او سے وہ وابستہ ہو چکی تھی جو یہاں پر کچھ وقت گزار کر اپنے ملک کسی پسماندہ علاقے یا دیہات میں جا کر کلینک کھولتے تھے چاہتے تو وہاں رہتے یا پھر آتے جاتے رہتے تھے اور وہیں کے کسی ڈاکٹر کو بمعہ تنخواہ کے وہ کلینک دے دیا جاتا جس پر باقاعدہ چیک اینڈ بیلنس رکھا جاتا اس کا ایک مخصوص طریقہ کار تھا جس کی بناء پر کسی قسم کی بے ایمانی ہونے کا امکان نہ رہتا تھا یہاں پر رہتے وہ خود کو عالی طور پر نہ صرف مستحکم کرتے بلکہ اس میں سے مخصوص رقم بچا کر اپنے ملک بنائے جانے والے کلینکس کو بھی مستحکم کرتے رہتے، ذائریہ جب سے اس این جی او سے وابستہ ہوئی تھی اسے جینے کا ایک مقصد مل گیا تھا اب اس کا ارادہ بھی ڈپلومہ حاصل کر کے اسی این جی او سے وابستہ رہتے ہوئے کسی گاؤں میں جا کر باقی کی زندگی گزارنے کا ارادہ تھا اور یہ وہ کسی جذباتی کیفیت سے دوچار ہو کر نہیں کر رہی تھی بلکہ اس این جی او میں بامقصد زندگی گزارنے والے ڈاکٹرز سے مل بیٹھ کر گفتگو کر کے اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اپنی زندگی میں کھویا سکون کیسے واپس لا سکتی ہے ابھی تک اس نے اپنے اس ارادے کی ہوا کسی کو نہیں لگنے دی تھی کیونکہ یہ تو طے تھا کہ وہ گاؤں چوہدری رب نواز کا گاؤں نہیں ہو گا اتنے فاصلے پر وہ اس خفا سے شخص کو بھول نہیں پاتی تھی اس کی باتیں

اس کی یادیں اسے تڑپاتی تھیں اور گاؤں جا کر تو خاموش رہنا ناممکن ہو جاتا دراصل یہ تنظیم یہاں پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے اور اپنی فیلڈ میں اسپیشلائزیشن کرنے والے ڈاکٹرز جو بعد میں یہیں کر ہو کر رہ جاتے تھے اور اس مشینی معاشرے میں ایک وقت تک مشین بن کر رہ جاتے تھے یا پھر اپنے ملک جا کر اچھے ہسپتالوں یا خود مہنگی کلینک کھول کر بیٹھ جاتے تھے مسیحا کا اصل کردار اور مقصد یکسر بھلا بیٹھتے تھے ان کو ان کا اصل مقصد یاد دلائے رکھنا تھا یہ تنظیم بعض ڈاکٹرز تو یہی سے ہائر کرتی اور ان کی پوری رضامندی سے انہیں پاکستان کے کسی پسماندہ علاقے یا گاؤں میں پوسٹ کراتی جہاں پر انہیں کی کوئی کلینک کھلی ہوتی تنخواہ وہ خود دیتی ذائریہ یہ دیکھ کر حیران تھی کہ بہت سے اس کے ساتھ پاکستان سے آ کر پڑھنے والے ڈاکٹر اور پہلے سے بھی کافی عرصے سے یہاں موجود ڈاکٹر اس تنظیم سے وابستہ ہو رہے تھے اور اس تنظیم کو اچھی طرح سے جانتے اور سمجھتے تھے وہی نیک مقصد ادا کرنا چاہتے تھے جو اب ذائریہ کا بھی تھا لیکن اپنے اس دل کا کیا کرتی جو ہر پل اس کے ساتھ غداری کرتا تھا، اسے تڑپائے رکھتا تھا آخر اتنا عرصہ بیت جانے کے باوجود بھی وہ سکندر کو بھلا کیوں نہیں پا رہی تھی اپنے کمرے میں لئے اسے سکندر کا کمرہ پوری شدت سے یاد آنے لگتا جہاں پر سیڑھیوں سے گرنے کے بعد وہ کچھ دن رہی تھی اور اس دوران ایک بار بھی سکندر نے اسے اپنے اصل تعلق کا احساس نہیں دلایا تھا وہ اس کا خیال رکھتا تھا مگر خاموشی سے رات کو وہ گیسٹ روم میں چلا جاتا دن کو وہ وقتاً فوقتاً کمرے کے چکر لگاتا رہتا کبھی کمپیوٹر ٹیبل بیڈ کے قریب کر کے آن کر کے اسے مصروف کر جاتا کبھی کوئی نہ کوئی کتاب اس کے پڑھنے کے لئے لیے چلا آتا لیکن کام کی بات کے علاوہ بھولے سے بھی کوئی اور بات نہ کرتا رات بے چینی سے اس کے بیڈ پر لیٹے کروٹیں بدلتے اس کا دل چاہتا کہ وہ بالکونی میں اسی طرح سے بیٹھ کر گٹار پر کوئی مدھر تان چھیڑے جس سے اس کے دل کے تار بھی چھڑ جائیں پر وہ تو گویا ہر رات ہی بھلا بیٹھا تھا نہ وہ پہلے جیسی شرارتیں نہ وہ مسکراتے لب بے حد جذبات انڈیلتی بڑی بڑی آنکھیں کھوئی آتے جاتے ذومعنی جملہ جس سے بے اختیار اس کی دل کی دھڑکن غیر متوازن ہو جاتی یہ تو وہ سکندر ہی نہ تھا جس سے بدگمان ہونے کے باوجود ذائریہ عادی ہوتی جا رہی تھی اور پھر وہ وقت بھی آ گیا جب اس نے اپنی انا کے ہاتھوں اپنے دل کو ہار دیا پاسپورٹ بننے کے بعد نیو یارک آنے کا ٹکٹ لا کر سکندر نے ہی اس کے ہاتھوں میں تھمایا تھا جہاں پر سویرا کے میاں کے توسط اس کا ایک میڈیکل کالج میں داخلہ ہو چکا تھا بظاہر یہ دو سال کا کورس تھا مگر وہ تو دل میں ہمیشہ کے لئے وہیں جا کر پہلے سے بسنے کا ارادہ کر چکی تھی ارادہ اب بھی وہی تھا بس اب وہ دل یہیں اس روٹھے ہوئے شخص کے پاس چھوڑ کر جا رہی تھی بغیر اسے یہ بتائے اور بغیر اسے منائے کہ اس میں بالکل ہمت نہ تھی جسے اس نے اول روز سے اپنی بدگمانی اور نفرت کا نشانہ بنائے رکھا اب اپنی انا کو ہار کر اسے منانے وہ ایک بار اقرار محبت کر چکا تھا دوسری بار نہیں کر سکتا تھا صرف ایک بار اس سے اقرار تو کرتا وہ اسی وقت اپنا تن من ہار دیتی مان لیتی اپنی شکست ایمان لے آتی اس کی محبت پر ایک بار اس کو روکتا تو سہی پر وہ تو قسم کھائے بیٹھا تھا کہ اب تمام عمر خود بھی تڑپے گا اور اسے بھی تڑپائے گا بار ہا اس نے ہمت کر کے خفگی دور کرنا چاہی اب وہ اس کی رگ رگ میں سما چکا تھا اقرار

کرنا چاہا بتانا چاہا کہ جب سے اسے اصل سکندر نظر آیا ہے وہ اس پر اپنا دل ہار بیٹھی ہے مگر وہ تو سنجیدہ صورت لئے اس کی ہمت توڑ کر رکھ دیتا تھا آخری وقت تک وہ اس سے ایک بار پھر کسی آس بھرے جملے، اقرار محبت کی منتظر ہی رہی مگر وہ تو ایسا چپ ہوا تھا جیسے کبھی پہلے کچھ کہا ہی نہ تھا اس کی یہ سنجیدگی اس کی جانب بڑھتے اس کے قدم روکتی تھی اور پھر وہ تو اسے ائیر پورٹ بھی چھوڑنے نہیں آیا تھا انکل کے ساتھ ہی وہ آئی تھی اور آنٹی سے حویلی میں ہی مل کر زار و قطار رو پڑی تھی وہ جوان لوگوں کو اپنا کچھ نہیں سمجھتی تھی آج ان سے جدا ہوتے وہ ایک کرب میں مبتلا تھی گاؤں جیسے جیسے دور ہوتا جا رہا تھا اس کے اندر کچھ ٹوٹتا جا رہا تھا جہاز کے پہیوں نے جیسے ہی زمین کو چھوڑا اس کا دل چاہا وہ کود جائے وہی اسی گاؤں میں چلی جائے اسے گاؤں کے لوگ، فضلو، پیتو حتی کہ چھمو تک یاد آنے لگے تھے یہ اس کی بھول تھی کہ وہ ان لوگوں کو ان کی سادہ لوحی اور پرخلوص محبت کو ٹھکرا کر کہیں اور کسی اور دیس کی باسی بن سکتی ہے۔

سویرا کی فیملی کے ساتھ اس کا وقت بہترین گزر رہا تھا سویرا کا اس دوران ایک اور بیٹا ہو چکا تھا اس کے دونوں ہی بیٹے بے حد پیارے اور کیوٹ تھے چوٹا تو ابھی سال بھر کا ہی تھا اور سویرا کو بے حد مصروف رکھتا تھا ذائریہ کو جب بھی موقع ملتا وہ سویرا کے ساتھ گھر کے کاموں میں اس کی خوب مدد کرتی بچے سنبھالتی جو اس کے ساتھ اٹیچ بھی تھے سویرا کو ذائریہ کا بڑا آرام تھا ذائریہ کو یہ آس ہی ہوتی کہ سویرا کے ساتھ باتیں کرتے ضرور وہ کہیں نہ کہیں اپنے چہیتے بھائی کا ذکر کرے گی وہ اس کے اور اپنے بچپن کے قصے وغیرہ تو سناتی لیکن اب وہ کیا کر رہا ہے بھول کر بھی نہ بتاتی اور وہ خود کس منہ سے پوچھتی نہ جانے اس نے کیا کہہ کر آنٹی انکل اور سویرا کو سمجھایا تھا اور اپنے اور اس کے تعلق کے بارے میں کیا واضح کر رکھا تھا جو وہ لوگ یوں خاموش تھے آخر وہ لوگ ان دونوں کے تعلق کے بارے میں کچھ کہتے کیوں نہیں کبھی کبھی ذائریہ کو ان پر شدید غصہ آنے لگتا ہر کوئی اس کی بے بسی کا تماشہ دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

پر کے بنا پرندہ جیسے سر کے بنا سازندہ جیسے
میں یہاں تیرے بغیر
گھر کے بنا باشندہ جیسے، جال کے بنا کوئی زندہ جیسے
میں یہاں تیرے بغیر
تیرے بنا جیا نہیں جائے

کانوں پر ہیڈ فون لگائے وہ سیل فون میں ایک ہی گانا ریکارڈ کیے سنتے ہوئے قدرے سنسان سڑک پر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی چلی جا رہی تھی نیویارک پر آج گہرے بادل چھائے ہوئے تھے ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی اور آج وہ بے حد افسردہ تھی رہ رہ کر وہ سنگدل یاد آ رہا تھا یہ بوندا باندی اسے بری طرح سے وہ بارش کی یاد دلا رہی تھی جب بالکونی میں سینے پر ہاتھ باندھے بھیگتے ہوئے وہ گارڈن میں جھولا جھولتے دیکھ رہا تھا اسے آج اسے بہت شدت سے اس کی یاد ستا رہی تھی آج اسے ڈی ایل او کا ڈپلومہ سرٹیفکیٹ ملا تھا شاندار نمبروں سے پاس ہوئی تھی اس کے بعد کچھ عرصے بعد بے حد خاموشی کے ساتھ اپنی این جی او کے توسط سے پاکستان کے کسی گاؤں میں کر اپنی خدمات سرانجام دینے کا فیصلہ ہو چکا تھا جبھی اسے لگا سامنے سڑک پر بلیو جینز پر چیک دار بلو شرٹ پہنے وہی کھڑا ہے اف ایک تو اس وہم سے وہ عاجز آ چکی تھی نہ جانے اسے کیا ہوا کہ تیز تیز قدم اٹھاتی وہ اس وہم کے قریب جا پہنچی۔

''کیوں تنگ کرتے ہو مجھے، پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے میرا او کے تم ایسے میری جان نہیں چھوڑو گے تو سنو، آئی لو یو، آئی لو یو سو مچ بے حد پیار کرتی ہوں میں شاید اس روز سے جب پہلی بار تم زخمی حالت میں سینٹر آئے تھے یا پھر غصہ میں لڑنا بھڑنا سکندر جس کے سینے میں چھپ کر تحفظ کا احساس جاگا تھا بدگمان ہو کر بھی میں تم سے کبھی بدگماں ہو ہی نہیں سکی اور جب تم نے میری ہر غلط فہمی دور کر دی تو میری روح ہلکی پھلکی ہو گئی تھی مگر میں نادان تھی پہلے تمہیں بدگمانی کی وجہ سے کھو دیا اور پھر اپنی انا کے ہاتھوں تم نے تو کہا تھا کہ تم میرے منہ سے اس تعلق کو توڑنے یا جوڑنے کے بارے میں سننا چاہتے ہو صرف ایک ہاں مجھے میری محبت لٹا دیتی مگر میں تو اپنی انا کے ہاتھوں ہار گئی ہاں سکندر کاش تم سچ مچ میرے سامنے ہوتے دو سال سے تمہاری جدائی میں تڑپ رہی ہوں کرلا رہی ہوں کوئی مجھے تمہارے بارے میں کچھ نہیں بتایا لیکن میری بڑی دیکھو میں خود سے بھی فون کر کے تمہیں نہیں پکارتی جدائی کا عذاب تمام عمر مجھ پر جاری رہے یہی سزا سناتی ہے میں نے خود تم جیسے اچھے شخص کا دل دکھا کر، لیکن سکندر میں ٹوٹ گئی ہوں، ہار گئی ہوں، ہار گئی ہوں۔'' ذائریہ نے بے تحاشا اپنے وہم کے سامنے کھڑے روتے ہوئے اقرار محبت کیا۔

''کس نے کہا ہار گئی ہو تم، تم تو جیت چکی ہو مجھے۔'' سکندر کو بولتے دیکھ کر وہ بھونچکا کھڑی رہ گئی اور پھر حقیقت کا ادراک ہوتے ہی روتے ہوئے سکندر کے سینے سے جا لگی سکندر نے کچھ دیر اسے رونے دیا ان دونوں کے ملن کا منظر بادلوں کی آنکھیں بھی نم کر گیا تھا جبھی تو بوندا باندی میں تیزی آ گئی تھی پھر چپ کراتے ہوئے سکندر نے ذائریہ کے ماتھے پر اپنی محبت ثبت کی۔

''ویسے ڈاکٹرنی جی بے شک یہ آزاد پسند ملک ہے مگر.....'' سکندر نے ذائریہ کی توجہ ہٹانے کے لئے ابھی تک اس کے سینے سے لگی ذائریہ کو چھیڑا اور ذائریہ کی بات کا مفہوم جان کر جلدی سے پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی اپنی جو تھی انا کی وجہ سے دو سال وہ بہت اذیت میں گزار چکی تھی اب مزید تاب نہ تھی اس میں یہ سب سہنے کی۔

''ٹکٹیں کنفرم ہیں ابھی کچھ دیر بعد ہماری فلائیٹ ہے جلدی کرو ائیر پورٹ پہنچا ہے۔'' سکندر نے یہ کہہ کر اس حیران ہی کر ڈالا۔

''ایسے کیسے؟ میرا سامان، سویرا وغیرہ سے ملنا اور پھر کیا تم صرف مجھے لینے ہی آئے ہو اتنی دور سے۔'' ذائریہ نے بے ربط ہوتے نہایت حیرت سے پوچھا۔

''ہاں بالکل اتنی دور سے تمہیں لینے ہی آیا ہوں ایک ایک پل کو گن کر گزارا ہے میں نے اس ایک لمحے کے انتظار میں تم کیا جانو اور اگر خود لینے نہ آتا تو محترمہ تو کسی این جی او کی وجہ سے کسی اور گاؤں میں چپ چاپ جا بستیں اور میں رانجھا بنا اپنی ہیر ہر گاؤں میں کھوجتا رہتا اس سے تو بہتر آ کر تمہیں لے جانا ہی ہے ناں بس جلدی کرو باقی باتیں گاؤں جا کر جہاں ہمارے ولیمے کا انتظام نہایت زور و شور سے ہو رہا ہے سویرا وغیرہ بھی سب جا چکے ہیں سمجھی۔'' سکندر نے ہنستے ہوئے کہا وہ تو آج نہ جانے کیسے کیسے انکشاف کر کے اسے بوکھلائے دے رہا تھا۔

''ویسے میں نے صحیح طرح سے سنا نہیں آپ شاید آئی لو یو ٹائپ کی کوئی بات کر رہی تھیں۔'' سکندر نے اسے چھیڑا۔

''سکندر!'' ذائریہ نے اس کے بازو پر ہلکا

سامکا جڑا ہنستے ہوئے۔

''ہائے لٹ کے لے گئی ڈاکٹرنی جی میرا خیال ہے کہ ہنی مون منا کر ہی جاتے ہیں۔'' سکندر نے ایک ادا سے بازو پکڑتے کہا اور سکندر کے ارادے جان کر ذائریہ نے دوڑ لگا دی ہنستے ہوئے اس یقین کے ساتھ کہ سکندر اس کے پیچھے ہی آرہا ہے اور اب اسے واپس گاؤں جا کر انکل آنٹی اور باقی سب لوگوں سے بھی ملنے کی جلدی تھی۔

☆☆☆

زندگی کی نیندوں کی صبح عشق ہے
بڑی خوبصورت سی سزا عشق ہے
ہم کو پیار ہوا پوری ہوئی دعا
ہم کو پیار ہوا، ہم کو پیار ہوا

''میں چوہدری سکندر ایک عام سا انسان جس کی ایک خامی اس کی تمام خوبیوں پر یوں پردہ ڈالے گی مجھے اس کا ذرا بھر اندازہ نہ تھا اور وہ خامی تھی میرا بہت جلد غصے میں آجانا گاؤں کے ماحول میں رہتے میں نے لڑکپن سے ہی یہ بات بہت اچھی طرح سے سیکھ لی تھی کہ حق بات کرنا ہی سب کچھ نہیں ہوتا بلکہ حق کے لئے لڑنا پڑتا ہے بھڑ جانا پڑتا ہے اور پھر میری یہی سوچ میری ذات کا خاصہ بن گئی، محبت کیا ہوتی ہے اور آپ کو کس طرح موم کی طرح پگھلا کر رکھ دیتی ہے اس کا ادراک تو شاید بہت بعد میں جا کر ہوا مگر وہ پہلی نظر کی محبت کا جادو مجھ پر چل گیا تھا۔''

''ہاں ذائریہ مجھے تم سے پہلی نظر کی محبت ہو گئی تھی۔'' سکندر نے دلہن بنی ذائریہ کے پاس بیٹھ کر بولنا شروع کیا آج ان کی دعوت ولیمہ تھی پورے رشتے دار اور گاؤں امڈ پڑا تھا ذائریہ نے پنک کلر کی کامدار لونگ شرٹ کے ساتھ گھیر دار لہنگا پہنا ہوا تھا اور اونچے جوڑے پر سبز رنگ اور ٹی پنک کلر کا خوبصورت دوپٹہ اسٹائلش انداز میں ٹکایا گیا تھا آج تو اس کی چھب ہی نرالی تھی دلہن بنی وہ بے حد حسین نظر آرہی تھی سویرا نے ہی سبھی باتوں کا انتظام کر رکھا کل گاؤں آتے ہی فوراً سکندر سے پردہ کروا دیا گیا تھا جس پر سکندر نے اچھا خاصا شور مچایا تھا پر اس کی سنی کس نے تھی سبھی لوگ بے حد پرجوش اور خوش تھے آنٹی زلیخا تو اس کی بلائیں لیتی نہ تھکتی تھیں اور وہ جب بھی کسی سے کچھ پوچھنا چاہتی ایک ہی ٹکا سا جواب آتا سکندر نے کچھ بھی بتانے سے منع کیا کل اسی کی زبان سب کچھ سن لینا اور آج اس کے بیڈروم میں جو گلابوں اور موتیا کے پھولوں سے بھرپور طریقے سے سجایا گیا تھا دلہن بنی ذائریہ شرمائی سی سکندر کی باتیں سن رہی تھی آج تو سکندر کی چھب بھی نرالی ہی تھی آف وائٹ شیروانی، چوڑی دار پاجامہ، نوک دار کھسہ اور میرون رنگ کی پگڑی اس کی بلند قامت اور بھرپور مردانہ سراپے پر بے حد جچ رہی تھی، سبھی لوگوں نے انہیں چاند سورج کی جوڑی قرار دیا تھا۔

''پہلی ملاقات میں تمہارا مجھے ڈانٹ کر رکھ دینا، سنجیدگی سے میرے زخموں پر مرہم رکھنا سب یاد تھا اور پھر اس رات تمہارا گھبرائی آواز میں فون کرنا سمجھ میری تو جان ہی اٹک گئی تھی، روتے ہوئے تمہارا میرے سینے لگنا میری جی چاہا تھا میں تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی بانہوں میں سب سے چھپا لوں اور پھر قدرت کا مجھ پر اتنا مہربان ہونا کہ اچانک تمہیں میری زندگی میں شامل کرنا اس رات میں کتنا خوش اپنے کمرے میں داخل ہوا تھا تمہیں اپنے حال دل سنانے کو بے تاب تھا مگر آگے سے تمہاری باتیں سن کر میں سن ہی ہو گیا تھا وقتی طور پر غصے میں آگیا مگر پھر بعد میں جب بابا اور ماں نے سمجھایا تو مجھے واقعی تمہاری ذہنی

کیفیت کا احساس ہوا اور پھر میں نے واقعی بابا کی یہ بات سمجھ لی کہ اس وقت تمہیں میرے پیار کی نہیں اعتبار کی ضرورت ہے مجھے پہلے تم پر اپنا اعتبار قائم کرنا تھا میں تو بس یہی سمجھ رہا تھا مگر اصل بات تو کچھ اور ہی تھی اور اس رات کمرے میں محبت سے مغلوب ہو کر جب بے ساختہ میں تم سے اقرار محبت کر بیٹھا تھا تمہارا ردعمل دیکھ کر صدمے سے کھڑا رہ گیا تھا اور پھر جب خون میں لت پت تمہیں گرا دیکھا تو لگا جیسے جسم سے جان نکلی جا رہی ہے تمام راستے اپنے خدا سے گڑگڑا کر تمہاری زندگی کی بھیک مانگتا گیا تھا اور تب مجھے احساس ہو گیا تھا کہ میں تمہارے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور پھر میں نے ایک اور فیصلہ کیا کہ مجھے تمہیں وقت دینا ہے ہاں یہ وقت ہی تمہیں یقین دلائے گا میرے پیار کا، مجھ پر اعتبار کرنے کا اور جب تم اپنے دل کی آواز کو سن کر اسے زبان دو گی پھر ہی اس تعلق کو آگے بڑھاؤں گا ورنہ تمام عمر تمہارے انتظار میں زندگی بتا دوں گا مجھے تمہارے منہ سے اقرار سننا تھا تاکہ ہر غلط فہمی دور ہونے کے باوجود کچھ عرصہ تم اپنے فیصلے کو جذباتی پن سمجھ کر پچھتانے نہ لگو کبھی اپنے دل پر جبر کر کے تمہیں سویرا کے پاس بھیج دیا تمہاری آنکھیں جو کچھ مجھ سے کہہ رہی تھیں میں انہیں پڑھ کر بھی انجان بنا رہا اور اپنے اس فیصلے میں، میں نے بابا، ماں اور سویرا کو بھی شریک کر لیا میں نے ان سب کو سختی سے منع کر دیا کہ میرے بارے میں اس وقت تک تذکرہ نہیں کرنا جب تک تم خود نہ پوچھو اور تمہاری ایک ایک حرکت کے بارے میں سویرا نے مجھے باخبر رکھا تم کیا جانو یہاں پر میں نے یہ دو سال کیسے گزارے ہیں تمہارے بعد ہر بارش نے میرے تن کو جلایا ہے سامنے گارڈن میں جھولے پر جھولتی وہ بے خبر معصوم لڑکی جو بھیگی سی اپنے وجود کی حشر سامانیوں سے بالکل انجان بارش میں بھیگتی مجھے تڑپا رہی تھی یا پھر رات کی چاندنی میں چپکے چپکے اپنی بالکونی میں بیٹھ کر میرے گٹار اور آواز سے لطف اندوز ہوتی تھی پرانی حویلی میں مجھے دیہاتی کاموں میں مصروف چور اور حیران نظروں سے دیکھتی تھی، باڑے میں چلتی کٹے سے گھبرا کر ٹھک میرے سینے میں آسمانی تھی اپنی ستائشی بھری نظروں کو مجھ سے ہی چراتی تھی اس بات سے انجان کہ میں اس کی ایک ایک جنبش پر نظر رکھے ہوا تھا ان دو سالوں میں، میں ہر جگہ تمہیں کھوجا ہے یاد کیا ہے تڑپا ہوں تمہاری جدائی میں بالکل اس طرح جس طرح تم میرے لئے تڑپتی رہی ہو، میں چاہتا ہوں کہ تم دل و دماغ سے گاؤں میں آکر میرے سنگ اپنی زندگی گزارو اور میرا جو اس گاؤں کو خوشحال اور ترقی پسند بنانے کا ارادہ ہے اس میں بھرپور ساتھ دو میں اپنے بابا کے خواب کو تا عمر ساتھ لے کر چلنا چاہتا ہوں اور مجھے اس میں تم جیسے ساتھی کا بھرپور ساتھ چاہیے۔'' سکندر نے اپنی چاہتوں کا اظہار کرتے ہوئے کہا اور ذائریہ کا من یہ سب سن کر سرشار ہوتا چلا جا رہا تھا وہ محبت کی اسیر ہو چکی تھی اسے وفا کا احساس ہی نہیں یقین بھی آچکا تھا۔

''اور یہ جو تم نے لٹھ پہن کر میرے پرزور جذبات پر باندھ باندھنے کی ناکام سی کوشش کی ہے اس کی سزا تو تمہیں ضرور مل کر رہے گی۔'' سکندر ذائریہ کی جانب جھکتے اور شرارت پر آمادہ لہجے میں کہا اور ذائریہ جلدی سے شرما کر سکندر کے سینے میں منہ چھپا کر اس سے ہی چھپنے کی کوشش کی اور سکندر اس کی اس معصوم ادا پر قہقہہ لگائے بنا نہ رہ سکا۔

☆☆☆